وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ (القرآن الکریم)

یقیناً ہم نے قرآن مجید کو نصیحت کے لیے
آسان کر دیا ہے پس کوئی نصیحت حاصل کرنیوالا ہے

خطباتِ سلفیہ

شیخ الحدیث
مولانا محمد اسماعیل السلفی رحمہ اللہ

ملنے کا پتہ: نعمانی کتب خانہ
حق سٹریٹ اردو بازار لاہور
NOMANI KUTAB KHANA

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ (القرآن الكریم)

یقیناً ہم نے قرآن مجید کو نصیحت کے لیے
آسان کر دیا ہے پس کوئی نصیحت حاصل کرنیوالا ہے۔

خطباتِ سلفیہ

شیخ الحدیث
مولانا محمد اسمٰعیل السلفی رحمہ اللہ

۱۳۲۹ھ ــــــ ۱۳۸۷ھ
بمطابق
۱۹۲۱ء ــــــ ۱۹۶۸ء

ناشر
نعمانی کتب خانہ حق سٹریٹ اردو بازار لاہور

نام کتاب — خطباتِ سلفیہ

نام مصنف — شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفی رح

تصحیح و تہذیب — مولانا محمد چوہدری

طابع — بشیر احمد نعمانی

ناشر — نعمانی کتب خانہ، لاہور

تعداد — ایک ہزار

تاریخ اشاعت — مارچ ۱۹۹۰ء

صفحات — ۳۵۲

قیمت — روپے

220/-

س ل ف ـ خ

فہرست مضامین آخر میں ملاحظہ فرمائیں۔

عرضِ ناشر

حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سلفی رحمۃ اللہ علیہ تحریر و تقریر دونوں میدانوں کے بے مثل شہسوار تھے، آپ نہ صرف مذہبی پیشوا تھے بلکہ سیاسی میدان میں بھی بے بدل رہنما تھے۔

جب مولانا ۱۹۲۱ء میں تعلیم سے فارغ ہو کر جامع اہلحدیث چوک نیائیں میں مقرر ہوتے تو آپکے استاذ محترم مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی نے فرمایا تھا کہ میں تمھیں ایک ہیرا دے رہا ہوں اس کی قدر کرنا۔

آپ جمعیت اہلحدیث کے بانی اور مؤسس تھے۔ آپ نے ۱۹۴۹ء میں مولانا محمد داؤد غزنوی کی معیت میں پاکستان کے کونے کونے میں اہلحدیث کے ہر گھر میں دستک دے کر جمعیت اہلحدیث کی تنظیم کی اور کراچی سے لنڈی کوتل تک پوری جماعت کو ایک لڑی میں پرو دیا اور پورے پاکستان میں جمعیت اہلحدیث کا جال بچھا دیا۔ جب تک جماعت کو آپ کی سرپرستی حاصل رہی ہے جماعت نے دن دگنی رات چوگنی ترقی کی ہے اور مولانا ہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ اس وقت ملک کے کونے کونے میں جمعیت اہلحدیث بیدار ہو چکی ہے۔

آپ کے خطبات سے استفادہ کے لیے نہ صرف گوجرانوالہ شہر کے لوگ حاضر ہوتے بلکہ دوسرے شہروں اور دیہاتوں سے بھی لوگ آکر فیض یاب ہوتے۔

آپکے خطبات اور درس کی اثر آفرینی سے ہزاروں افراد ہم خیال ہوتے اور فوج در فوج کی صورت میں شامل ہو کر جمعیت اہلحدیث کے صفِ اوّل کے سپاہی بن گئے۔

مولانا اعلیٰ درجہ کے صاحبِ فراست اور دور اندیش، ذہین سمجھدار اور تمام علوم و فنون اسلامیہ کے بحرِ بیکراں تھے۔ آپ نہایت خوددار اور بے لوث تھے۔

آپ جمعیت اہلحدیث کے انتظامی امور میں ایک پیسے کے بھی حساب دار نہیں بنے اور ہمیشہ انتظامیہ کے فنڈ سے بے تعلق رہے۔

مولانا نے عرصہ ۴۷ سال ایک ہی مقام پر خطبہ دیا اور درس و تدریس کا کام کیا۔ اور

پوری ذمہ داری، لگن اور یکسوئی سے کام کیا ہے۔ اِس عرصہ میں آپ کو دُوسرے مقام کے لیے بڑی بڑی تنخواہ کی پیش کش بھی ہوتی رہی لیکن آپ نے سب کو ٹھکرا دیا۔ ایک دفعہ سرگودھا کی جماعت نے آپ کو لے جانے کی درخواست کی اور تنخواہ کی بھی بڑی رقم بتائی لیکن مولانا نے جواب میں فرمایا کہ میں تنخواہ کے لالچ میں آکر ایک ایسے مقام کو نہیں چھوڑوں گا جہاں میں نے عرصہ دراز لگا کر بہترین افراد کی ایک ٹیم تیار کی ہے۔ کیا اِس پھلے پھولے باغ کو چھوڑ کر دُوسری جگہ چلا جاؤں؟

اِسی طرح جامعہ اسلامیہ (مدینہ یونیورسٹی) کے لیے بحیثیت شیخ الحدیث سعودی حکومت نے دعوت دی لیکن آپ نے اُن کو بھی جواب دے دیا اور فرمایا کہ میں اس جگہ کو چھوڑ نہیں سکتا جہاں میں نے عُمر لگا دی ہے۔

مجھے خواب میں مولانا کی بارہا زیارت ہُوئی ہے۔ میں نے آپ کو خواب میں بھی تحریر و تقریر، دَرس و تدریس اور وعظ و تبلیغ میں مصروف پایا ہے۔ میں نے عرصہ سولہ سال مولانا کی شاگردی کی ہے اور قریب سے دیکھنے کا موقعہ مِلا ہے۔ مولانا میں وُہ تمام خُوبیاں پائی ہیں جو ایک مکمل اور صحیح مُسلمان میں ہونی چاہئیں۔ نہایت سادہ مزاج اور بے حد محنتی اور جفاکش انسان تھے۔

باوجود اتنے بڑے انسان ہونے کے گھریلو کام کاج بھی خُود اپنے ہاتھوں سے کیا کرتے تھے شب بیدار تھے اور صبح مسجد میں اوّل وقت اپنے گھر آبادی حاکم رائے سے چوک نیائیں میں پیدل چل کر آتے تھے اور دَرسِ قرآن کا ناغہ نہیں فرماتے تھے بلکہ بعض دفعہ آپ دُور دراز شہروں میں جلسہ سے فارغ ہو کر رات کے ایک ایک اور دو دو بجے بھی تشریف لاتے اور درس کا ناغہ نہیں ہونے دیا۔

میرے لیے یہ بہت بڑی سعادت مندی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے مولانا کے خطبات شائع کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے اور میں اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا ہوں کہ وہ مولانا کے ان خطبات سے قارئین کو فیضِ عام نصیب فرمائے۔ آمین

ناچیز: بشیر احمد نعمانی
مدیر: نعمانی کتب خانہ
حق سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور ۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تصدیر

مولانا محمد اسماعیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۲۱ء میں اپنے محترم استاد حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی کی معیت میں گوجرانوالہ تشریف لائے پھر یہاں کے ہی ہو رہے۔ درس کی صورت میں مدت العمر میں ایک دفعہ قرآن مجید مکمل ہوا۔ خطبات جمعہ کی صورت میں ساری عمر میں انیس ۱۹ پارے مکمل ہو سکے۔

درس اور خطبہ کا طرہ امتیاز تسلسل تھا۔ جس کی وجہ سے باقاعدگی سے درس سننے والے اور جمعہ میں حاضر ہونے والے کی مسلسل ذہنی تربیت ہوتی تھی اور ہر ایک درس یا خطبہ آنے والے خطبہ یا درس کی بنیاد بنتا تھا۔ جس کی وجہ سے قرآن مجید کے مطالب سامعین کے ذہن میں راسخ ہوتے جاتے تھے۔ ہمارے علماء کرام اس طریق کار کو اپنانے سے قاصر رہے ہیں جس کی وجہ سے خطبات ایک دوسرے سے مربوط نہیں ہوتے اور سامعین ذہنی پراگندگی کا شکار ہوتے ہیں نتیجۃً مسلسل مسجد میں آنے والے اصحاب بھی قرآن مجید کے مطالب سے کما حقہٗ واقف نہیں ہوتے۔

والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ یہ جواہر ریزے بکھیرتے رہے۔ آپ کے ہم عصر لاشعوری طور پر سمجھتے رہے کہ اس معمار امت کی عمر کبھی ختم نہ ہو گی اور ہم ان سے ہر وقت استفادہ کرتے رہیں گے۔ لہٰذا ان کے خطبات کو صفحات قرطاس میں مقید کرنے کی کسی کو سوچ تک نہ آئی۔

آخر کچھ اصحاب نے آپ کی عمر کے دھارے کو دیکھا اور مستقبل میں جھانکا اُن کو محسوس ہوا کہ کل من علیھا فان کے اصول سے تو کوئی مفر نہیں کیوں نہ ان جواہر ریزوں کو محفوظ کیا جائے۔ تاکہ یہ ہمہ وقت کام آسکیں ان میں

۱۔ قاضی محمد عبداللہ صاحب بن قاضی عبدالرحیم صاحب مرحوم سابق امیر جماعت اہلحدیث پنجاب

۲۔ چودھری عبدالواحد صاحب بازار کسیریاں گوجرانوالہ
۳۔ خواجہ محمد قاسم صاحب خطیب جامع مسجد اقصیٰ سیٹلائیٹ ٹاؤن گوجرانوالہ

شامل ہیں۔ یہ اصحاب زادہم اللہ لطفاً و کرماً مولانا محمد اسماعیل صاحب کے خطبات و دروس نوٹ کر لیتے۔ ان نوٹس کو ایک مسلسل مضمون کی صورت میں ہفت روزہ "الاعتصام" جو کہ جمعیت اہل حدیث کا ترجمان تھا۔ میں چھپواتے۔ والد گرامی اس پرچہ کے سرپرست بھی تھے اور اس کا باقاعدہ مطالعہ بھی کرتے تھے۔ یہ سارے مضامین الاعتصام میں چھپے ہیں۔ آپ نے ان پر اعتراض نہیں کیا۔ اس طریق سے ان دروس اور خطبات کو والد گرامی کی طرف سے صحت کی سند حاصل ہے۔

الاعتصام کی تمام فائلیں جناب استاذ محترم مولانا عطاء اللہ صاحب حنیف صدر جمعیت اہل حدیث لاہور کی معاونت سے حاصل ہوئیں جزاہ اللہ احسن الجزاء

مضامین نقل کرنے کا صبر آزما اور کٹھن کام جناب حافظ عبدالسلام صاحب خطیب جامع بلال سیٹلائیٹ ٹاؤن نے اپنے ذمہ لیا اور خوب نبھایا اس میں مشکل دور بھی آئے مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے پائے عزیمت میں لغزش نہ آنے دی فللہ الحمد علیٰ ذالک

نقل نویسی کے اخراجات کا بار انجمن سلفیہ اسلامیہ ماڈل ٹاؤن گوجرانوالہ نے اٹھایا فجزاہم اللہ احسن الجزاء

اس وقت جو مواد اکٹھا ہوا ہے۔ ان میں ستر کے قریب خطبات ہیں ان میں عبادات، معاملات۔ معاشرت۔ خوراک۔ طریق بحث۔ ایمانیات۔ قیامت۔ جہاد۔ ردّ شرک۔ اور اسی قسم کے ڈھیر سارے مضامین آ گئے ہیں۔ ان میں ان کا اپنا نرالا اور انوکھا انداز ہے یہ انداز انتہائی سنجیدہ۔ عالمانہ اور محققانہ ہے مگر اسے اتنا ادق اور مشکل نہیں بنا دیا گیا کہ وہ عام سامعین کی ذہنی سطح سے بلند تر ہو جائے۔

مولانا مسعود عالم ندوی کو کچھ عرصہ گوجرانوالہ میں قیام کا موقع ملا۔ وہ ہمیشہ جمعہ جامع اہل حدیث گوجرانوالہ میں پڑھتے تھے۔ مولانا موصوف سکہ بند اور معیاری اردو بولتے تھے عربی کے متبحر عالم تھے۔

والدگرامیؒ پنجابی میں خطبہ دیتے تھے مولانا مسعود عالم کا کہنا ہے کہ پنجابی اس طرز کی ہوتی تھی کہ عالم اور ناخواندہ دونوں اس سے استفادہ کرتے تھے یہ ایک ایسا امتیاز تھا جسے صرف اللہ کی عنایت خاصہ ہی کہا جاسکتا ہے وہ اپنی نوازشات سے جسے چاہے نواز دے۔

جناب پروفیسر عبدالحمید صاحب صدیقی رحمہ اللہ تعالیٰ علوم دینی اور دنیوی دونوں سے بہرہ ور تھے اللہ تعالیٰ نے قلم میں روانی عطا کی تھی اردو اور انگریزی سب خوب لکھتے تھے صاحب موصوف فرماتے ہیں جب کبھی خطبہ میں شامل ہوئے کوئی نہ کوئی نیا نکتہ لے کر خطبہ سے اٹھے ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم

والدگرامیؒ نے ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۲۱ء سے ۱۳۸۷ھ مطابق ۱۹۶۸ء تک خطبہ اور درس کا کام جاری رکھا یہ عرصہ تقریباً سینتالیس سال پر محیط ہے اگر سارے خطبے اور درس تحریر کئے جاتے تو ایک عظیم الشان ذخیرہ ہوتا مگر ایسا نہ ہوسکا۔ اب جو مل گیا ہے وہی غنیمت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے استفادہ کی توفیق بخشے اور صدقہ جاریہ کی وجہ سے مرحوم کے درجات بلند کرے۔

آپ خطبات پر ایک سرسری نظر ڈالیں تو آپ دیکھیں گے کہ بعض خطبوں میں لغوی اور اصطلاحی معانی کی عقدہ کشائی کی گئی ہے۔ بعض دفعہ ایک ہی آیت پر خطبہ متعدد جمعوں پر محیط ہے۔ پھر خطاب میں استدلال کے ذریعہ کئی مسائل کا ذکر آ گیا ہے اور یہ مسائل غیر ضروری نہیں ہیں بلکہ ایک آدمی کے ذہن میں اٹھتے ہیں اور اس طرح ایک عام آدمی جو محسوس کرتا ہے اس کا جواب اس کے سوال کے بغیر ہی مہیا کر دیا جاتا ہے یہی ایک حسین امتزاج تھا کہ سامعین کو دور دور سے کھینچ کر ان کے خطبوں میں شمولیت کی دعوت دیتا اور مسجد کی وسعتیں اپنی تنگ دامانی کی شکایت کرتیں۔

اس پر مستزاد یہ کہ خطبے میں کبھی اکتاہٹ پیدا نہیں ہوتی تھی نہ اتنا طویل کہ لوگ تنگ آجائیں اور نہ اتنا چھوٹا کہ پلے کچھ نہ پڑے۔ ایک متوازن خطبہ ہوتا تھا جو تقریباً آدھ گھنٹہ میں ختم ہو جاتا اور اس قدر پر مغز ہوتا تھا کہ ہر شخص ایک اطمینان لے کر مسجد سے

رخصت ہوتا تھا۔

یہ خطبات ایک طالب علم کو اس بات کی طرف راغب کرتے ہیں کہ جب علم کو حصول کے لیے اپنایا جاتا ہے۔ اس کے اندر جھانکا جاتا ہے تو اس سے کس قدر نکتہ آفرینی کے مواقع مہیا ہوتے ہیں اور اس سے کس طرح مستفید ہوا جاتا ہے نیز دوسروں کو اس سے کس طرح بہرہ ور کیا جاتا ہے۔ طالب علم خوب سمجھنے لگتا ہے۔

ع علم را بر جاں زنی یارے بود

خطیب حضرات اس سے استفادہ کر سکتے ہیں کہ کس طرح جذبات کی رو میں بہے بغیر ادلہ اور براہین کی بنیاد پر انسان اپنا مدعا اپنے سامعین کو سمجھا سکتا ہے نہ صرف سمجھا سکتا ہے بلکہ لوگ اس کے ہم خیال بن کر اس کی مجلس سے نکلتے ہیں۔

یہ خطبات قرآن و حدیث کے چولی دامن کے ساتھ کی ایک زندہ مثال ہیں۔ ان کے پڑھنے سے لاشعوری طور پر یہ بات ذہن میں آتی ہے کہ حدیث قرآن مجید کی تفسیر ہے اور ان کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا بلکہ قرآن مجید کے خطاب و معانی کی بھرپور وضاحت کے لیے حدیث کی اشد ضرورت ہے۔ یہ خطبات قرآن مجید کی اس آیت کی تفسیر ہیں۔ وانزلنا الیك الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم ولعلھم یتفکرون۔ اس طریق خطاب میں منکرین حدیث کے الزام کا ایک مسکت جواب ہے۔

پاکستان اسلامیان ہند کی کوششوں سے اسلام کے نفاذ کے لیے معرض وجود میں آیا۔ اس ملک میں برسر اقتدار طبقہ نے ہمیشہ اسلام کا نام لیا تاکہ لوگ اس سے متنفر نہ ہوں مگر نفاذ اسلام میں ہمیشہ منفی پہلو سامنے رکھا اس طرح مسلمانوں کا ملک ہونے کے باوجود اسلامی تعلیمات ہمارے طالب علموں کی دسترس سے باہر رہیں۔
اگر ہم یہ خطبات اپنے گھر میں رکھیں بچوں کو پڑھوائیں تو جدید حضریت کے منفی اثرات ان کے ذہنوں سے بہت حد تک دور ہوں گے۔ وہ ایک باعمل مسلمان بننے کی ایک ہموار راہ اپنے سامنے پائیں گے اس طرح ہم اپنی ذات کے ساتھ ساتھ اپنے ملک

کی اجتماعی خدمت بھی کر سکیں گے اس طریق سے پاکستان کو مضبوط سے مضبوط تر بنانے میں ممد و معاون ثابت ہوں گے۔

علمیت کا دعویٰ ہے نہ غلطیوں سے مصؤن ہونے کا۔ ہر انسانی کام میں فروگذاشت کا موجود ہونا تقاضائے بشریت ہے۔ ہمیں ان فروگذاشتوں کو دور کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہنا چاہیے۔ یہ خطاب مرتب ہوئے اور فاضل خطیب فروری ۶۸ء میں اس دنیا فانی سے تشریف لے جا چکے تھے اس لیے ان کو معیاری بنانے کے لیے ان اصحاب کی آراء کی اشد ضرورت ہے جو ان کے خطاب میں کثرت سے شمولیت کرتے رہے ہیں اور ان کے ذوق کو سمجھتے ہیں۔ امید ہے سامعین حضرات کا یہ طبقہ ہمیں بھولے گا نہیں بلکہ انشراح صدر کے ساتھ فروگذاشتوں کی طرف توجہ دلائے گا تاکہ ان کو بہتر سے بہتر بنایا جا سکے۔

محمد بن اسماعیل السلفی
C/۴۲ سیٹلائیٹ ٹاؤن گوجرانوالہ
۱۷ ذیقعدہ ۱۴۰۶ھ مطابق ۲۵ جولائی ۸۶ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ جمعہ ـــــ ۷ ار جنوری ۱۹۶۴ء ـــــ مرتب چوہدری عبدالواحد صاحب

روزہ، اس کا مقصد اور بعض اہم مسائل

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۙ (البقرۃ) آیت ۱۸۳

اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کر دیئے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم متقی بن جاؤ۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت اور عنایت ہے کہ اس نے زندگی عطا کی اور اس مہینہ سے فائدہ اٹھانے کا پھر موقع دیا۔ پچھلے سال ان دنوں میں بعض دوست جو ہمارے ساتھ تھے اب نہیں۔ وقت گذر رہا ہے اور واقعات ہو رہے ہیں اس کو کوئی روک نہیں سکتا۔ انبیاء کرام اور اہل اللہ پر بھی یہ وقت آیا اور ہم پر بھی آنے والا ہے انسان اگر اپنی زندگی کے وقت کو خیر و برکت میں صرف کرے تو یہ زندگی بہتر ہے ورنہ لمبی سے لمبی زندگی بھی بے کار ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں اس مہینہ سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا کرے۔

اس مہینہ میں مختلف عبادتیں ہیں۔ ان میں سے ایک روزہ ہے۔ صوم۔ صیام کا لفظی معنی رک جانا ہے کسی طرح کی حرکت کا رک جانا صوم ہے۔ نصف النہار پر سورج پہنچ کر کچھ دیر کے لیے رکتا ہے اس کو "الشمس صائم" کہا جاتا ہے اسی طرح چلتا گھوڑا رک جائے۔ اس کو بھی صائم کہا جاتا ہے۔

روزہ کی حالت میں ایک مسلمان بعض کاموں سے رک جاتا ہے۔ اس مخصوص حالت میں اپنے اوپر پابندی عائد کرتا ہے صبح سے شام تک کھانا نہیں کھاتا کھانا موجود ہوتا ہے کھا بھی سکتا ہے لیکن اس کے باوجود کھانے سے رک جاتا ہے اپنی

ایک خواہش پر ضبط کرتا ہے اور اپنے جسم و قویٰ کو قابو میں رکھتا ہے۔ یہی ضبط اور قابو روزہ کی اصل روح ہے۔ روزہ ایک مشن ہے جس سے مسلمان کو اپنے اوپر ضبط اور کنٹرول رکھنے کی عادت پڑتی ہے ایک خاص مدت میں بعض امور سے روک دیا جاتا ہے اس طرح انسان کے اندر ضبط کی صفت پیدا ہوتی ہے۔

بعض لوگ صبح سے شام تک کھاتے تو کچھ نہیں لیکن دن بھر جھوٹ، زبان درازی، فحش کلامی اور لغویات سے باز نہیں آتے ایسے لوگ روزہ کے مقصد کو ختم کر دیتے ہیں۔

مَنْ لَمْ یَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِہٖ فَلَیْسَ لِلّٰہِ حَاجَۃٌ اَنْ یَدَعَ طَعَامَہٗ وَشَرَابَہٗ (مشکوٰۃ بحوالہ صحیح بخاری)

جو شخص جھوٹی بات اور اس پر عمل کرنا نہ چھوڑے اللہ تعالیٰ کو کوئی ضرورت نہیں کہ وہ اپنا کھانا اور پینا چھوڑے

ایک انسان کو غصہ آنا قدرتی امر ہے بلکہ باعزت زندگی گذارنے کے لیے غصہ ضروری ہے لیکن غصہ کی حالت میں اپنے آپ پر ضبط ہونا چاہیے۔ اور اس حالت میں خوف خدا ذہن سے محو نہ ہونا چاہیے روزہ رکھنے کے باوجود اگر کوئی غصہ میں آپے سے باہر ہو جاتا ہے اور ایسی حرکات کرتا ہے جو جائز نہیں تو اسے روزہ کا مقصد حاصل نہ ہوگا۔ طبیعت کا ایسے وقت میں بے قابو ہو جانا اس تربیت کی عین ضد ہے جو روزہ سے حاصل ہونی چاہیے۔

انسانی نسل کی بقار کے لیے اللہ تعالیٰ نے مرد و زن کے اختلاط کو ذریعہ بنایا ہے اور اس کا جائز طریقہ نکاح قرار دیا ہے اور انسان کو اس طاقت کے غلط استعمال سے روکا ہے۔ روزہ کے ذریعے مسلمان کو دن بھر بیوی سے تعلق قائم کرنے سے روک کر یہ سکھانا مقصود ہے کہ جس امر سے اللہ تعالیٰ روک دے اس سے رک جانا اور جس کو کرنے کا حکم دے اس کو کرنا اصل مقصد ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو نظر دیکھنے کے لیے عطا کی ہے اور اس پر انسان کو اختیار دیا ہے کہ جیسے چاہے استعمال کر سکتا ہے اس کے ساتھ ہی نظر کے لیے آداب و قواعد

دیئے ہیں۔ کہ کس جگہ پڑنی چاہیے اور کس جگہ نہیں پڑنی چاہیے ایک آدمی روزہ کی حالت میں نظر کو غیر محتاط رکھتا ہے تو اگرچہ رسمی طور پر اس نے روزہ پورا کرلیا۔ لیکن مقصد فوت ہوگیا۔ رُبَّ صَائِمٍ لَيْسَ لَهُ مِنْ صِيَامِهِ اِلَّا الْجُوْعُ ایسے ہی روزہ داروں کے لیے کہا گیا ہے کہ ان لوگوں کو روزہ سے بھوک کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا اس سے کسی ثواب اور اجر کی توقع عبث ہے۔

حقیقت یہ ہے اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ روزہ کے ذریعے سے تمام مسلمانوں کے اندر ایسا ضبط اور ایسی اطاعت الٰہی پیدا ہو جائے کہ وہ ہر منکر کو بلا حیل و حجت ترک کر دیں اور ہر معروف کو اختیار کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہیں۔

كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ

دھریت کو چھوڑ کر دنیا کے تمام مذاہب میں روزہ اپنی بگڑی ہوئی شکل میں آج بھی موجود ہے اس سے اسلام کی صداقت ظاہر ہے ان میں وقت، تعداد اور کیفیت کا فرق ہے لیکن روزہ کے آثار بہرحال موجود ہیں جس طرح پہلی امتوں نے دوسرے احکام الٰہی میں افراط و تفریط سے کام لیا اکثر بیونت اور تحریف کی اسی طرح کا معاملہ روزہ کے ساتھ بھی ہوا۔ یہود نے روزوں کی تعداد کم کرتے کرتے سال میں صرف ایک روزہ مقرر کر دیا اور نصاریٰ نے بڑھا کر تعداد پچاس کر دی ایسا کرنے والے مسلمانوں میں بھی پیدا ہوئے ہیں جنہوں نے کہا ہے کہ روزے تین ہیں حدود اللہ کی پابندی نہ کرنا یہودی ذہن ہے اور اپنی مرضی سے اس میں اضافہ کرنا مسیحی ذہن۔ ان حضرات نے اپنے عمل سے یہ ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر بوجھ زیادہ ڈال دیا تھا اس لیے اس کی تعداد کو کم کر دیا اور دوسرے گروہ نے یہ سمجھا ہے کہ جس قدر بوجھ کی ضرورت تھی بوجھ اس سے کم ہے اس لیے انہوں نے تعداد کو بڑھا دیا اور اس طریقہ سے اللہ کے دین کی مرمت کرتے رہے اور آج بھی یہ سلسلہ مشق ستم جاری ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں طریقوں کے درمیان اعتدال قائم کیا ایک صحابی کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے فرائض بتائے تو اس نے سوال

کیا کہ اس کے علاوہ کچھ اور ؟ تو جب اس کے جواب میں آپ نے بس کہا تو اس نے کہا تھا کہ میں ان میں نہ تو کمی کروں گا نہ زیادتی اور اس پر خدا کو گواہ بنایا اس موقعہ پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ جس نے جنتی دیکھنا ہو اس کو دیکھ لے (مشکوٰۃ بحوالہ صحیحین) اپنی مرضی اور فہم سے احکام الٰہی میں ترمیم کرنا بہت بڑا ظلم اور گناہ ہے۔

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ تاکہ تقویٰ پیدا ہو اللہ تعالیٰ کا ڈر پیدا ہو ہر کام کرتے وقت یہ خیال ذہن میں آئے کہ اس کے کرنے سے اللہ تعالیٰ ناراض تو نہ ہوں گے۔ کیا یہ جائز اور روا ہے! ہر معاملہ میں احتیاط کو اختیار کرنا تقویٰ ہے۔ تقویٰ کا تقاضا ہے کہ ایک مسلمان ان امور کو بھی ترک کر دے جن کے جائز ہونے کے متعلق شبہ ہو۔ رخصتوں کو چھوڑ کر عزیمت کی راہ اختیار کرنا تقویٰ ہے۔ روزہ افضل امور کو اختیار کرنے کی عادت ڈالتا ہے اور اس طرح تقویٰ کی صفت پیدا ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کو ترک کر دینا تقویٰ نہیں ہے۔ قرون وسطیٰ میں اہل تصوف نے یہ راہ پیدا کی تھی بعض نے ہاتھ بیکار کر دیئے کہ ہاتھ سے ہونے والی برائیوں سے بچ جائیں بعض نے نظر کی برائیوں سے بچاؤ کے لیے آنکھیں ضائع کر دیں بعض نے کھانے اور لباس کو انتہائی حد تک حقیر کر دیا۔ دنیا کی چیزوں اور مال و دولت سے تعلق بالکلیہ توڑ دیا۔ اور اس امر کی دعوت دی جاتی رہی —— کیا یہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ نے بیکار پیدا کی ہیں ؟ اور اگر ایسا نہیں ہے اور مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا درست ہے تو ان سے فائدہ نہ اٹھانے کا کیا مطلب ہے ؟

انبیاء کرامؑ کا اسوہ ہمارے لئے مشعل راہ ہے انبیاء نے دنیا کے تمام وسائل کو استعمال کیا اور ان سے کام لیا ہے۔ اسراف اور تبذیر سے بھی روکا اور بخل سے بھی منع کیا اور اعتدال کی راہ اختیار کرنے کی تلقین کی۔ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش غربت کے ماحول میں ہی ہوئی لیکن بعد

میں اللہ تعالیٰ نے حکومت عطا کی تو بے شمار مال و دولت آیا لیکن بے نیازی سے صرف کر دیا۔ توفیق کے مطابق کھانا پینا اور پہننا چاہیے۔ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ بہر حال اس میں احتیاط لازم ہے۔

روزہ کی حالت میں[1] بعض امور کو جائز رکھا ہے جس میں خوشبو لگانا غسل کرنا سر ڈالنا، کان میں دوا ڈالنا شامل ہے بطور غذا ہر چیز کے استعمال سے منع کر دیا گیا ہے۔

رمضان میں دوسری عبادت قیام اللیل ہے زائد نماز فرض نہیں کی گئی بلکہ نوافل معین کیے گئے ہیں اور ان کی ادائیگی کی ترغیب دی ہے۔ من قام رمضان ایمانا واحتسابا غفرله ما تقدم من ذنبه تراویح پر اجر عظیم کی بشارت دی گئی ہے یہ دراصل تہجد کی نماز کو ہی عشاء کے وقت کر دیا گیا ہے تراویح کی ثابت سنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آٹھ ہے اور وتر ۱، ۳ یا ۵ بعض صحابہ کرام نے تراویح ۸ سے زائد ۲۰، ۳۰، ۴۰ بھی پڑھی ہیں[1] اس معاملہ میں بحث کی ضرورت نہیں جس قدر انسان آسانی سے اور صحیح طور پر ادا کر سکے پڑھے۔

---

[1] حقیقت یہ ہے کہ بیس یا اس سے زائد تراویح کسی ایک صحابی سے بھی ثابت نہیں جن روایات میں کسی صحابی سے بیس رکعات تراویح کا ذکر آیا ہے ان میں سے کوئی بھی سند کے لحاظ سے پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی جیسا کہ اس دور کے مشہور محدث شیخ ناصر الدین البانی حفظہ اللہ نے اپنے رسالہ "صلوۃ التراویح" میں مدلل طور پر بیان فرمایا ہے۔

از عبدالسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ جمعہ ——— ۲۴ جنوری ۱۹۶۴ء ———

روزہ کے بارہ میں بعض ضروری امور

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ فَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ وَأَن تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ

(بقرۃ) آیت ۱۸۳ تا ۱۸۴

اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم متقی بن جاؤ۔ گنتی کے دن ہیں اور اگر ان میں بھی تم میں سے کوئی بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں میں گنتی کرکے روزہ رکھے اور جو لوگ مشکل سے طاقت رکھتے ہوں ان پر ایک مسکین کا کھانا ہے اور جو خوشی سے زیادہ خیرات کرے تو یہ اس شخص کے لیے اور بھی بہتر ہے اور اس حالت میں بھی تمہارا روزہ رکھنا بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔

تقویٰ

پچھلے جمعہ کو یہ سمجھایا گیا تھا کہ روزہ ایسی ریاضت اور عبادت ہے جو کہ پہلی امتوں پر فرض کی گئی تھی اور اس کا مقصد لعلکم تتقون بتا کر یہ حکم دیا ہے کہ ہم احتیاط سے گذر کریں اپنے اندر ضبط پیدا کریں اس طریقہ سے تقویٰ پیدا ہوگا گناہ سے بچنے کی قوت اور نیکی کرنے کی توفیق ملے گی اگر کوئی آدمی روزہ تو رکھتا ہے لیکن زبان پر قابو نہیں رکھتا، جھوٹ بولتا ہے اور فسق و فجور میں مبتلا

رہتا ہے تو اس نے روزہ کا مقصد نہیں سمجھا اور اسے روزہ کے فوائد حاصل ہونے کے بجائے روزہ سے صرف بھوک اور پیاس ہی ملے گی۔ منشاءِ روزہ لعلکم تتقون ہر گز حاصل نہیں ہوگا۔ روزہ کی حالت میں لڑائی جھگڑے سے بھی منع کیا گیا ہے اگر کوئی شخص بالکل آمادۂ فساد ہو جائے تو اس کے جواب میں "اِنِّیْ صَائِمٌ" (میں روزہ دار ہوں) کہہ کر خاموش ہو جانا چاہیے بظاہر عقل اس جواب کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتی لیکن دشمن کے حملہ کے جواب میں ایسی متانت کا اظہار اپنے اندر بے حد حکمتیں رکھتا ہے اور بے انتہا لطف۔

ایام معدودات اور روزے کے فوائد

ابتدائے اسلام میں مسلمان ہر ماہ تین روزے رکھتے تھے اور محرم کی دس تاریخ کے روزہ کا بھی التزام کرتے تھے بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ ایام معدودات کا اشارہ ان دنوں کی طرف ہے لیکن یہ معنی کچھ زیادہ موزوں نہیں ہیں اگر ایسا ہی ہو تو یہ آیات منسوخ سمجھی جاتیں کیونکہ اس سے اگلی آیت میں رمضان کے روزہ کی صراحت آگئی ہے اس معاملہ میں ایک بات قابل غور ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ماہ تین اور عاشورہ کے روزہ کی بے حد ترغیب دلائی ہے اگرچہ واجب نہیں کیا اور خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تمام عمر یہی رہا ہے آپ نے ان روزوں کو کبھی نہیں چھوڑا اس کے علاوہ آیت کا سیاق وسباق بھی تقاضا کرتا ہے کہ یہ الفاظ رمضان کے متعلق ہی ہیں۔

ویسے غور کیا جائے تو ۲۹، ۳۰ دن بھی کوئی لمبی مدت نہیں ہے بلکہ ایام معدودات ہی ہیں یہ ہماری تسکین کے لیے فرمایا کہ یہ چند گنتی کے دن ہیں گھبرانے کی ضرورت نہیں مالا یطاق بوجھ نہیں ڈال دیا گیا۔ اور فی الواقع جو لوگ روزے رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ کوئی تکلیف کی بات نہیں۔ غور کیجئے یہ تکلیف کی کون سی بات ہے کہ دو وقت کھانے کی گنجائش ہے افطار کی اجازت ہے بلکہ حکم ہے صرف کھانے کے وقت تبدیل کر دیئے گئے اور ناشتہ اڑا دیا گیا ہے اس طرح

زیادہ فرق نہیں پڑا طبی نقطہ نظر سے روزہ کئی امراض کا علاج ہے۔ معدہ کو کافی عرصہ کے لیے آرام کا وقت مل جاتا ہے جس سے اس میں قوت کارکردگی بڑھ جاتی ہے۔ رطوبات خشک ہو جاتی ہیں معدہ کو تندرست کرنے کے لیے بھوک ایک قدرتی علاج ہے جس طرح ایک تھکا ہوا آدمی سستانے سے آسودہ ہو جاتا ہے اسی طرح آرام سے معدہ بھی درست ہو جاتا ہے۔

روزہ کے دوران ایک احساس یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ بھوک کی تکلیف کیسی ہوتی ہے جن لوگوں کو دو وقت کھانے کو نہیں ملتا ان کا کیا حال ہوتا ہے اور جن کے کئی کئی روز فاقے پڑتے ہیں ہم ان سے کیا تعاون کرتے ہیں اس طرح سے ان لوگوں کی تکالیف کی طرف ذہن متوجہ ہوتے ہیں۔

رعایت

اگر کسی قانون کے اندر لچک موجود نہیں ہے اور اس میں مستثنیات نہ رکھی گئی ہوں تو وہ قابل عمل نہیں ہوتا ایسے مراحل اور مواقع آتے ہیں جن کے لیے قانون میں رعایت موجود ہونی چاہیے اسی طرح روزہ سے بھی بعض لوگوں کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے ایسے لوگ جو انتہائی بیمار ہوں اور روزہ رکھنا ان کے لیے انتہائی محال ہو ان کو رعایت دی گئی ہے کہ روزہ نہ رکھیں فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ۔

بیماریاں دو قسم کی ہیں۔ ایک وقتی ہوتی ہیں اور مریض جلد شفایاب ہو جاتا ہے اور بعض امراض لمبے ہوتے ہیں۔ جیسے دق اور سل وغیرہ سالہا سال مریض ان میں مبتلا رہتا ہے اور صحت کے بعد بھی اس قابل نہیں ہوتا کہ روزہ رکھ سکے اول الذکر صورت میں فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ کی رعایت دی گئی ہے یعنی جس قدر روزے اس نے چھوڑے ہوں رمضان کے بعد ان کو مسلسل یا بغیر تسلسل کے پورے کر لے۔

دوسری قسم کی بیماری میں وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ کی رعایت ارزانی کی گئی ہے یعنی مشکل میں پڑنے کی بجائے ایک مسکین کا کھانا دیئے جائیں اس ضمن میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تصریح فرمائی کہ اس میں ایسا بوڑھا آدمی

جو روزہ نہ رکھ سکتا ہو شامل ہے۔ پیر فرتوت کے لیے فدیہ دینے کی رعایت ہے حمل اور رضاعت کی حالت میں عورت کو اجازت ہے کہ فدیہ دے کر روزہ چھوڑ دے روزہ کی حالت میں ماں اور بچے دونوں کی صحت پر بُرا اثر پڑ سکتا ہے اس لیے یہ رعایت دی گئی ہے عام طور پر ۲۰، ۳۰ سال تک مسلسل عورتیں اس صورت حال سے دوچار رہتی ہیں کہ ایک سال امید سے ہیں تو ایک سال بچہ کو دودھ پلا رہی ہیں اس صورت میں اگر وہ پیدائش کا سلسلہ بند ہونے پر چھوڑے ہوئے روزوں کی تعداد پوری کرنی شروع کریں تو باقی عمر روزے رکھنے میں ہی گذر جائے گی اس لیے فدیہ طعام مسکین کی رعایت ان کے لیے رکھی گئی ہے۔

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ مریض کے لیے کھلی چھٹی ہے کہ روزہ کی حالت میں جب تکلیف محسوس کرے روزہ کھول دے دن کے کسی بھی حصہ میں کھول سکتا ہے۔ مسافر کے لیے ضروری ہے کہ آغاز سفر میں روزہ رکھے۔ اس کے برعکس مرض کے آغاز میں بھی رخصت ہے۔

کس مرض میں روزہ نہ رکھے

کیسا مرض ہو تو روزہ نہ رکھے؟ اور کس قدر سفر ہو کہ افطار کرے؟ اس معاملہ میں کوئی پابندی عائد نہیں کی جا سکتی۔ کیونکہ اس کی صراحت موجود نہیں ہے امراض کئی قسم کے ہیں اور بعض ایسے ہیں کہ روزہ ان میں مفید ہے۔ مثلاً زکام۔ لیکن یہ اختیار مریض کو ہے اور اس معاملہ میں کوئی مفتی نہیں ہے صرف مریض کا ضمیر ہی اس کا مفتی ہے اگر وہ سمجھے کہ فی الواقع روزہ رکھنا مشکل ہے تو چھوڑ دے اس کے لیے کوئی پیمانہ مقرر نہیں کیا جا سکتا۔ ابن سیرین نے انگلی کے درد کی وجہ سے روزہ نہیں رکھا تھا اگر واقعی انگلی کا درد شدید ہو تو روزہ چھوڑا جا سکتا ہے بہر حال کسی طرح بھی پابند نہیں کیا جا سکتا۔ یہ مریض اور اللہ تعالیٰ کا معاملہ ہے اس ضمن میں ایک حدیث یاد رہنی چاہیے۔

"رمضان کا ایک روزہ بھی اگر جان بوجھ کر چھوڑا گیا۔ تو ساری عمر کے روزے بھی اس کے کفارہ کے لیے کافی نہیں ہو سکتے۔"

جنگ بدر اور فتح مکہ دونوں رمضان میں ہوئی تھیں جو اصحاب ان جنگوں میں شریک ہوئے تھے ان میں سے بعض نے روزہ رکھا تھا اور بعض نے چھوڑ دیا تھا۔ اور رکھنے والے چھوڑنے والوں پر کوئی اعتراض اور ملامت نہیں کرتے تھے ایک سفر کے دوران ایک مقام پر روزہ دار نڈھال ہو کر گر گئے تو جن لوگوں نے روزے نہیں رکھے تھے انہوں نے ان کی سواریاں اور سامان وغیرہ سنبھالا۔ تو اس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ :

"آج روزہ نہ رکھنے والے روزہ رکھنے والوں پر فوقیت لے گئے ہیں"

اس سے معلوم ہوا کہ بعض حالتوں میں روزہ چھوڑ دینا ضروری ہوتا ہے جنگ کے موقع پر تو آپ روزہ سے حکماً روک دیتے تھے تاکہ دشمن سے لڑنے میں کمزوری لاحق نہ ہو۔

کتنے سفر میں روزہ نہ رکھے؟

آسان سفر میں بھی روزہ چھوڑنے کی رعایت موجود ہے لیکن اگر رکھ لے تو مسافر کی مرضی پر منحصر ہے۔ کتنی مسافت پر روزہ چھوڑنا چاہیے؟ اس میں اختلاف ہے بعض علماء اہلحدیث کے نزدیک ۹ میل۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ۲۸ میل شوافع کے نزدیک ۴۸ میل ہے اسی طرح دوسرے ائمہ کرام نے اختلاف فرمایا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد سے مسافت واضح نہیں ہوتی۔ صحابہ کرام کا عمل بھی اس معاملہ میں مختلف ہے درحقیقت مرض کی طرح سفر کی بھی کوئی حد مقرر نہیں کی جا سکتی۔ سفر کی نوعیت میں کوئی بحث نہیں ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں بھی سفر کی سہولتوں کا فرق موجود تھا اور اب بھی ایسا ہی ہے۔ اس لیے یہ کہنا کہ ہوائی جہاز کا سفر ہو تو افطار نہ کرے درست نہیں ظاہری پابندی، احترام رمضان کرنا ضروری ہے۔ بے روزہ دار کے لیے سہولتیں مہیا کرنا غلط ہے بے عذر روزہ نہ رکھنے والوں کو کھانا دینا ظلم و گناہ ہے ایسا کاروبار ناجائز اور حرام ہے اور بددیانتی ہے۔

وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝

اگر ایک سے زیادہ آدمیوں کو کھانا کھلا دے تو یہ تطوع ہے اور اگر فدیہ دینے کے باوجود روزہ بھی رکھے تو یہ بھی تطوع ہے۔ مریض، مسافر، حاملہ اور مرضعہ اگر روزہ رکھیں تو یہ پسندیدہ ہے۔ لیکن روزہ کی وجہ سے جان کو ہلاکت میں ڈالنا گناہ اور ناجائز ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ جمعہ ——— ۲۰ جنوری ۱۹۶۴ء ——— مرتب: چودھری عبدالواحد صاحب

رمضان مبارک اور قرآن مجید

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (البقرۃ آیت ۱۸۵)

رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو انسانوں کے لیے ہدایت اور ایسی تعلیمات پر مشتمل ہے جو راہ دکھانے والی ہیں اور حق و باطل میں فرق کرنے والی ہیں پس جو اس مہینہ کو پائے اس کے لیے ضروری ہے کہ اس مہینہ کے پورے روزے رکھے اور جو مریض یا مسافر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں روزوں کی تعداد پوری کرے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے آسانی کا ارادہ کرتا ہے سختی نہیں کرتا اور تاکہ اس طرح تم تعداد مکمل کر سکو اور اللہ تعالیٰ کی کبریائی بیان کرو اس ہدایت پر جو اللہ تعالیٰ نے دی ہے۔

۱۔ ماہ رمضان اس لحاظ سے بھی بابرکت ہے کہ اس میں روزے فرض کئے گئے اور حکم دیا گیا کہ ۲۹ یا ۳۰ روزے رکھو۔

۲۔ اس وجہ سے بھی اس میں برکات ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مہینہ میں عبادت، صدقات، نوافل، تلاوت قرآن کی زیادہ سے زیادہ ترغیب دی ہے اور خود بھی اس پر سختی سے عمل کیا۔ انفاق فی سبیل اللہ کی کیا حالت ہوتی تھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس مہینہ میں بے حد مال و دولت غرباء و مساکین اور مستحقین

پر خرچ کیا کرتے تھے۔ "کان کریح مرسلۃ" چلتی ہوئی ہوا کی طرح۔

۳۔ رمضان کا مہینہ اس وجہ سے بھی بابرکت ہے کہ رمضان میں رات کی نماز اور قیام کی خاص تاکید ہے حدیث میں ہے۔ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل بیت کی رمضان کی راتوں میں کیا حالت ہوتی تھی وہ اس حدیث سے ظاہر ہے۔ رمضان میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کمر باندھ لیتے۔ رات کو قیام کرتے اور اہل خانہ کو نوافل کے لیے جگاتے۔

۴۔ ماہ رمضان کی برکات میں سے ایک برکت اس میں نزول قرآن بھی ہے۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ۔ اس مہینہ میں ایک ایسی کتاب اتاری گئی جو پہلی تمام کتابوں اور ان کی تعلیمات کی محافظ اور تمام پہلی شرائع کی کمیوں کو پورا کرنے والی ہے اس کے پروگرام کو تاریخی حیثیت حاصل ہے۔ قرآن مجید کے نازل ہونے کی ابتداء اس مہینہ میں ہوئی تھی۔ سارا قرآن مجید وقتاً فوقتاً اور ضرورت کے مطابق نازل ہوتا رہا امت نے قرآن مجید کی پوری طرح حفاظت کی ہے ہر تحریر کی حفاظت کے لیے دو چیزوں کی حفاظت ضروری ہے ایک الفاظ اور دوسرے معانی۔ مسلمانوں نے دونوں طرح سے قرآن مجید کی پوری پوری حفاظت کی۔ صحابہ کرام نے قرآن مجید سنتے ہی حفظ کر لیا اس وقت سینکڑوں کی تعداد میں حفاظ موجود تھے کچھ اصحاب کو جزوی طور پر بھی کافی قرآن مجید یاد تھا اور پھر ہر دور میں لاکھوں اور ہزاروں کی تعداد میں حافظ موجود رہے ہیں۔ اس گئے گذرے دور میں بھی بے شمار حفاظ موجود ہیں۔ قرآن کے الفاظ اور تلفظ کو اس طریقہ سے محفوظ کیا گیا ہے کہ ایک پورا فن علم تجوید کے نام سے مدون ہو چکا ہے اور قرآن مجید کے ہر لفظ ہر حرف، ہر نقطہ اور ہر حرکت کو محفوظ کر لیا گیا ہے اس معاملہ میں دوسری کوئی بھی آسمانی وغیر آسمانی کتاب قرآن مجید کی ہمسری نہیں کر سکتی چودہ صدیوں کے گذر جانے کے باوجود ہم پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ قرآن مجید بالکل وہی کتاب ہے جو

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی تھی اور اس کا ایک لفظ بھی آج تک نہیں بدلا۔ یہ شرف صرف قرآن مجید کو حاصل ہے بعض آسمانی کتابوں کے الفاظ بدل دیئے گئے یحرفون الکلم عن مواضعہ بعض کتابوں کا ترجمہ در ترجمہ ہونے ہوئے الفاظ کے ساتھ فقرے اور معانی و مطالب بھی بدل گئے۔ تورات، انجیل اور زبور کے تراجم موجود ہیں لیکن یہ کتابیں کس زبان میں اتری تھیں ان کے حاملین وثوق سے کچھ بھی نہیں کہہ سکتے۔ بعض مسیحی علماء اور مورخین نے لکھا ہے کہ تورات عبرانی اور انجیل یونانی زبان میں اتری تھی۔ لیکن غور کا مقام ہے کہ اس وقت جو نسخے عبرانی اور یونانی زبان میں موجود ہیں وہ دوسری زبانوں سے ترجمہ کے نسخے ہیں اس کے برعکس قرآن مجید کے تراجم اگرچہ دنیا کی بیشتر زبانوں میں ہو چکے ہیں لیکن اصل عربی زبان میں بہ تمام وکمال موجود ہے۔

کسی کتاب کی حفاظت کے لیے مفہوم، مطالب اور مقاصد کا تحفظ بھی ضروری ہوتا ہے الفاظ و تلفظ کی حفاظت کے ساتھ ساتھ معانی اور مطالب کی حفاظت بھی ضروری ہی نہیں بلکہ اس سے بھی اہم ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے کہ مسلمانوں نے اس معاملہ میں پوری پوری کوشش کی ہے اس کے لیے ایک تو تمام مسلمان قرآن مجید کی ایک عملی تصویر بن گئے اور اس کے احکام کے آگے سر تسلیم خم کر دیا۔ دوسرے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے پورے حالات کو محفوظ کیا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا ہر گوشہ مرتب کر لیا کہ کس طرح وحی پر انہوں نے عمل کیا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، اعمال وغیرہ کو جمع کیا جس سے احادیث کا ایک بہت بڑا ذخیرہ جمع ہو گیا اس سے دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ ایک تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل محفوظ ہو گیا دوسرے شبہات کے رفع ہونے کی صورت پیدا ہو گئی۔

پہلی صدی میں ہی تجوید اور جمع حدیث کے تذکرے ملتے ہیں دوسری صدی میں صحابہ کرام کے اقوال اور فتوے اور مرفوع احادیث کو جمع کیا گیا۔ مسند امام احمد اسی زمانہ کی کتاب ہے تیسری صدی میں اس علم نے پورا عروج حاصل کیا اور احادیث کا پورا ذخیرہ جمع ہو گیا اور ھدی للناس و بینٹ من الھدیٰ کی صورت بن گیا۔

اب صورت حال یہ ہے کہ اس زمانہ میں دولت منداور ذہین طبقہ نے دینی تعلیم سے پہلوتہی اختیار کرلی ہے۔ ذہن بدل گئے ہیں زندگی کا مقصد زیادہ سے زیادہ دولت جمع کرنا رہ گیا ہے۔

دینی علم کی طرف توجہ دینے والوں میں ایک طبقہ ایسا بھی داخل ہوگیا ہے جو کہ اس کو دنیا کمانے کا ذریعہ بنا رہا ہے یہ بہت بڑی خرابی ہے جس سے بے شمار مفاسد پیدا ہو رہے ہیں ایسے لوگ غلط معانی اور مطالب بیان کرکے اپنا مقصد پورا کرتے ہیں اور اختلافات دن بدن بڑھ رہے ہیں اور علماء کی بدنامی ہو رہی ہے لیکن اگر کوئی شخص قرآن مجید کا سادہ ترجمہ سوچ سمجھ کر پڑھے اور علوم قرآن کا جو ذخیرہ موجود ہے اس سے استفادہ کرے تو اختلافات کی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ سلف صالحین نے ماضی میں مستقبل کے لیے اتنا کچھ جمع کر دیا ہے جو ہماری ہدایت کے لیے کافی ہے قرآن مجید اس لیے نہیں ہے کہ ہم سرہانے رکھ کر سو جائیں یا تعویذ بنا کر گلے میں ڈال لیں یا لکھا ہوا گھول کر شفا کے لیے پی لیں یا اس سے جن بھوت بھگانے کا کام لیں۔

قرآن مجید تو کتاب ہدایت ہے اس کی تعلیمات واضح اور روشن ہیں اس قدر واضح اور روشن کہ ہدایت کی راہ بغیر کسی مشکل کے حاصل ہو جاتی ہے اس کتاب نے حق اور باطل کے فرق کو کھول کر بیان کر دیا ہے۔ حق کیا ہے؟ اور باطل کیا ہے؟ اس میں کوئی ابہام باقی نہیں رہنے دیا۔

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ جو شخص رمضان کے مہینے کو پائے وہ روزے رکھے۔ تمام بالغ مرد و زن پر روزے فرض ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ـــ بعض ممالک میں دن اور رات کا حساب دوسرے ممالک سے بالکل الگ ہے اور رمضان کا مہینہ ان پر چڑھتا ہی نہیں۔ کیا ان پر بھی روزے فرض ہیں؟ مثلاً قطبین میں دن اور رات چھ چھ ماہ کے ہیں ـــ اگر واقعی یہی صورت ہے تو ان لوگوں پر روزے فرض نہیں ہوتے کیونکہ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ کی صورت پیدا نہیں ہوتی بعض

جغرافیہ دانوں نے یہ لکھا ہے کہ گرین لینڈ اور ناروے وغیرہ ممالک میں اگرچہ دن اور رات کی کیفیت یہی ہے لیکن طلوع اور غروب آفتاب کے وقت وہاں افق پر آثار پیدا ہوتے ہیں اور جس زمانہ میں گھڑیاں ایجاد نہیں ہوئی تھیں وہاں کے باشندے انہی آثار کی مدد سے اپنے سونے اٹھنے اور کام کے اوقات مقرر کیا کرتے تھے بہتر ہوگا کہ وہاں کے رہنے والے انہی آثار کی مدد سے سحری و افطار کا انتظام کر لیں اور روزے رکھیں یہ تقویٰ ہے۔

وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ

مریض اور مسافر کے لیے رعایت کا ذکر اس سے قبل گذر چکا ہے اور یہاں اس کا دوبارہ ذکر کرنے کے ساتھ ہی فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ آسانی چاہتا ہے اپنی مخلوق کو مشکل اور مصیبت میں ڈالنا نہیں چاہتا۔

قرآن مجید کے دوسرے مقامات پر بھی اس امر کو بے حد وضاحت سے بیان کیا ہے کہ اللہ مسلمانوں پر کوئی ایسا بوجھ جس کے وہ متحمل نہ ہوں نہیں ڈالتا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دین کے معاملہ میں شدت سختی اور غلو سے منع کیا ہے ایک حدیث میں آپ نے فرمایا هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُونَ دین کے معاملہ میں غلو اور شدت کرنے والے ہلاک ہو گئے۔

اور دوسری حدیث میں فرمایا۔ یسروا ولا تعسروا وبشروا ولا تنفروا آسانی اور سہولت دو تنگی اور سختی نہ کرو خوش خبری دو اور نفرت نہ پھیلاؤ۔ انما بعثتم میسرین ولم تبعثوا معسرین

ایک حدیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی کا طرز عمل واضح کر دیا گیا ہے:

ما خیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین امرین قط الا اخذ ایسرھما مالم یکن اثما

جب بھی کبھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دو کاموں میں سے ایک کا اختیار دیا گیا تو آپ نے ان میں سے آسان ترین کو اختیار کیا اگر وہ گناہ نہ تھا۔

وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔

مریض اور مسافر جتنے روزے چھوڑے دوسرے ایام میں ان کی گنتی پوری کرے اللہ تعالٰی کی حمد وثنا اور کبریائی بیان کرنی چاہیے کہ ایک تو اس نے ہدایت عطا کی دوسرے ہمارے لیے آسانیاں پیدا کیں اسی طرح شکر کا حق ادا ہو گا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خطبہ جمعہ ــــــ ۷ ؍فروری ۱۹۶۴ء ــــــ مرتب: چودھری عبدالواحد صاحب

دُعا اور اس کی قبولیت

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ ۝

(البقرہ آیت ۱۸۶)

اور جب میرے بندے تم سے میرے بارے میں پوچھیں تو انہیں بتا دو کہ میں قریب ہوں پکارنے والے کی پکار سنتا اور قبول کرتا ہوں پس چاہیے کہ میری دعوت کو قبول کریں اور ایمان لائیں تاکہ رشد و فلاح حاصل کرلیں۔

مسائل رمضان کے تذکرہ کے ضمن میں اللہ تعالیٰ نے دعا کا بھی ذکر کیا ہے غالباً مقصد یہ ہے کہ دعا کا تعلق عبادات سے خاص ہے اور رمضان میں عبادات کثرت سے ہوتی ہیں روزہ، تلاوت قرآن اور قیام اللیل کا تعلق دعا سے براہ راست ہے اس لیے دعا اور اس کے متعلق مسائل کا ذکر ایک عجیب انداز میں کیا ہے ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ دعا سنتے ہیں اور اس کو قبول بھی کرتے ہیں اس معاملہ میں ایک چیز کے متعلق ذہن صاف ہونا چاہیے وہ یہ کہ دعا کا تعلق صرف اللہ تعالیٰ سے ہے مانگنا صرف اسی سے چاہیے اور کوئی ہستی اس قابل نہیں ہے کہ اس کو مدد کے لیے پکارا جائے قرآن مجید میں ہے۔ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ آسمان اور زمین اور مافیہا سارے کا سارا اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے اسی کی ملکیت ہے وہ جس طرح چاہتا ہے اس میں تصرف کرتا ہے وہی مختار مطلق اور مختار کل ہے مخلوق میں سے کوئی بھی بڑے سے بڑا یا چھوٹا اس اختیار میں اس کا شریک اور ساتھی نہیں ہے۔ انبیاء، صحابہ،

علماء اور اولیاء کرام کا تعلق ہماری نسبت اللہ تعالیٰ سے بے حد زیادہ تھا اور پھر ان کی خدمات بھی بے شمار ہیں حق کی اشاعت اور تبلیغ میں انہوں نے ناقابل فراموش سرگرمیاں کھائی ہیں اور اس راہ میں بے حد مصائب بھی اٹھائے۔ لیکن زمین و آسمان کی ملکیت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے نہ کل کے مختار ہیں نہ جزء کے۔

بعض اختیارات اللہ نے اپنی مخلوق کو دیئے ہیں مثلاً نظر کا اختیار ہم جس طرح چاہیں نظر کو استعمال کر سکتے ہیں لیکن یہ اختیار بھی اللہ تعالیٰ جب سلب کر لیتے ہیں تو کوئی ہستی اس کو واپس نہیں کرا سکتی بچپن، جوانی یا بڑھاپے کے اندر جب چاہے آنکھوں سے محروم کر دے۔ انسان اس معاملہ میں مختار مطلق نہیں ہے اسی طرح انسان کے دوسرے اعضاء ہاتھ پاؤں وغیرہ کے استعمال کی نوعیت ہے انبیاء ہوں یا عام آدمی سب کے ساتھ معاملہ کی نوعیت یہی ہے حضرت ایوب صابر علیہ السلام پر مصائب آتے ہیں حضرت شعیب نابینا تھے بلا رکاوٹ یہ اختیارات صرف اللہ تعالیٰ ہی استعمال کر سکتے ہیں۔ البتہ جزوی اختیارات اعضاء وغیرہ پر سب نیک و بد کو دیئے ہیں اس طرح جب ایک عقلمند آدمی غور و فکر کرتا ہے تو وہ اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ صرف اللہ ہی با اختیار ہے۔ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ دنیا میں کسی کو نہ تو طاقت ہے نہ حق کہ خدا کے فیصلہ کو رد کر سکے۔ قرآن اس کو بالکل واضح کرتا اور سنت میں بھی اس کی پوری صراحت موجود ہے یہ کوئی اختلافی مسئلہ نہیں ہے از اول تا آخر، تمام ائمہ کرام کا یہی خیال ہے امام ابن تیمیہؒ کا قول ہے کہ پوری امت عقائد میں متفق ہے۔

اس آخری دور میں اس معاملہ کے متعلق بعض مفاد پرستوں نے کہانیاں اور افسانے تراشے ہیں کہ فلاں حضرت صاحب نے یہ کر دیا اور فلاں پیر صاحب نے یہ کر دیا اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے راستہ میں فقیروں نے رکاوٹیں پیدا کر دیں۔ اس طرح سے عوام کو گمراہ کیا گیا ہے جاہل واعظ ہیرا پھیری کر کے کچھ سے کچھ بنا دیتے ہیں عورتوں کا اعتقاد اس معاملہ میں بے حد کمزور واقع ہوا ہے اولاد اور مال کی خاطر شرک کرتی ہیں ایمان جیسی قیمتی متاع کسی بھی استھان پر جانے سے ضائع ہو جاتی ہے اور تمام اعمال صالح باطل

ہو جاتے ہیں ابو جہل بڑا پرہیز گار تھا خانہ کعبہ کی جاروب کشی کیا کرتا تھا حج کرتا تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا پیشوا مانتا تھا لیکن ہمیں یقین کامل ہے کہ وہ جہنم کا کتا ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ اس نے اللہ کے ساتھ غیروں کو شریک بنا لیا اور خدائی کا مقام بتوں کو دے دیا۔ آج کے برائے نام مسلمانوں کا کیا حال ہے شرک بھی کرتے جاتے ہیں اور ایمان کا دعویٰ بھی جاری ہے۔ أَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ أُولَٰئِكُمْ أَمْ لَكُم بَرَاءَةٌ فِي الزُّبُرِ

ہمیں غور کرنا چاہیے کہ ان کے کفر میں کیا نقص تھا۔ اور ہمارے اس ایمان و اسلام کے دعویٰ میں کیا خوبی ہے؟

خدا سے مانگیے اسی سے دعا کیجیے وہ ضرور قبول کرے گا ؏

این درگہ ما درگہ نا امیدی نیست

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ـــــ اے اللہ میں تیری تعریف نہیں کر سکتا تو ہی اپنی تعریف کو بہتر جانتا ہے۔ یہاں سے جس نے بھی لینا ہے مانگ کرے گا سوال کرے گا پالے گا أَنتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ اس کے دربار میں سب فقیر ہیں بلکہ جو اکڑے گا فَذَٰلِكَ نَجْزِيهِ جَهَنَّمَ كَذَٰلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ اہلِ توحید کو گستاخی کا طعنہ دے کر توحید سے ہٹایا نہیں جا سکتا۔ ادب اگر خدائی کے حصے کرنا ہے تو یہ غلط ہے۔ ادب نہیں حقیقت میں یہی تو بے ادبی اور گستاخی ہے۔

سوال اور طلب صرف خدا سے ہونا چاہیے دعا کی قبولیت کے لیے کوئی نصاب اور پیمانہ نہیں ہے اس میں کسی شخصیت کو بھی خصوصیت حاصل نہیں ہے۔ نہ مانے تو وہ حضرت نوح علیہ السلام جیسے اولوالعزم پیغمبر کی نہ مانے اور ماننے پر آئے تو ایک گناہ گار کی مان لے وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَن مَّوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کے لیے دعا کی لیکن قبول نہ ہوئی۔

جب ہر ایک نے اسی سے مانگا ہے تو ہمیں بھی اسی سے مانگنا چاہیے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب ایک مسلمان دعا کرتا ہے تو تین چیزوں میں سے ایک اس کو ضرور حاصل ہو جاتی ہے۔

- دعا کی قبولیت
- دنیا میں ہی کسی دوسرے طریقے سے اس دعا کا بدل۔
- آخرت میں اجر

اِنِّیْ قَرِیْبٌ ـــــ یہاں قرب اور بعد ان معنوں میں نہیں جن میں ہم انسان ایک دوسرے کے قریب اور دُور ہیں بلکہ ان معنوں میں ہے کہ ہر انسان ہر وقت اللہ تعالیٰ سے عرض معروض کر سکتا ہے حتیٰ کہ دل ہی دل میں کچھ گذارش کرتا ہے تو وہ بھی سُن لیتا ہے اور اس پر فیصلہ بھی کر دیتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی دعا کو رد نہیں کرتے جب تک وہ جلدی ہی نہیں کرتا۔ صحابہ کرام نے سوال کیا کہ جلدی سے کیا مراد ہے؟ تو حکم ہوا، وہ بندہ یہ کہے کہ میں نے بہت دعائیں کی ہیں لیکن میری تو اللہ مانتا ہی نہیں قبول ہی نہیں کرتا۔

ملحدین اس طریقہ سے اپنے ایمان کا ستیاناس کرنے اور اللہ سے مایوس ہو کر دوسری جانب رخ کر لیتے ہیں۔

"اللہ تعالیٰ منظور نہیں کرتا" یہ کہنا گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ پر بدگمان ہونا مصیبت ہے وثوقِ قبولیت سے دعا کرنی چاہیے مانگتے وقت ملنے کا پورا یقین رکھنا چاہیے۔ اس کی درگاہ میں پکے فقیر کی طرح جانا چاہیے کہ اس درگاہ سے لے کر ہی پلٹنا ہے اور کہیں نہیں جانا۔

یہ ضروری نہیں ہے کہ دعا بالکل اسی صورت میں قبول ہو۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش تھی کہ اولاد نرینہ ہو۔ بیویاں موجود تھیں لیکن اولاد نہیں ہوئی ایک لونڈی سے ابراہیم پیدا ہوئے تھے اور پندرہ ماہ کی عمر میں فوت ہو گئے۔ نزع کے وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں پر تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے لیکن زبان سے ـــــ لا نقول الا ما یرضٰی بہ ربنا وانا بفراقک یا ابراھیم لمحزونون کہا تھا معلوم ہوا کہ ضروری نہیں ہے کہ انبیاء کی

دعا بالکل اسی صورت میں قبول ہو۔

جمعہ کے دن بعد نماز عصر قبولیت دعا کا وقت ہوتا ہے۔ خطبہ جمعہ کے دوران امام کے بیٹھنے کے وقت قبولیت دعا کا وقت ہوتا ہے رات کا وقت قبولیت کا وقت ہے۔

، اجیب دعوۃ الداع اذا دعان۔ جب بھی دعا کی جائے اللہ تعالیٰ سنتا ہے اور قبول کرتا ہے صرف یہ ضروری ہے کہ اس بارگاہ میں ایمان لے کر آئے بے ایمان ہو کر نہ آئے یقین محکم کے ساتھ آئے آزمائش کے طور پر نہ آئے۔

ہر مقصد کے حصول کے لیے دو طریقے ہیں

۱۔ اسباب و ذرائع کے استعمال کا طریقہ۔

۲۔ اسباب سے ماوراء صورت میں استمداد صرف خدا سے کرنی چاہیے اس صورت میں کسی دوسرے کو پکارنا حرام ہے۔ رشد و ہدایت کا یہی طریقہ ہے۔ باقی تمام باطل ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

درس قرآن مجید ——— مرتب :۔ قاضی محمد عبداللہ صاحب اسلامی دارالمطالعہ گوجرانوالہ

توبہ واستغفار کی حقیقت

اور حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کی والدہ کا اصل مقام

أَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللَّهِ وَيَسْتَغْفِرُونَهُ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ انظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْآيَاتِ ثُمَّ انظُرْ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ۝ (المائدہ آیت ۷۴، ۷۵)

تو کیا یہ خدا کی طرف نہیں جھکتے اور اس سے بخشش نہیں مانگتے اور اللہ بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے۔ مسیح ابن مریم تو صرف اللہ کا رسول تھا اس سے پہلے بھی کئی ایک رسول گزر چکے ہیں اور اس کی ماں (بھی ایک پاک دامن خدا کی) نیک بندی تھی وہ دونوں (ماں بیٹا) کھانا کھایا کرتے تھے دیکھ ہم کس طرح کے دلائل بیان کرتے ہیں اور ان کو دیکھ کہ کہاں کو بہکائے جاتے ہیں۔

توبہ کہتے ہیں واپس آجانے کو یا لوٹ آنے کو! گناہ سے پہلے ایک مومن بارگاہ رب العزت میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے لیکن جب گناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو بارگاہ رب العزت میں اس کی وہ پہلی حالت نہیں رہتی۔ بلکہ وہ اپنے گناہ کے سبب بہت دور نکل جاتا ہے۔

توبہ کے معنی یہ ہیں کہ انسان کے دل میں اپنے گناہ کا احساس ہو اور اس احساس ندامت کے ساتھ بارگاہ الہٰی میں اپنی پہلی حالت پر لوٹ آئے اگر اس گناہ کو وہ اپنی زندگی کا مشن بنالے تو بجائے پہلی حالت پر واپس آنے کے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و بخشش سے مزید دور ہو گا۔ اسے توبہ نہیں کہتے۔ فقد ضل ضللا بعیدا کا معنی بھی یہی ہے

کہ انسان اپنے گناہ اور اعمال بد کی بنا پر گمراہی کی تاریک غار میں چلا جاتا ہے اور اس کی وہ پہلی حالت (یعنی ارتکاب گناہ سے پہلے) باقی نہیں رہتی۔ اب اس حالت کے لوٹنے کی ایک صورت یہ ہے کہ انسان تائب ہو جائے جو کچھ اس نے کیا ہے اس پر نادم ہو آئندہ زندگی محتاط طریق سے گذارے۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ وہ اللہ کے حضور استغفار کرے۔ اپنے گناہوں کی معافی چاہے تو اس صورت میں وہ اپنی پہلی حالت پر لوٹ سکتا ہے جن لوگوں نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ توبہ سے انسان گناہ و معاصی پر اور بھی بے دریغ ہو جاتا ہے انہوں نے توبہ کا مفہوم سمجھنے میں ٹھوکر کھائی ہے ان کے نزدیک توبہ کا مفہوم غالباً یہ ہے کہ ایک انسان گناہ کے ارتکاب کے بعد دو یا تین بار لفظ توبہ، توبہ کہہ لے تو توبہ ہو گئی۔ توبہ سے گناہ کا دروازہ کھلتا نہیں بلکہ گناہ کا پھاٹک بند ہو جاتا ہے توبہ انسان کو خدا کے دربار سے دور نہیں لے جاتی۔ بلکہ خدا کے دربار سے نزدیک کرتی ہے۔

جو لوگ حضرت مسیحؑ کو ابن اللہ کہتے ہیں وہ شرک کا ارتکاب کرتے ہیں اور شرک سب سے بڑا ظلم ہے ایسے لوگوں کو اتنے بڑے ظلم کے ارتکاب کے بعد بھی قرآن نے یہ دعوت دی ہے کہ افلا یتوبون الی اللہ ویستغفرونه اس سے یہ معلوم ہوا کہ گناہ خواہ کتنا بڑا کیوں نہ ہو توبہ و استغفار سے اس کی معافی ہو جاتی ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت نہایت وسیع ہے کہ ایک طرف مخلوق اللہ رب العزت کی غیرت کو چیلنج کرتی ہے اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ انہیں توبہ کی دعوت دیتا ہے۔ یہاں توبہ کی دعوت سے یہی مراد ہے کہ عیسائی اپنے اس بدعقیدہ سے رجوع کر لیں اور مقرب بارگاہ الٰہی ہو جائیں کیونکہ اس عقیدہ کی موجودگی میں وہ اللہ کی رحمت و غفران سے بہت دور چلے گئے ہیں۔

غفران کہتے ہیں کسی چیز کے ڈھانپ لینے کو! استغفار کا معنی ہے اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہ کو ڈھانپ لینے کی درخواست کی جائے۔ ڈھانپ لینے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس گناہ کی بابت سوال نہ کرے۔ بلکہ اس گناہ کو نظر انداز کر دے

جو لوگ توبہ واستغفار سے حق کی طرف واپس آجاتے ہیں ان کے متعلق ارشاد ہے واللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ

غفور کا معنی ہے سزا کو معاف کر دینے والا۔ مجرم اپنے جرم کی سزا سے بچ جائے یہ غفران ہے لیکن ایسے مجرم جو توبہ واستغفار کے ذریعہ اپنی پہلی حالت پر واپس آجاتے ہیں۔ ان کے لیے گناہ کی معافی کا بھی وعدہ ہے اور مزید رحمت کا بھی۔ یہ خوش قسمت مجرم ہیں۔ جو جرم کے ارتکاب کے بعد توبہ واستغفار کے ذریعہ اپنی پہلی حالت پر واپس آجاتے ہیں ان کے لیے گناہ کی معافی کا بھی وعدہ ہے اور مزید رحمت کا بھی یہ خوش قسمت مجرم ہیں جو جرم کے ارتکاب کے بعد توبہ واستغفار کے ذریعہ نہ صرف گناہ کی سزا سے بچ گئے بلکہ اللہ کی رحمت کے بھی مستحق ٹھہرے۔

مَا الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ : حضرت مسیحؑ تو صرف اللہ کے رسول ہیں۔ رسول صرف قاصد کو نہیں کہتے بلکہ لفظ رسول میں تین مفہوم شامل ہیں۔

۱۔ اللہ کے پیغام کو رسول خود سمجھے۔

۲۔ اللہ کے پیغام پر رسول خود عمل پیرا ہو۔

۳۔ امت کو اللہ کا پیغام پہنچائے اور اس کا مفہوم بھی سمجھائے۔

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ صرف حضرت مسیحؑ ہی اللہ کے رسول نہیں اس سے پہلے بھی متعدد اللہ کے رسول گذر چکے ہیں مطلب یہ ہے کہ حضرت مسیحؑ بھی خلعتِ نبوت سے تعلق رکھتے ہیں اگر پہلے انبیاء الٰہ نہیں تو حضرت مسیحؑ بھی الٰہ نہیں۔

وَاُمُّهٗ صِدِّیْقَةٌ ۔ صدیقہ کے دو معنی ہیں ایک تو یہ کہ حضرت مسیحؑ کی والدہ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا سچی بات کہی۔

دوسرا معنی یہ ہے وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا حضرت مریم نے اللہ تعالیٰ کے کلمات کی تصدیق کی اس سے مراد احکام الٰہی کی پیروی ہے۔ حضرت مریم میں یہ دونوں خوبیاں نمایاں تھیں۔ آپ ہمیشہ سچ بولتیں اور ہمیشہ احکام الٰہی کی پیروی کرتیں۔

كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ۔ یہ دونوں ماں بیٹا کھانا کھایا کرتے تھے کھانا

بھی ایک احتیاج ہے معلوم ہے کہ پیٹ کا خلا بھرنے کے لیے کھانے کی احتیاج رکھی گئی ہے جب تک یہ خلا پر نہ ہو انسانی زندگی کی یہ گاڑی دو قدم نہیں چل سکتی۔ اللہ تعالیٰ الصمد ہے وہ ٹھوس ہے اس میں خول نہیں جب خول نہیں تو کھانے پینے کی احتیاج بھی نہیں لیکن حضرت مسیحؑ اور ان کی والدہ میں یہ دونوں باتیں موجود ہیں پیٹ میں خلا ہے اور ساتھ ہی اس خلا کو پُر کرنے کی احتیاج بھی لہذا یہ دونوں الٰہ نہیں ہو سکتے۔ اِلٰہ محتاج نہیں ہوتا۔ کھانے کی احتیاج ایک ایسی زبردست دلیل ہے جس نے عیسائی معتقدات کی اینٹ سے اینٹ بجا دی یہ لوگ اِلٰہ ہونے کی مختلف تاویلیں کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ یعنی دیکھیے اتنی واضح آیات آجانے کے بعد بھی یہ کہاں بہکائے جاتے ہیں۔ ثم انظر سے یہ بات مستحقق ہوئی کہ دلائل قرآنی تو بے شک ان کی عقل کو اپیل کرتے ہیں لیکن ایسے واضح دلائل کی موجودگی کے باوجود وہ ذہن کی کجی سے نکلنا نہیں چاہتے۔ آج کل عیسائی اِلٰہ کی جو مختلف تاویلیں اور توجیہیں کرتے ہیں وہ بحسب ارشاد قرآن —— قرآن کی تصدیق ہی ہے:

ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ یعنی جو بھی تاویل کی جائے گی وہ یوفکون کے زمرے میں آجائے گی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

درس قرآن مجید ———— مرتب قاضی محمد عبداللہ صاحب

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ کا مفہوم

مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۖ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ ۖ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ ۗ انْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْآيَاتِ ثُمَّ انْظُرْ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ۝ قُلْ أَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا ۚ وَاللَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ (سورۃ المائدہ آیت ۷۵-۷۶)

مسیح ابن مریم کچھ بھی نہیں صرف ایک پیغمبر ہیں جن سے پہلے اور بھی پیغمبر گذر چکے ہیں اور ان کی والدہ ایک صدیقہ بی بی ہیں دونوں کھانا کھایا کرتے تھے دیکھیے تو ہم کیونکر دلائل ان سے بیان کر رہے ہیں پھر دیکھیے وہ اُلٹے کدھر جا رہے ہیں آپ فرمائیے کیا خدا کے سوا ایسے کی عبادت کرتے ہو جو کہ تم کو نہ کوئی ضرر پہنچانے کا اختیار رکھتا ہو اور نہ نفع پہنچانے کا حالانکہ اللہ تعالیٰ سب سنتے ہیں سب جانتے ہیں۔

قادیانیوں نے اس آیت سے وفات مسیح ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے اور استدلال لفظ قَدْ خَلَتْ سے کیا ہے اور معنی و مفہوم آیت کا یہ لیا ہے کہ جس طرح اور رسول اپنے اپنے وقت پر آئے اور بالآخر زندگی کا وقت گذار کر پہلے رسولوں کی طرح موت سے ہمکنار ہوئے اسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام بھی ایک رسول ہیں۔ جو اپنے وقت پر آئے اور اپنی زندگی کا وقت گذار کر پہلے رسولوں کی طرح موت سے ہمکنار ہوئے۔ قادیانیوں کی یہ تاویل قرآن کے مفہوم سے مطابقت نہیں رکھتی۔ وہ اس طرح کہ اس آیت میں سابقہ انبیاء کا ذکر بحیثیت رسالت کے ہوا ہے یعنی تمام انبیاء اپنی اپنی امتوں کی طرف آئے اور سب کی دعوت

کا مقصد ایک ہی تھا۔ یہ توحید کی طرف دعوت تھی۔ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ۔ اے قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ حضرت مسیحؑ بھی خاندان نبوت کے ایک فرد ہیں۔ ان کی دعوت بھی وہی ہے جو سابقہ انبیاء کی متفقہ دعوت تھی اگر پہلے انبیاء الٰہ نہیں ہیں اور نہ انہوں نے الٰہ ہونے کا دعویٰ ہی کیا ہے تو پھر حضرت مسیح علیہ السلام کیونکر الٰہ ہو سکتے ہیں اس آیت میں نہ تو موت کا کہیں ذکر ہے نہ ہی اس آیت سے مقصود انبیاء کی موت کا پیش کرنا ہے۔ بلکہ اصل چیز جو اس موقعہ پر قرآن نے پیش کی ہے وہ حضرت مسیحؑ کی الوہیت کی نفی ہے۔

پھر ایک دوسرے پہلو سے بھی غور فرمایئے۔ خَلَتْ یا خلو کے معنی موت ہی کے نہیں ہوتے قرآن میں یہ لفظ متعدد مقامات پر آیا ہے اور اس کے معنی بھی مختلف ہیں۔ مثلاً پہلے پارہ ہی میں منافقین کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ اِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ (اور جب یہ منافقین اپنے شیاطین کی طرف جدا ہوتے ہیں)۔ خلت اور خلو کا مصدر ایک ہی ہے۔ یہاں خلو جدا ہونے کے معنی میں آیا ہے اور موت کا معنی مراد نہیں ہے دوسرے مقام پر فرمایا قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ۔ یہاں بھی خلت بمعنی موت استعمال نہیں ہوا اس لیے کہ سنن کا لفظ بطور نظیر پیش کیا گیا ہے پہلی امتوں کے عادات اور اطوار اور امر الٰہی کا منقدر ہونا یہ چیزیں قرآن نے واقعات کے طور پر بیان کی ہیں۔ تاکہ دوسروں کے لیے عبرت ہو هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ۔ کیا اس بیان کو موت تعبیر کیا جائے گا قادیانیوں نے بے محل اور بے موقعہ قرآن کی اس آیت سے ایک ایسا مفہوم اخذ کرنے کی کوشش کی ہے جو اس آیت کے انداز بیان کے منافی ہے۔ نیز قادیانیوں کا دعویٰ کہ قد خلت کے معنی موت ہی کے ہیں درست نہیں ہے۔ نظائر اگر مرنے والی چیز نہیں تو پھر محض کھینچا تانی سے ایک غلط بات صحیح کس طرح ثابت کی جا سکتی ہے؟

قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا

کہو کیا عبادت کرتے ہو تم اللہ کے سوا ان کی جو نہیں مالک تمہارے

بلے کسی نقصان کے اور نفع کے"۔

انسان میں دو چیزیں رکھی گئی ہیں (۱) نقصان سے بچاؤ (۲) اور نفع کا حصول۔ دنیا کا تمام کاروباران دو چیزوں پر قائم ہے ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ نقصان سے بچے اور فائدہ حاصل کرے پہلے نقصان سے بچنے کی کوشش کرتا ہے پھر نفع کے حصول کی اس کی وجہ یہ ہے کہ بسا اوقات نقصان کی تلافی مشکل ہوتی ہے گو بعد میں نفع بھی حاصل ہو ایک شخص لنگڑا ہو جائے یا اسے کوئی اور شدید عارضہ لاحق ہو جائے گو بعد میں مال و دولت بھی حاصل ہو جائے صحت کے نقصان کی تلافی ناممکن ہے عام کاروباری زندگی میں بھی انسان کی خواہش یہی ہوتی ہے کہ اسے بغیر کسی نقصان اور گھاٹے کے نفع حاصل ہو۔ اسی لیے نقصان سے بچنے کے لیے وہ پہلے کوشش کرتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا:

لَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْءُ

اگر میں غیب جانتا ہوتا تو بہت سا بھلا حاصل کر لیتا اور نہ مجھے کبھی تکلیف نہ پہنچتی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی زندگی میں کئی مقامات پر اپنے مخالفین کی اذیتوں کا شکار ہونا پڑا جنگ احد، صلح حدیبیہ اور بھی مختلف مواقع پر خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے رفقاء کو سخت پریشانی اور مشکلات کا سامنا آیا۔ لیکن اس وقت پیش آمدہ تکلیف کو دور کرنے پر اللہ کی ذات کے سوا کوئی قادر نہ تھا۔ جنگ احد کے موقع پر جو مسلمانوں کا وقتی نقصان ہوا۔ سب کو معلوم ہے۔ لا یملك نكم ضرا ولا نفعا صحابہؓ کے لیے سب سے بڑی تکلیف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دنیا سے چلے جانا ہے لیکن یہ صدمہ برداشت کئے بغیر چارہ نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر تمام اطراف واکناف میں پھیل چکی ہے۔ صحابہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ دل شدت غم سے پھٹا جا رہا ہے دماغ اس اچانک صدمہ سے کچھ سوچنے سے قاصر ہے گویا صحابہ کے لیے آج ساری دنیا تاریک ہے

مگر اس نقصان کی تلافی ممکن نظر نہیں آتی۔ اولیاء اللہ تو خیر ایک کمتر درجہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے اعلیٰ درجہ آپ کے صحابہ کا ہے بالخصوص حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علی مرتضیٰ رضوان اللہ علیہم اجمعین ایسے پائے کی شخصیتیں ہیں کہ سابقہ امتوں میں بھی اس پائے کے لوگ نہیں گذرے لیکن بے بسی کی انتہا ہے اپنے سامنے ایک نقصان دیکھ رہے ہیں لیکن اس سے بچنے کی قدرت حاصل نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تکفین و تدفین کے بعد حضرت فاطمہؓ نے پوچھا آپ کے دل نے یہ کیسے گوارا کر لیا کہ اس ہبط وحی کو مٹی میں دفن کر دیا جائے۔ یہ رنج و ملال کی انتہا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

درس قرآن مجید ——— مرتب قاضی محمد عبداللہ صاحب

غلو اور اس کے اثرات

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ وَأَضَلُّوا كَثِيرًا وَضَلُّوا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ ۝ (سورۃ المائدۃ آیت ۷۷)

آپ فرمایئے کہ اے اہل کتاب تم اپنے دین میں ناحق کا غلو مت کرو اور ان لوگوں کے خیالات پر مت چلو جو پہلے خود بھی غلطی میں پڑ چکے ہیں اور بہتوں کو غلطی میں ڈال چکے ہیں اور وہ لوگ راہ راست سے دور ہو گئے تھے۔

پہلی آیات میں یہود و نصاریٰ کی غلطیوں کا الگ الگ ذکر ہوا۔ یہ دونوں گروہ اہلِ کتاب ہیں ان کتابوں میں جو تعلیم انہیں دی گئی تھی۔ وہ وہی تعلیم تھی جو سابقہ انبیاء اپنے وقت پر اپنی اپنی امتوں کو دیتے چلے آئے تھے۔ اب سوال یہ پیدا ہوا کہ جب تعلیم درست ہے اور انبیاء کی دعوت بھی صحیح ہے تو پھر عقیدہ میں کھوٹ اور توحید میں شرک کی نجاست کہاں سے آگئی۔ فرمایا یہ غلو کا نتیجہ ہے۔ دین اعتدال کا نام ہے یہ اعتدال جب تک برقرار ہے ایمان صحیح اور درست ہے۔ اگر اعتدال سے بڑھاؤ پیدا ہو جائے تو یہ غلو ہے یہ اللہ کی اطاعت نہیں نفسانی خواہشات کی تعمیل ہے۔ اہلِ کتاب کو اس مرض سے روکا ہے فرمایا، دین میں ناحق غلو نہ کرو، اور باپ کا ادب، استاد، شیخ، پیر، بزرگ سب کا ادب بجا ہے لیکن یہ ادب حد اعتدال میں رہنا چاہیے۔ اعتدال سے اگر بڑھ گیا تو غلو ہو گا وَإِن جَاهَدَاكَ الخ یعنی اگر تمہارے ماں باپ تمہیں اللہ کے ساتھ شرک کرنے کا حکم دیں تو اس حکم کی اطاعت مت کرو اس سے یہ معلوم ہوا کہ ماں باپ کی

اطاعت مشروط ہے اس شرط کے ساتھ کہ اللہ و رسول کی نافرمانی نہ ہو۔ استاد شیخ، پیر عالم اور امام سب کے لیے یہ شرط برقرار ہے۔ فرمایا:

یَآ اَھْلَ الْکِتَابِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ غَیْرَ الْحَقِّ۔ غیر الحق کا معنی باطل ہے حق کے مقابلہ میں جو چیز ہو وہ باطل ہے آیت کا مطلب یہ ہوا کہ اے اہلِ کتاب تم اپنے دین کی پیروی میں غلو کر کے اپنے اعمال باطل نہ کرو یہ کہنا غلط ہے غیر الحق غلو تو جائز نہیں البتہ جو غلو حق کے ساتھ ہو وہ جائز ہے یہ اس لیے غلط ہے کہ غلو سارے کا سارا ہی باطل ہے۔

غُلُوّ آج بھی ہر طرف عام ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں نماز کی طرف دعوت دینے کے لیے اذان مقرر ہوئی پھر صبح کی اذان میں دو کلمات کا مزید اضافہ ہوا (الصلوۃ خیر من النوم) بس اس پر مزید اضافہ نہیں کیا گیا۔ اذان خود دعوت نماز ہے اس پر مزید اضافہ کی کیا ضرورت تھی۔ لیکن بعد کے لوگوں نے اذان کے بعد یا خلیفۃ المسلمین یا وزیر صاحب نماز کے خطابات نکال کر اپنی طرف سے اور اضافہ کر دیا خود حضرت عمرؓ کے دور سعید میں ایک شخص نے اذان دی تو بعد میں کہا: یا امیر المومنین الصلوۃ الصلوۃ، حضرت عمرؓ نے فرمایا کیا تو مجھے پاگل سمجھتا ہے جب تم نے اذان دے دی تو میں نے اذان سن لی ہے اب یہ علیحدہ دعوت نماز کیسی ہے دین میں اس طرح کا غلو آپ نے برداشت نہیں کیا ہے۔

مصر میں جب فاطمیوں کو فتح حاصل ہوئی تو یہ لوگ غالی شیعہ تھے ان لوگوں نے اذانوں میں صحابہ پر تبرا شروع کر دیا۔ مساجد کے در و دیوار پر صحابہ کے نام کے ساتھ لعنت کے الفاظ رقم کئے گئے۔ ان لوگوں کے لیے یہ بھی تثویب ہی تھی آج کل ہمارے اس دور میں بریلوی فرقہ کے لوگوں نے اذان میں بہت کچھ اضافہ کر رکھا ہے اذان سے پہلے اور اذان کے بعد کافی دیر تک الصلوۃ والسلام کی گردان کی جاتی ہے یہ لوگ اسی مرض کا شکار ہیں جس مرض سے اللہ تعالیٰ نے اہلِ کتاب کو روکا۔ یَآ اَھْلَ الْکِتَابِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ غَیْرَ الْحَقِّ۔ حق وہ تھا جس کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے ہمیں تعلیم دی یغیر الحق یہ ہے۔ جو آج ہم دیکھ رہے ہیں۔
وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ۔ غلو کو ابھارنے والی چیز خواہش نفسانی ہے اس قوم کی خواہشات کی پیروی مت کرو جو اس سے پہلے خود بھی گمراہ ہوئے۔ اور بھی بہتیرے لوگوں کو گمراہ کیا۔ وَضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ دین کا جو اصل صحیح راستہ تھا وہ اس سے بھٹک گئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی تھی۔ مگر اس قوم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت پر لبیک کہنے کی بجائے اپنی اھواء کا اتباع کیا۔ بت تراشے، بتوں کی پوجا کی، خود بھی گمراہ ہوئے اور قوم کے اکثر لوگوں کو بھی لے ڈوبے۔ ان کے نزدیک بتوں کی پرستش ہی اپنے آباؤ اجداد کا ادب تھا۔ جن بتوں کی وہ پرستش کرتے تھے وہ ان کے آباء کے ناموں سے منسوب تھے۔ ورنہ یہ بات وہ خود بھی جانتے تھے۔ کہ بت کسی نفع ونقصان کے مالک نہیں لیکن انہوں نے ادب کا ایک فرضی معیار بنا رکھا تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم نہ تھا۔ اپنی خواہشات کی پیروی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت پر لبیک کہتے تو یہ سواء السبیل ہوتا لیکن انہوں نے اپنے پیغمبر کی بات کو ٹھکرایا اور خواہش نفس کے پیچھے لگ گئے۔ چنانچہ قرآن کے ارشاد کے مطابق وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراط مستقیم پر چلائے اور ہوائے نفس سے ہر مسلمان کو بچائے۔ آمین۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

درس قرآن مجید ——— مرتب : قاضی محمد عبداللہ صاحب

معاشرے کی خرابی کی اصل وجہ

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰي لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝

(سورۃ المائدۃ آیت ۷۸، ۷۹)

بنی اسرائیل میں جو لوگ کافر تھے ان پر لعنت کی گئی تھی داؤد اور عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے یہ لعنت اس سبب سے ہوئی کہ انہوں نے حکم کی مخالفت کی اور حد سے نکل گئے برے کام سے ایک دوسرے کو منع نہ کرتے تھے واقعی ان کا فعل بے شک برا تھا۔

بعض الفاظ ایسے ہیں جن کی معنوی حیثیت تو ہمارے معاشرے میں مسلم ہے لیکن جب ان الفاظ کی نسبت کسی معاشرہ یا معاشرہ کے کسی فرد کی طرف کی جائے تو معاشرہ اسے گوارا نہیں کرتا اور فرد اسے اچھا نہیں سمجھتا۔ حالانکہ یہ الفاظ معنیً صحیح ہیں مگر ظاہری الفاظ ناگوار گذرتے ہیں۔ ان الفاظ میں سے تین لفظ حسب ذیل ہیں۔

کافر ——— مشرک ——— ملعون ——— کفر کا معنی انکار ہے۔ اسلام کی اصطلاح میں جو لوگ حق کا انکار کرتے ہیں انبیاء کی تعلیم پر ایمان نہیں لاتے۔ پیغمبروں کو جھٹلاتے ہیں یہ لوگ کافر ہیں۔ معنیً یہ لفظ درست ہے لیکن آج کے معاشرے میں کسی ایسی قوم یا فرد پر جو اس کا واقعی مصداق ہو بول کر دیکھیں وہ ناگواری کا اظہار کرے گا۔ نماز کا ترک کفر ہے اور جو شخص بالکل بے عمل ہو وہ عملاً انکار ہی کی شکل کا مرتکب ہے لیکن کافر کہلانا یا سننا وہ ہرگز گوارا نہیں کرے گا۔

کاروبار میں شراکت کو کوئی بھی عیب نہیں سمجھتا نہ اسے معاشرہ میں گالی تصور کیا جاتا ہے لیکن ایک شخص جب یہی معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کرے تو اسے مشرک کہا جائے گا جو معنی بالکل درست ہے اب مشرک کا لفظ سننا اپنے لئے کوئی بھی گوارا نہیں کرتا۔ قبروں کی پرستش جاری ہے۔ اولیاء اللہ کے مزارات شرک کی آماجگاہ بنے ہوئے ہیں۔ اللہ کی اعانت کے ساتھ غیر اللہ سے بھی امداد طلب کی جاتی ہے حاجت روائی کے بیسیوں کارخانے ان لوگوں نے بنا رکھے ہیں مشرک کہلانا انہیں پسند نہیں حالانکہ عملاً جو کچھ وہ کر رہے ہیں وہ شرک ہی ہے لیکن الفاظ کی کڑواہٹ ایسی ہے جو دل کو بھلی نہیں لگتی۔ یہی حال لفظ لعنت کا ہے۔ لعنت کا معنی ہے اللہ کی رحمت سے دور ہو جانا۔ جو شخص فرائض کا تارک ہو وہ یقیناً اللہ کی رحمت سے دور ہے رحمت کا استحقاق تو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں مضمر ہے نہ کہ عصیان، تکبر اور کفر میں! اب معنی یہ لفظ صحیح ہے لیکن ایسے افراد جو عملاً خدا کے نافرمان ہیں۔ فسق و فجور میں بے دریغ ہیں انہیں اگر لعنتی کہا جائے۔ تو وہ یہ لفظ کسی طرح گوارا نہیں کریں گے۔ ہمارے انکار کی وجہ غالباً الفاظ کے مفہوم و معنی سے لاعلمی ہے ورنہ عرب کے کفار و مشرکین کے متعلق ایسا معلوم نہیں ہوتا کہ انہوں نے یہ الفاظ اپنے حق میں سن کر انکار کیا ہو اس لیے کہ وہ ان الفاظ کے معنی و مفہوم کو اچھی طرح جانتے تھے۔ وہ اگر عملاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے تو زبان سے بھی انہوں نے ایمان نہ لانے کا ہی اقرار کیا یہی انکار کفر ہے اور اسی بنا پر انہیں کافر کہا گیا۔ لیکن آج کے مسلمان مشرک شرک کا ارتکاب بھی کریں گے اور مشرک کہلانا بھی پسند نہ کریں گے۔

بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کیا وہ لعنت کے مستحق ہوئے اور یہ لعنت کہیں باہر سے نہیں خود ان کے گھر سے آئی۔ لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِيٓ إِسْرَآئِيلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ۔ لعنت کیے گئے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا بنی اسرائیل سے حضرت داؤد اور عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی زبان پر! یہ لوگ رحمت الٰہی سے دور ہو گئے۔ اور انبیاء کی زبان سے انہیں لعنت کا سرٹیفکیٹ عطا ہوا۔

فرمایا یہ لعنت ویسے ہی نہیں ہے اس کی وجہ تو کفر تھی دوسرا یہ لوگ نافرمان تھے اور نافرمانی میں حد سے بڑھ جاتے تھے۔ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ عصیان کہتے ہیں ایسی نافرمانی کو جو جان بوجھ کر کی جائے۔ بھول سے غلطی ہو جائے تو یہ بھی غلطی ہے لیکن یہ جانتے ہوئے کہ یہ کام غلط ہے اللہ کے حکم کی نافرمانی کی جائے یہ عصیان ہے۔

كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ایک برا کام ہوتے دیکھ کر اس سے منع نہ کرتے یہ معاشرے کی عام خرابی کا ذکر ہے کہ یہ لوگ جمود میں یہاں تک گذر گئے کہ ایک بڑا کام ہوتا دیکھتے تو ایک دوسرے کو منع کرنے کی جرأت نہ ہوتی کوئی بھی دوسرے کو کہنا پسند نہ کرتا۔

جب کسی معاشرہ میں برائی پر ٹوک نہ ہو تو معاشرہ میں برائی کا احساس جاتا رہتا ہے اور احساس ناپید ہو جائے تو تباہی یقینی ہے جس گھر میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا سلسلہ جاری رہے وہاں خیر بالکل نہیں اٹھ جاتی ہاں جب انداز ایسا پیدا ہو جائے کہ ہمیں کسی کے معاملہ میں دخل دینے کی کیا ضرورت ہے تو یہ ایسا انداز ہے جس سے خیر کی توقع جاتی رہتی ہے۔

لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ۔ بنی اسرائیل نے جو کام اختیار کر رکھے تھے بہت برے کام تھے ان میں خیر ناپید تھی۔ اسی لیے یہ لوگ لعنت کے مستحق ٹھہرے خیر اٹھ گئی تو لعنت آگئی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

درس قرآن مجید ـــــــــــ مرتب: قاضی محمد عبداللہ صاحب

کفار سے دلی دوستی کے نتائج

تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ
لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ
خٰلِدُوْنَ ۝ وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ
مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَاۗءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝
لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ
اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا
اِنَّا نَصٰرٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ
لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ (مائدۃ آیت ۸۰ تا ۸۲)

آپ ان میں بہت سے لوگوں کو دیکھیں گے کہ وہ کافروں سے دوستی رکھتے ہیں جو کام انہوں نے آگے کیا ہے وہ بے شک برا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر ناخوش ہوا اور یہ عذاب میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور اگر یہ لوگ ایمان رکھتے اللہ پر اور پیغمبر پر اور اس کتاب پر جو ان کی طرف اتاری گئی تو انہیں کبھی دلی دوست نہ بناتے لیکن ان میں زیادہ لوگ ایمان سے خارج ہیں۔ تمام آدمیوں سے زیادہ مسلمانوں سے عداوت رکھنے والے آپ یہود اور مشرکوں کو پائیں گے اور ان میں مسلمانوں کے ساتھ دوستی رکھنے کے قریب تر ان لوگوں کو پائیں گے جو اپنے کو نصاریٰ کہتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ ان میں بہت سے علما ہیں اور درویش ہیں اور اس لیے بھی کہ وہ تکبر نہیں کرتے (مائدہ آیت ۸۰ تا ۸۲)

اہل کتاب کے گمراہ ہو جانے کا جو سبب تھا اس کا ذکر ہو چکا۔ اب اہلِ کتاب کی گمراہی کا دوسرا سبب بیان کیا جا رہا ہے اور وہ یہ ہے کہ ان میں اکثریت ان لوگوں کی ہے جو کافروں کو اپنا دوست رکھتے ہیں۔ یہاں اہلِ کتاب کی مجلسی زندگی کا ذکر ہے انسانی زندگی میں مجلس کا اثر ایک دوسرے پر لازمی ہوتا ہے مجلس اچھی ہو تو خیالات بھی اچھے ہوں گے اخلاق بہتر ہوگا۔ اگر مجلس بری ہے تو اس کا اثر بھی طبائع پر برا ہی پڑے گا ؎

صحبت صالح ترا صالح کند　　　صحبت طالح ترا طالح کند

ماں باپ اگر خود بری مجلس سے نہ بچیں تو اس کا اثر یہ ہوگا کہ اولاد بھی ان کے برے خیالات سے متاثر ہوگی۔ والدین اگر خود با اخلاق ہوں اور ہمیشہ اچھی مجلس میں بیٹھنے کے عادی ہوں تو اپنی اولاد کو بھی ہمیشہ بری مجلس سے بچے رہنے اور نیک مجلس اختیار کرنے کی تلقین کریں گے۔ جس سے بچوں میں نیکی و بدی کا امتیاز ہوگا۔ اخلاق سدھریں گے۔ طبیعت میں نیکی کی طرف رغبت اور رجحان بڑھے گا۔

حضرت لقمان سے کسی نے پوچھا آپ نے حکمت کہاں سے لی، کہا بیوقوفوں سے! جو کام بیوقوف کرتے ہیں ان کاموں سے بچتا ہوں! کیسا حکیمانہ جواب ہے اگر برے لوگوں کی مجلس میں بیٹھے گا۔ تو پھر اس کا برے خیالات سے بچنا مشکل ہے۔

چنانچہ اس بری مجلس کا اثر اہل کتاب پر بھی ہوا کفار کی مجلس میں بیٹھ کر کفر کی باتیں سنتے ہیں۔ لیکن دل نہیں پسیجتا۔ قرآن نے فرمایا:

لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ۔ انہوں نے اپنی بدعملی کی بنا پر اپنے اللہ کو ناراض کر لیا۔ اللہ کی ناراضگی ہدایت کا سبب نہیں ہوتی بلکہ یہ چیز انسان کو کفر میں اور بھی دور لے جاتی ہے۔ جس کا نتیجہ بالآخر دائمی عذاب ہے وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ انہوں نے بری مجلس کا انتخاب کر کے اہلِ کفر کے ساتھ کفر کی جو راہ اختیار کی ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ عذاب میں ہمیشہ رہیں گے۔

بعض لوگوں کی پالیسی دوغلی ہوتی ہے اور بظاہر وہ صلح کن رہنا چاہتے ہیں یہ ان کی غلط فہمی ہے جس شخص کا اللہ اور اس کے رسول پر صدق دل سے ایمان ہو توحید کے

ساتھ وہ کفر سے مفاہمت کس طرح کر سکتا ہے ؟ ایک شخص مسجد میں نماز بھی ادا کرے اور شراب خانے میں شراب بھی پیئے تو گناہ و معصیت کی طرف اس کی یہ رغبت کیسے ممکن ہے ؟

وَلَوْ كَانُوا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ أُنْزِلَ إِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوهُمْ أَوْلِيَآءَ اگر (اہل کتاب) ایمان لاتے اللہ پر اور النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اور جو رسول پر اتارا گیا اس پر ایمان لاتے تو یہ ناممکن تھا کہ وہ اہل کفر کے ساتھ گٹھ جوڑ کرتے۔

اس آیت میں تین چیزوں کا ذکر فرمایا۔

۱۔ اللہ پر ایمان

۲۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان۔

۳۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی پر ایمان۔

اس سے معلوم ہوا کہ اصل ایمان وہی ہے جو ان تین ستونوں پر قائم ہو۔ محض اللہ پر ایمان کوئی معنی نہیں رکھتا جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ ہو، اور اللہ رسولؐ پر ایمان لانے کا کچھ فائدہ نہیں اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی کا انکار کر دیا جائے۔ یہ تین باتیں اگر کسی میں پیدا ہو جائیں تو ایمان کامل ہے ورنہ ناقص اور ایمان کی تکمیل کے بعد پھر اس بات کی توقع ناممکن ہے کہ ایک مومن ایسی مجلس اختیار کرے جو خدا کی باغی ہو۔

فرمایا۔ یہود اور مشرکین آپ ان دونوں کو مسلمانوں کے حق میں عداوت کے لحاظ سے نہایت سخت پائیں گے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ نصاریٰ مسلمانوں کے خیر خواہ ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ عداوت دونوں طرف سے ہے لیکن ایک کی عداوت میں شدت ہے دوسرے میں نرمی۔ اس کی وجہ قرآن نے یہ بتلائی۔

ذٰلِكَ بِأَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيسِينَ وَرُهْبَانًا وَأَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ۔

نصاریٰ میں عالم ہیں اور صوفی ہیں اور یہ لوگ تکبر نہیں کرتے۔ اس سے معلوم ہوا

کہ یہود اور مشرکین میں علم کی شدید کمی ہے اور زہد ناپید ہے۔ جہالت بھی ایک بہت بڑی خرابی ہے اس کے ساتھ طمع و حرص ہو تو یہ نہایت خطرناک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہودیوں میں سودی کاروبار عام تھا۔ ان کا ذہن اور ہندو کا ذہن تقریباً ایک ہی جیسا ہے۔

یہاں قرآن نے نصاریٰ کے ایک خاص گروہ کی تعریف کی ہے جن کی صفت وإذا سمعوا میں بیان فرمائی ہے الرسول سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ فرمایا نصاریٰ میں ایک ایسا گروہ ہے کہ جس وقت وہ اللہ کا اتارا ہوا کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنیں آپ ان کی آنکھوں سے آنسو بہتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ اس لیے کہ انہوں نے حق کو پہچانا۔ حق کہتے ہیں کسی چیز کا واقعہ کے مطابق ہونا۔ عیسائیوں کا حضرت مسیح کے متعلق جو عقیدہ تھا وہ حقیقت اور واقعہ کے خلاف تھا۔ اس عقیدہ پر نصاریٰ کا ایک گروہ غیر مطمئن تھا۔ جب اس گروہ نے اللہ کا کلام جس میں حضرت مسیح علیہ السلام کی حیثیت و مقام کا ذکر تھا سنا تو یہ بات انہیں واقعہ کے مطابق نظر آئی۔ انہوں نے حق کو پہچان لیا۔

فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ شاہد کے دو معنی ہیں ایک تو یہ کہ ہم اس حق کے معاملہ میں گواہی دینے کو تیار ہیں۔ بعض وقت ماحول کے زیر اثر انسان ایک بات کو حق سمجھتا ہے لیکن اس حق کے معاملہ میں گواہی دینے سے احتراز کرتا ہے یہ ماحول سے دباؤ کا قدرتی نتیجہ ہے کئی شہادتیں عدالت میں ہم محض اس لیے نہیں دیتے کہ ہم فریق مخالف کی طاقت و دباؤ سے ڈرتے ہیں فرمایا اے اللہ ہمیں شاہدین میں لکھ لے یعنی اگر موقع گواہی کا آئے تو ہم علی الاعلان اس کلام حق کی تصدیق کریں گے۔ شاہد کا دوسرا معنی معاون اور مددگار کا ہے۔

وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ

یہاں شہداء کا معنی مددگار ہے ویسے گواہی میں بھی معاون کا معنی شامل ہے جو کوئی شخص کسی کے حق میں گواہی دیتا ہے تو ایک لحاظ سے وہ اس کا معاون

ہوتا ہے۔

انسان کے دل میں یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کا حشر صالحین کی قوم سے ہو۔ جس انسان کے دل میں یہ خواہش ہو۔ اس کے سامنے جب حق آئے تو اسے قبول کرنے سے وہ انکار کر دے یہ کس طرح ممکن ہے؟ ایک طرف اسے صالحین کے زمرے میں رہنے کی آرزو بھی ہو اور دوسری طرف سچائی سے انکار بھی رہے؟

وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ۔ عیسائیوں کا حضرت عیسیٰؑ کے متعلق جو عقیدہ تھا اسے یہ گروہ خوب سمجھتا تھا۔ حضرت مسیحؑ کی ساری زندگی جس تکلیف اور عسرت سے گذری پھر صلیب پر ان کا لٹکایا جانا یہ ایک اضطراب کی حالت تھی۔ وہ سمجھتے تھے یہ کس طرح ممکن ہے کہ حضرت مسیحؑ ابن اللہ بھی ہوں اور سولی پر بھی چڑھائے جائیں۔ چنانچہ جب قرآن کا پیغام حق سنا تو فوراً ایمان لے آئے۔ گویا کہ وہ پہلے ہی حق کے متلاشی تھے اللہ نے انہیں یہ جزا دی کہ انہیں جنت میں دائمی زندگی عنایت فرمائی۔

ہاتھ پاؤں سے جو عمل سرزد ہوا اسے بدنی اعمال کہتے ہیں دل سے جو عمل ہوا اسے نیت یا عقیدہ کہتے ہیں۔ اور زبان کا عمل قول ہے فرمایا ان لوگوں کو جو یہ جزا دی گئی یہ ان کے قول کا نتیجہ ہے۔ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوا۔ اس حسن قول پر ہی انہیں جنت کا سرٹیفکیٹ دے دیا گیا۔

وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ۔ محسن کے تین معنی ہیں۔

۱۔ حسن عمل

۲۔ کسی پر احسان کرنا جیسے بھوکے کو کھانا کھلا دینا یا کسی کی ضرورت پوری کر دینا۔

۳۔ ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک۔ تو اس طرح عبادت کرے گویا تو اللہ کو دیکھ رہا ہے اگر ایسا نہ ہو سکے تو پھر گویا وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

یہ اس گروہ کا ذکر تھا جو سچائی کے متلاشی تھے اور جب سچائی کو پا لیا تو اسے دل سے قبول کیا اس کے بالمقابل ایک دوسرا گروہ جن کا کام حق کا انکار اور قرآن کی تکذیب ہے ان لوگوں کو حقانیت سے کوئی سروکار نہیں۔ ماحول کے دباؤ، آباؤ اجداد کے مذہب کی بنا پر یہ لوگ حق دشمنی کرتے ہیں ایسے لوگوں کی جزا جہنم ہے اس سے آگے اب اہل ایمان سے خطاب ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

درس قرآنِ مجید ——————— مرتب قاضی محمد عبداللہ صاحب

حلال اور طیّب کھانے کی تاکید

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ۝ وَکُلُوْا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰہُ حَلٰلًا طَیِّبًا وَّاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْٓ اَنْتُمْ بِہٖ مُؤْمِنُوْنَ (سورۃ المآئدۃ آیت ۸۷ تا ۸۸)

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ نے جو پاک چیزیں تمہارے واسطے حلال کی ہیں اُن کو حرام مت کرو اور حدود سے آگے مت نکلو بے شک اللہ تعالیٰ حد سے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتے اور خدا تعالیٰ نے جو چیزیں تم کو دی ہیں ان میں سے حلال پاک چیزیں کھاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔

جیسے یہود و نصاریٰ میں غلو کا عقیدہ اور اس کی مذمت کا ذکر ہو چکا ہے اہل ایمان کو بھی اس طرف توجہ دلائی گئی ہے اللہ نے جن چیزوں کو حلال کیا ہے ان سے بے رغبتی کرنا یہ بھی غلو ہے حلال چیزیں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں اہل ایمان کو ان کی قدر کرنی چاہیے نہ کہ کفران نعمت! ہاں اسراف و تکلف سے بچنا ضروری ہے اگر کسی شخص میں نفیس کپڑا پہننے کی توفیق نہیں تو قرض لے کر کپڑوں کی نمائش نہ کی جائے۔ اچھی خوراک کھانے کی طاقت نہیں تو پر تکلف کھانوں میں اپنی قلیل پونجی کو ضائع نہ کیا جائے اسراف اور تکلف کو اللہ پسند نہیں کرتا۔ فرمایا وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ۔ جیسے یہ دونوں چیزیں بری ہیں اسی طرح طاقت و توفیق کے ہوتے ہوئے کفران نعمت کرنا بھی برا ہے۔

حلال چیزوں کے ساتھ طیبات کی قید لگائی گئی ہے حلال اور طیب دونوں شرطیں صحیح ہوں تو بھی ایک بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے اور وہ ہے حد سے تجاوز نہ کیا جائے حرام اور حلال کی حدیں اللہ نے متعین کر دی ہیں اہل ایمان کو حکم ہے کہ ان حدود کا خیال رکھا جائے اور انہیں توڑنے کی کوشش نہ کی جائے۔

طیب حلال کی صفت ہے طیب کا معنی لذیذ صاف ستھری اور پاکیزہ چیز ہے۔ بعض وقت ایک چیز حلال تو ہوتی ہے لیکن طیب نہیں ہوتی دریا کا پانی پاک ہے لیکن جب دریا میں طغیانی ہو تو مٹی اور جھاگ کی بنا پر یہ پانی پینے کو دل نہیں ملتا جس کا معنی یہ ہے کہ پانی تو پاک ہے لیکن طیب نہیں۔ موسم برسات میں کنوئیں عموماً بند رہتے ہیں تو پانی میں بو پیدا ہو جاتی ہے پانی تو حلال ہے لیکن بو کی وجہ سے طیب نہیں رہا۔

اللہ نے جو رزق اتارا ہے اس میں حلال اور طیب رزق تلاش کرنا چاہیے۔ ذرائع دو قسم کے ہیں جائز اور ناجائز۔ جائز ذرائع کو بروئے کار لایا جائے یہ حلال طریقہ ہے اور ناجائز طریقوں سے بچا جائے۔ وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلٰلًا طَيِّبًا۔ میں رزق کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف کی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے لیے وہی رزق کھانا درست ہے جسے اللہ نے تمہارے لیے حلال قرار دیا ہے زمین کی تمام پیداوار ضروری نہیں حلال ہی ہو۔ حلال صرف وہی ہے جسے اللہ نے حلال قرار دیا۔

وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِیٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ

ایمان ایک مومن کے لیے وجہ تسلی ہے فرمایا جس ذات پر تم ایمان لائے ہو اگر یہ ایمان فی الواقع تمہارے لیے وجہ تسلی ہے تو پھر اللہ سے ڈرو۔ ایمان میں ضعف ہو تو دل غیر مطمئن رہتا ہے پھر خشیت الہٰی کہاں سے آئے؟ رزق حلال کے بعد وَاتَّقُوا اللَّهَ کہہ کر اس طرف توجہ دلائی کہ تمہارا کام بس اتنا ہی نہیں کہ اللہ کی پیدا کردہ حلال اور طیب چیزوں سے فائدہ اٹھا لینا اور اس کے بعد یادالہٰی سے غافل ہو جانا۔ فرمایا اب نعمتوں کا حق ادا کرنا تمہارے ذمہ ہے سب

سے بڑا حق یہ ہے کہ تم کسی پر ناحق ظلم نہ کرو۔ مال و دولت کی فراوانی عموماً سرکشی اور ظلم کا باعث ہوتی ہے اور اس دولت کے سہارے انسان بہت کچھ کر گزرتا ہے۔ فرمایا اللہ سے ڈرو رزق دیا ہے۔ دولت دی ہے تو اب دوسروں پر ظلم زیادتی مت کرو۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

درس قرآن مجید ——— مرتب قاضی محمد عبداللہ صاحب

شراب اور جوئے کی حرمت کی وجوہ

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ وَیَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝ وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ۝ (المائدۃ آیت ۹۰ تا ۹۲)

اے ایمان والو! شراب، جوا، بتوں کے تھان اور فال کے تیر ناپاک ہیں اور شیطان کے عمل سے ہیں۔ ان سے بچو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ شیطان ارادہ رکھتا ہے کہ شراب اور جوئے کی وجہ سے تم میں عداوت کے بیج بوئے اور تم کو اللہ کے ذکر سے روکے پس کیا تم باز رہنے والے ہو۔ اللہ کی اطاعت کرو اور اللہ کے رسول کی اطاعت کرو اور ڈرو پس اگر تم پھر جاؤ تو جان لو کہ ہمارے رسول کا کام صرف پہنچا دینا ہے۔

شراب اور جوئے کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے فرمایا ھَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ تم رکتے ہو یا نہیں؟ فھل انتم منتھون میں ایک شدید قسم کی ڈانٹ ہے کہ آئندہ ایسی غلطی ہرگز نہ ہو۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ شراب کو اسلام نے اتنی اہمیت کیوں دی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کو اللہ نے جو سب سے بڑی دولت دی ہے وہ عقل ہے عقل ہی سے انسان علم حاصل کرتا ہے علم کا استعمال

بغیر عقل کے ناممکن ہے ایک پڑھا لکھا انسان اگر فاتر العقل ہو جائے تو اس کا علم برباد ہو جاتا ہے۔ اسی طرح دنیا کا مال یعنی دولت یہ بھی عقل کے بغیر بے کار ہے عقل ہے جو مال کی حفاظت کرتی ہے ایک دولت مند انسان محض دماغ ماؤف ہو جانے سے اپنی ساری دولت سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے اس لحاظ سے دین و دنیا دونوں کی حفاظت کے لیے عقل کو بنیادی حیثیت حاصل ہے اور شراب کی مضرت یہ ہے کہ اس کا سب سے پہلا حملہ عقل پر ہی پڑتا ہے جب عقل سلامت نہ رہی تو دین کب سلامت رہا شراب کی حرمت کے ضمن میں قرآن کا یہ ارشاد بھی پیش نظر رہنا چاہیے۔ اِثۡمُهُمَاۤ اَكۡبَرُ مِنۡ نَّفۡعِهِمَا شراب اور جوا ان کا گناہ نفع کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہے یہاں قابل غور نکتہ یہ ہے کہ قرآن نے نفع کے مقابلہ میں نقصان کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ گناہ کا ذکر فرمایا ہے جو لفظ اثم سے ظاہر ہے اس کا معنی یہ ہے کہ اسلام دنیا کے نفع کا دنیا کے نقصان سے موازنہ نہیں کرتا بلکہ دنیا کے قلیل نفع کا آخرت کے عظیم نقصان سے مقابلہ کرتا ہے اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ شراب میں خواہ ہزاروں فوائد پوشیدہ ہوں وہ سب فائدے آخرت کے عظیم نقصان کے مقابلہ میں ہیچ ہیں۔ اثم کے معنی گناہ ہیں۔ ہر وہ چیز گناہ ہے جس میں اللہ کے حکم کی نافرمانی ہو۔ لہذا دنیوی فوائد کے مقابلہ میں اور کوئی نقصان ہو یا نہ آخرت میں گھاٹا اور گناہ کی فرد جرم مزید نقصان ہے اور مومن کو اپنی نگاہ دنیا کے فائدہ پر نہیں آخرت کے نفع و نقصان پر مرکوز رکھنی چاہیے۔

وَاَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَاحۡذَرُوۡا ۚ فَاِنۡ تَوَلَّيۡتُمۡ فَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوۡلِنَا الۡبَلٰغُ الۡمُبِيۡنُ ○

تمام علوم کا سرچشمہ ذات الٰہی ہے۔ پیغمبر کا علم اللہ کے علم سے ماخوذ ہے اطاعت ہر دو کی فرض ہے۔ معجزہ پیغمبر کے اپنے اختیار و قدرت میں نہیں بلکہ صرف ذات الٰہی کی قدرت میں ہے اسی لئے تو بعض وقت منکرین نے یہ اعتراض کیا۔ لَوۡلَا يَاۡتِيۡنَا بِاٰيَةٍ۔ پیغمبر معجزہ کیوں نہیں لاتا۔ معجزہ کا لانا پیغمبر کے اپنے اختیار میں نہیں بلکہ موقع و محل کی مناسبت

سے امر الٰہی سے اس کا صدور ہوتا ہے۔

پیغمبر کے علم کا ماخذ چونکہ ذات الٰہی ہے اس لیے پیغمبر کی اطاعت بھی ایسے ہی فرض ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت فرض ہے قرآن اللہ کا کلام ہے پیغمبر اس کی تشریح و تبیین ہے جس طرح قرآن کے الفاظ اللہ تعالیٰ کے الہام ہیں اسی طرح پیغمبر کی حدیث وحی غیر مَتلُو ہے جو پیغمبر کی زبان سے ادا ہوتی ہے پہلے اللہ کی اطاعت کا حکم دیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا پھر ان دونوں کی مخالفت سے بچنے کا حکم دیا۔ پیغمبر کی ذات کے سوا اللہ نے اور کسی کے لیے یہ ضمانت نہیں دی کہ اس کا ہر قول امت کے لیے حجت ہو ائمہ اور محدثین کرام عظیم شخصیتیں ہیں یہ وہ پاکباز لوگ ہیں جن کی وساطت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دین امت تک پہنچا۔ ان کے قول و فعل کی بھی اللہ نے ضمانت نہیں دی بلکہ فرمایا کہ اللہ کی اطاعت کرو اور الرسول یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو ان دونوں کے حکم ارشاد کے خلاف اگر کوئی بات ہو تو واحذروا ..... اس سے بچو۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہر ایسا قول و فعل یا حکم جو اللہ اور رسول کے احکام سے ٹکرائے رد کر دینے کے لائق ہے ائمہ دین کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ بیسیوں مسائل میں ان کا باہمی اختلاف ہے ظاہر ہے کہ چاروں کا اختلاف چاروں کے حق پر ہونے کی دلیل نہیں۔ حق صرف ایک ہے۔ ان اختلافات میں کسوٹی اطاعت الٰہی اور اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو قرار دیا ہے مشرک سب سے پہلے اللہ کی اطاعت کا باغی ہے یہود و نصاریٰ جن کی غلطیوں کا پہلے الگ الگ ذکر ہوا اللہ کی اطاعت سے منحرف ہو گئے۔ اللہ کا فرمان یہ تھا مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ مسیح بن مریم اللہ کے رسول ہیں انہیں ابن اللہ کہنا غلط ہے دونوں گروہ اس صریح حکم خداوندی سے پھر گئے۔ ہر ایک نے اپنے پیغمبر کو خدا کا بیٹا کہا۔

اطاعت الٰہی کے بعد دوسرا فریضہ ان پر اطاعت رسول کا تھا۔

اس سے بھی انہوں نے بغاوت کی راہ اختیار کی۔ حضرت مسیحؑ کی اپنی امت کو یہ تعلیم تھی:

وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ الخ

حضرت مسیحؑ نے صاف اور صریح الفاظ میں اپنے رسول ہونے کا اعلان کیا۔ دونوں مقام پر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے گریز اور نافرمانی سے بچنے کی تلقین کی گئی۔ مگر اسے انہوں نے کوئی اہمیت نہ دی۔ مشرکین کی یہی تو کج فہمی ہے اللہ کی اطاعت سے گریز، پیغمبر کی اطاعت سے فرار اور بزرگوں کو خدائی مسند پر لا بٹھانا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ جمعہ ——————— مرتب چودھری عبدالاحد صاحب

اخلاق النبی صلی اللہ علیہ وسلم

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ۔

آیا ہے تمہارے پاس رسول تم میں کا، بھاری ہے اس پر جو تم کو تکلیف پہنچے، حریص ہے تمہاری بھلائی پر، ایمان والوں پر نہایت شفیق مہربان ہے۔

یہ سورہ توبہ کی آخری آیت ہے۔ سورہ انفال و توبہ کا زمانہ نزول قیام مدینہ کا آخری دور ہے مکے میں مسلمان کمزور تھے۔ طاقت و اختیار ہاتھ میں نہ تھا لیکن مدینے میں حالات اس کے برعکس تھے اگرچہ قیصر و کسریٰ جیسی عظیم طاقت تو ابھی نہ بن سکے تھے اس آیت کے نزول کے وقت کچھ درمیانی سی صورت حال تھی اسلام میں اس وقت ہر طاقت سے ٹکرانے کی قوت تھی نہ ضرورت و اصول۔ اسلام کا موقف یہ نہ تھا کہ ہر مسئلہ جنگ سے ہی حل کیا جا سکتا ہے بلکہ:

طریقہ تبلیغ

قُل لَّهُمْ فِي أَنفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا۔ تبلیغ کے لیے مناسب الفاظ، دلنشین انداز اور گفتگو ایسی ہونی چاہیے کہ دل میں اتر جائے۔ ٹھیس لگانا، طعن تشنیع وغیرہ سے منع فرمایا یعنی انداز گفتگو باعث تنفر نہیں ہونا چاہیے کسی کو ستانے یا تنگ کرنے کی غرض سے قوت کا مظاہرہ کبھی نہیں کیا ہمیشہ رحم دلی اور نرمی اختیار کی اور اس کی تلقین بھی کی۔ آپ ہی کا ارشاد ہے مَنْ يُحْرَمِ الرِّفْقَ يُحْرَمِ الْخَيْرَ كُلَّهُ لیکن اس نرمی کو بزدلی کبھی بننے نہیں دیا، مرعوبیت کو کبھی راہ نہیں دی جہاں بھی اور جس وقت بھی قوت کے مظاہرہ یا

استعمال کی ضرورت محسوس ہوئی وہاں اس کو حکیمانہ انداز میں استعمال کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں ۸۲ جنگیں لڑیں ان میں سے ۲۳ جنگوں میں آپ بنفس نفیس شامل ہوئے ۱۳ جنگیں ان میں سے بڑی اہم اور یادگار ہیں۔ قوت کا اظہار و مظاہرہ ممنوع نہیں ہے لیکن اس کو صرف ایک نیک اور پاکباز انسان کی طرح استعمال کرنے کی اجازت ہے۔

شرک

دنیا میں جب انسانی عقائد بدل جاتے ہیں توحید کی جگہ شرک آجاتا ہے انبیاء کی تابعداری اور آخرت پر یقین ختم ہوجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس ظلمت اور اندھیرے کو ختم کرنے کے لیے انبیاء مبعوث فرماتے رہے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل مکے میں بت پرستی عام تھی اس قدر زیادہ کہ خدا کا گھر بھی بتوں سے بھر دیا گیا تھا جنگل کا قانون رائج تھا۔ کمزور، غریب و مسکین، طاقتور کے رحم و کرم پر تھے۔ عقائد اور اخلاق دلوں پر ظلمت چھا چکی تھی بیت اللہ جیسی جگہ کے خدمت گذاروں کے عقائد و اخلاق کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ ان حالات کی اصلاح کے لیے اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا آپ نے قوم کے حالات کی اصلاح ہر ممکن طریق سے کی اس کام کا آغاز آپ نے عقائد کی اصلاح سے کیا۔ انسانیت کو اجاگر کیا۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ اس کائنات میں انسان سے بہتر کوئی مخلوق نہیں۔

دوراستے

بحیثیت مجموعی انسان تمام مخلوق سے اشرف ہے فرشتے پاکباز ہیں لیکن ان کا گناہ سے سابقہ ہی نہیں پڑتا۔ بھوک، جنس کا تعلق اور برائی کے دوسرے محرکات سے ان کو کبھی واسطہ ہی نہیں پڑا۔ برائی کا کوئی بھی دروازہ ان کے سامنے کھلتا ہی نہیں ہے اس لیے انسان سے ان کے مقابلے کا کوئی معنی ہی نہیں ہے اس کو ایک مثال سے سمجھئے ایک آدمی نابینا ہے وہ نظر کی برائی سے محفوظ ہے لیکن اس میں اس کی کوئی خوبی تو نہیں ہے انسان کے مزاج میں نیکی اور برائی کی کشش رکھی گئی ہے اختیار و قوت دی گئی اِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا انسان میں نیکی

اور برائی دونوں جذبات رکھے گئے ہیں۔ بے تکلف نیکی اور گناہ کر سکتا ہے اب انسان کا اپنا وطیرہ ہے کہ وہ اسفل السافلین کا مصداق بننا چاہتا ہے یا لَفِي عِلِّيِّينَ کا

ترتیب دعوت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصلاح وسدھار کا جو طریقہ اختیار فرمایا وہ حکمت کے تقاضے کے بالکل مطابق تھا۔ سب سے پہلے آپ نے شرک سے اجتناب کی تلقین کی خدا کے سوا کوئی مسجود نہیں ہے اس کے سوا کسی کے آگے مت جھکو۔ اس تبلیغ پر اس وقت کی دنیا نے بڑے تعجب کا اظہار کیا۔ اِنَّ هٰذَا الشَّيْءُ عُجَابٌ۔ یہ تعجب آہستہ آہستہ ختم ہو گیا اور قول بلیغ سے متاثر ہوتے گئے حجۃ الوداع کے موقعہ پر ۱½ لاکھ کے قریب فرزندان توحید جمع ہو گئے تھے یہ اسی قول بلیغ کا اثر تھا تبلیغ کے لیے کس طرح کوشش کی جاتی تھی اس کا اندازہ نجد کے رئیس ثمامہ کے واقعہ سے لگائیے صحابہ کرامؓ اس کو پکڑ کر لے آئے مسجد نبوی کے ستون سے باندھ دیا گیا۔ ہر روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دریافت فرماتے كَيْفَ يَا ثُمَامَةُ وہ جواب میں یہی کہتا رہا اگر آپ چھوڑ دیں تو تمہارا احسان ہے اگر قتل کر دو گے تو میری قوم بدلہ لے گی۔ تیسرے دن آپ نے اس کو کھول دیا ان تین دنوں میں وہ قرآن مجید سنتا رہا اس کا اثر یہ ہوا کہ تیسرے روز رہائی کے بعد غسل کر کے واپس آیا اور مسلمان ہو گیا۔ عربوں سے لڑائیاں ہوتی رہیں لیکن اس کے باوجود ایسا طرز عمل اختیار کیا جاتا تھا کہ قرآن مجید کی آواز ہر کان میں پڑ سکے وَاِنْ اَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ اگر مشرکین میں سے کوئی اکیلا آ جائے تو اس کو پناہ دی جاتی تھی حتیٰ کہ وہ کلام الٰہی سنتے۔ اس کے اثرات بڑے بہتر ہوئے شرک ختم ہو گیا۔ توحید باری تعالیٰ کے متعلق کوئی رعایت نہیں کی۔

عقائد کے معاملہ میں کوئی لچک اسلام میں نہیں ہے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ جائز نہیں ہے غور کیجئے کہاں ایک بت اور کہاں ایک رسول۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام بڑا بلند ہے لیکن توحید کے معاملے میں رعایت نہیں دی۔ سجدہ کسی کے لیے جائز نہیں اس معاملے میں لچک، رعایت، جھکاؤ سے منع فرمایا۔

وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ۝ وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا

دوسرے یہ کہ عبادت کی تلقین کی خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ۔

عبادات ہجرت سے دو سال قبل نماز فرض، سنن اور نوافل کا تعین فرمایا نماز میں کیا پڑھنا ہے اس کے متعلق ہدایات دیں۔ نماز پنج گانہ خود ادا کر کے بتائی۔ دعا قرات، سلام، رکوع، سجود وغیرہ سب پڑھ کر بتایا۔ ان میں کسی تبدیلی کی اجازت نہیں ہے۔ فجر اور جمعہ کے دو فرضوں کی بجائے کوئی چار پڑھنا چاہے یا سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ کی جگہ درود اور درود کی جگہ ثناء پڑھنا چاہے اس کی اجازت نہیں اور عقل کا بھی تقاضا یہی ہے بالکل اسی طرح کہ کوئی آدمی پاجامہ کو سر سے باندھنے کی کوشش کرے اور پگڑی کو تہبند کے طور پر استعمال کرنے کی کوشش کرے یہ کم عقلی ہی ہو گی۔

انکار حدیث انکار حدیث کی تحریک بھی بے عقلی کی تحریک ہے ان لوگوں نے دین کے مزاج کو سمجھا ہی نہیں ہے قرآن اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا تعلق ہے اگر یہ سمجھ لیا جاتا تو نوبت یہاں تک نہ پہنچتی ان لوگوں نے حدیث کو چھوڑ کر قرآن مجید سے نماز کا تعین شروع کیا لیکن آج تک کوئی امر طے نہیں ہو سکا نماز کے اوقات، تعین رکعات اور وظائف کوئی چیز بھی طے نہیں ہو سکی۔ احادیث کو عجمی سازش بتانے والے آج تک جھگڑ رہے ہیں۔

تیسرے معاملات ہیں۔ اس کے لیے چند اصول دیئے ہیں۔ دھوکہ دہی نہ کرو، وعدہ خلافی نہ کرو۔ طے شدہ امور میں کمی بیشی نہ کرو۔ چند اصولی ہدایات دی ہیں لیکن آپ کاروبار کھیتی باڑی کس طریقہ سے کریں۔ اس پر کوئی پابندی نہیں ہے جو کھاتے ہو کھاؤ جو پہنتے ہو پہنو اسراف و تبذیر نہ کرو۔ سیاست میں جو معاملہ دشمن کرے وہ تم کرو۔ عہد شکنی نہ کرو۔ صلح کا پیغام آ جائے لڑائی بند کر دو۔ دشمن اکیلا آ جائے جماعت کی صورت میں آوے اس کو پناہ دو۔ کلمہ پڑھنے والے کی جان کی حفاظت کرو تمہاری نوک

شمشیر کے عین سامنے بھی اگر وہ کلمہ پڑھ کر سنائے تو اس کو نقصان مت پہنچاؤ۔ یہ حکیم نبی اور حکیم دین کی تعلیمات ہیں آپ نے دس سال مدینے میں اس حکمت سے کام کیا کہ حالات بالکل بدل گئے اور یہ حالت اس وقت تک قائم رہی جب تک صحابہ موجود رہے۔ ہماری حالت کیا ہے؟ اخلاق محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہیں؟ ہماری زبانوں سے کیا نکل رہا ہے؟ علامہ اقبال نے کیا خوب خواہش کی ہے کہ یا الٰہی اول تو میرا حساب نہ کرنا اور اگر ایسا کرنا ہے تو ؎

ازنگاہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پنہاں بگیر

اسلام نے اعمال میں ایک پروگرام دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا
مَا كُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ
آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے؟

چالیس سال تک تو یہ صورت تھی ایک عام شریف انسان کی زندگی بسر کی چالیس سال کے بعد ایمان کی حدود واضح ہوئیں اس کے بعد تئیس سال میں کبھی یہ حدود بارگاہِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محو نہیں ہوئیں۔ اسلام پر عمل کسی خاص موسم یا خاص دن سے تعلق نہیں رکھتا اس کے لیے کوئی ایک دن یا مہینہ مقرر نہیں ہے ہر وقت دل میں خدا کا خوف اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہونی چاہیے اور عمل میں خدا کے وفادار غلام اور اس کے برگزیدہ رسول و نمائندہ کا اتباع ہونا چاہیے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ جمعہ ــــــ ۸ مارچ ۱۹۶۳ء ــــــ مرتب: حافظ محمد قاسم صاحب خواجہ

فکرِ آخرت

وَحَرَامٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ۝ حَتّٰى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ۝ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝ (سورۃ انبیاء، آیت ۹۵ تا ۹۷)۔

جس بستی کو ہم نے ہلاک کر دیا وہ دوبارہ لازماً نہیں آتے۔ یہاں تک کہ یاجوج ماجوج کھول دیئے جائیں اور وہ ہر اُچان سے دوڑے آئیں اور سچا وعدہ نزدیک آجائے اس وقت اچانک کفار کی آنکھیں اوپر چڑھ جائیں گی اور کہتے ہوں گے، افسوس ہم اس سے بے خبر تھے بلکہ ہم ظالم تھے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین دو بڑی غلطیوں میں مبتلا تھے ایک خدا کے متعلق غلط تصور اور دوسری آخرت سے انکار۔ یہ لوگ دنیوی مقاصد کے حصول کے لیے سامنے رکھے ہوئے مجسم بتوں کی پرستش کیا کرتے تھے کسی برائی میں پھنس کر نکلنا بڑا مشکل ہوتا ہے۔ مصلح ان میں بھی پیدا ہوتے رہے۔ ابن ابی کبشہ اور زید ابن عمرو بن نفیل جیسے موحدین نے اپنی قوم کی بہت اصلاح چاہی لیکن بت پرستی کے بھنور میں پھنسی ہوئی قوم کو کنارے پر لے آنا ان کی طاقت سے باہر تھا یہ بات ان کے دل و دماغ میں جڑ پکڑ چکی تھی کہ جب ہمارے آباؤ اجداد کا یہی مذہب تھا اور ہمارے بھائی اسی راہ کے پیرو تو پھر ہم اپنی غلطی کیوں کر تسلیم کر لیں یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم مرکر

دوبارہ جی اٹھیں گے، اور پھر ایک خدا کے سامنے پیش ہوں گے۔

ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ (سورہ ق)

جب ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے تو یہ لوٹنا بعید از قیاس ہے۔

ٹھیک اسی طرح جس طرح آج ہماری حالت ہے جو کوئی کسی گناہ میں الجھا ہوا ہے اسے وہاں سے نکلنا گوارا نہیں تجار ہوں یا ملازمت پیشہ، اہل زراعت ہوں یا اصحاب صنعت و حرفت، سیاسی لیڈر ہوں یا ملکی حکام، چند ایک کے سوا ہر کسی کو بد دیانتی کا ایسا چسکا لگا ہوا ہے جو چھوٹنے والا نہیں طبقہ علماء بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ منبر و محراب میں اثر نہ رہنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ علماء کو جن بیماریوں کا علاج ہونا چاہیے، خود ان کے مریض ہو گئے پھر کوئی بھی تو ایسا نہیں جو اپنے موقف سے ایک انچ بھی پیچھے ہٹنا چاہتا ہو۔ ہر ایک یہی سوچ کر اپنے دل کو جھوٹی تسلی دے لیتا ہے کہ میں اس وادی میں کوئی تنہا تھوڑا ہی ہوں۔ فلاں فلاں بھی تو شریک ہیں۔ یعنی گناہ گناہ کی دلیل بن چکا ہے اور جھوٹ جھوٹ کے لیے تائید —— یاد رہے کفار عرب کو بھی باپ دادوں کی تقلید ہی نے مارا تھا جب وہ زید بن عمرو بن نفیل جیسے مصلحوں کو خاطر میں نہ لائے تو خداوند کریم نے پیغمبر بھیج کر ان کی کایا پلٹی۔ نبی علیہ السلام نے تشریف لا کر ان کے سوچنے کا انداز ہی بدل دیا انہیں بتایا کہ خدا ایک عظیم ہستی کا نام ہے اور اس نے انصاف کو بروئے کار لانے کے لئے جزا و سزا کا ایک دن متعین کر رکھا ہے جسے قیامت یا آخرت کہتے ہیں یہیں سے پیغمبر کی ضرورت کا احساس ہوتا ہے کہ وہ قوم جو کسی شمار قطار میں نہ تھی جب خدا کے صحیح تصور کو پا گئی اس سے قیامت کا مفہوم اخذ کر لیا اور اس پیغمبر کے نقش قدم پر چلنے لگی جو ان حقائق کی تعلیم و تربیت دیتا تھا تو اس کی صورت حال یکسر بدل گئی وہ دنیا میں درندوں کی طرح نہیں انسانوں کی طرح جینے لگے اور ہم عصروں کو دشمن اور رقیب سمجھنے کی بجائے دوست اور بھائی سمجھنا شروع کر دیا۔

بات یہ ہے کہ ایک آدمی اگر خدا کا بندہ، پیغمبر کا فدائی اور آخرت سے لرزاں و

ترساں ہے تو طمع اس کے دل میں جگہ نہیں پا سکتی جب کہ یہی تمام مفاسد اور شرارتوں کی جڑ ہے ورنہ ان تین بنیادی چیزوں میں سے کسی ایک سے بھی غفلت کی جائے تو دل شیطانی وسوسوں کی آماجگاہ بن کے رہ جاتا ہے سکون اور اطمینان کی دولت چھن جاتی ہے اور انسان اغراض دنیوی کا شکار ہو کر انسان نہیں رہتا۔ کچھ اور ہی ہو جاتا ہے اور اگر راسخ العقیدگی سے ان اصول ثلاثہ کو اپنا لیا جائے تو طبیعت میں ایک شان بے نیازی پیدا ہو جاتی ہے یقین جانیئے جس دل میں خدا کا ڈر، آخرت کی یاد اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت موجزن ہو اسے دنیا سے استغناء کامل ہو جاتا ہے اس میں وہ ذلیل وخسیس خواہشیں نشوونما نہیں پاتیں جن کی بدولت انسان جا بجا ذلت و کمینگی کا مظاہرہ کرتا ہوا پایا جاتا ہے اگر کسی قوم کو ان صفات کا حامل حاکم نصیب ہو جائے تو اس کی خوش قسمتی میں کلام نہیں —— حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے بنو امیہ کی ڈگمگاتی ہوئی کشتی کو دماغی چالوں کے ذریعے نہیں اپنے مزاج درویشانہ اور سیرت فرشتگانہ کی وجہ سے سنبھال لیا تھا آپ کی زندگی کا ایک ہی واقعہ ان کی قلبی دنیا پر روشنی ڈالنے کے لیے کافی ہے۔

عید نزدیک آگئی تھی۔ لوگ اس کی تیاریوں میں مشغول تھے خلیفہ عمر بن عبد العزیزؒ کے بچے ماں کے پاس روتے ہوئے آئے اور نئے کپڑے سلوانے کی خواہش ظاہر کی۔ والدہ متاثر ہوئیں اتنے میں حضرت عمرؒ بھی تشریف لے آئے اور معصوم بچوں کی ننھی ننھی درخواست اور اپنی مجبوری کے پیش نظر آنسو بہا دیئے۔ کچھ سوچ کر خلیفہ وقت نے ناظم مالیات کو چٹھی لکھی کہ مجھے ایک ماہ کی تنخواہ پیشگی دے دی جائے —— وہاں سے جواب آیا —— کیا آپ ضمانت دیتے ہیں کہ ایک ماہ تک مزید زندہ رہ سکیں گے؟ جواب معقول تھا خلیفہ وقت بھی خاموش ہو گئے اور اہل وعیال بھی چپ۔

خلیفہ اسلام کے نام فنانشل سیکرٹری کے اس خط سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے دوسروں کو بھی اسی رنگ میں رنگ دیا تھا جب خازن کی دیانت داری اور جرأت کا یہ حال ہے تو عمر ثانیؒ کے تقویٰ کا کیا عالم ہوگا ؟ یہ سب نتیجہ تھا آخروی عدالت کو پیش نظر

رکھنے کا ــــــ لیکن جن دماغوں پر صرف دنیا سوار رہتی ہے وہ جائز و ناجائز کی پروا نہیں کرتے انہیں حرام و حلال کی تمیز سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔

یوں تو ہر کسی کو ملی خدمت اور قومی اصلاح کا نعرہ لگاتے دیکھا جاتا ہے لیکن صحیح معنوں میں بنی نوع انسان کو صرف وہ شخص سنوار سکتا ہے جو دنیوی اغراض اور نفسانی خواہشات کو ہیچ سمجھتے ہوئے پبلک کی تکلیف کو اپنی تکلیف تصور کرے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مقدس تحریک میں کیوں کامیاب ہوئے ؟ اس ایثار پیشہ پیغمبر نے سارے جہان کی مصیبتیں اپنے سر مول لے لی تھیں آپ نے انہیں ہر طرح کی تکلیفوں اور اخلاقی اور روحانی بیماریوں سے نجات دلانا اپنا فرض سمجھ لیا تھا۔ آپ نے بندۂ درہم و دینار نہیں بلکہ بندۂ خدا بن کر توم کو الہ العلمین کی بندگی کا وعظ کیا آپ نے اس زندگی کو مستقل سمجھتے ہوئے خود کو دنیوی کاموں کے لیے وقف نہیں کیا بلکہ اسے عارضی سفر اور عبوری دور پر محمول کرتے ہوئے سفر آخرت کی تیاری کی ہے اور اپنی امت کو بھی تلاش آخرت کی تلقین کی فرمایا :

المومن کراکب استظل تحت شجرۃ ثم راح

مومن کی مثال ایک سوار کی طرح ہے جو درخت کے سایہ میں چند گھڑیاں بیٹھا اور آگے چل دیا۔

واقعی سوچنے کی بات ہے اگر ہمارا اخروی زندگی پر ایمان ہے تو بلبلہ آب کی مانند اس بے حقیقت زندگی کے لیے کیوں اتنی جان کھپاتے ہیں حیات اخروی کے لیے کیوں نہ کچھ کیا جائے جو دائمی بھی ہے اور پائیدار بھی۔ سچ تو یہ ہے کہ دنیا کو آخرت پر ترجیح دینا ہی سرے سے حماقت ہے یہ وقت ہمارے لیے غنیمت ہے اسے رائیگاں نہیں جانے دینا چاہیے یہ لوٹ کر دوبارہ نہیں ہاتھ آتا۔ دنیا میں کسی کا مر کر جینا قانون قدرت کے خلاف ہے مرے ہوئے لوگ قیامت سے پہلے اٹھ نہیں سکتے بعد میں دست تاسف ملنے کے بجائے ہمیں ابھی سے وقت کی نزاکت کا احساس کرنا چاہیے قیامت تو خیر قیامت ہوگی۔ دنیا میں بھی جب کسی کی اجل آجاتی ہے تو واپسی محال ہوتی ہے

قوم عاد نے اپنے پیغمبر ہود علیہ السلام کی بات نہ مانی اور چیلنج کیا ـــــ فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ (احقاف) "اگر تو سچا ہے تو لے آجس کا تو ہمیں وعدہ دیتا ہے" (یعنی عذاب) ایک روز انہوں نے اپنی بستی کی طرف غبار سا آتے دیکھا، کہنے لگے، بادل آیا ہے بارش ہوگی فرمایا: "بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهِ رِيحٌ فِيهَا عَذَابٌ أَلِيمٌ۔" "بلکہ یہ وہی چیز ہے جس کی تمہیں جلدی تھی یہ دردناک عذاب پر مشتمل ہوا ہے" اور انہیں صفحہ ہستی سے نابود کر دیا گیا۔

نبی علیہ السلام فرمایا کرتے تھے رات کو سونے وقت گزشتہ دن پر تفصیلی نگاہ ڈال لیا کرو کہ آج کیا کھویا اور کیا پایا۔ اس سے مقصود اپنی اصلاح ہے ہمیں کسی حالت میں بھی خدا کی عدالت کو نہیں بھولنا چاہیئے آج جن سچائیوں کو لاپروائی سے نظر انداز کر دیا جاتا ہے روز قیامت جب غفلت شعار لوگ بچشم خود انہیں ملاحظ کریں گے تو ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی گویا پتھرا گئی ہوں آنکھوں کا جھپکنا بھی ایک نعمت ہے اس میں حسن بھی پایا جاتا ہے ٹھنڈک بھی ملتی ہے اور سکون بھی حاصل ہوتا ہے لیکن اس روز شدت وحشت اور کثرت غم واندوہ سے آنکھیں ٹکٹکی لگ جائیں گی نہ پلکیں جھپکیں گی نہ پتلیاں ناپیں گی لیکن یہ معاملہ بعد از وقت ہوگا اگر دنیا میں بھی خدا کی باتوں پر یقین کر لیا ہوتا تو عاقبت کی پشیمانی سے نجات مل جاتی ہم لوگ زیادہ تر گناہوں پر جرأت ہی اس وقت کرتے ہیں جب موت اور قیامت کا مہیب تصور ہمارے دماغ سے نکل جاتا ہے نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے۔

اکثروا ذکر ھاذم اللذات الموت یعنی اس موت کو یاد کیا کرو جو تمام مزے اور لذتیں مٹا دیتی ہے ـــــ لیکن تعجب ہے، میت پاس پڑی ہوتی ہے اور ہم اپنی باتوں میں مشغول ہوتے ہیں۔ ایک صحابی کہتے ہیں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے زمانہ میں بوقت جنازہ ہماری یہ حالت ہوتی کان علی رؤسنا الطیر "گویا ہمارے سروں پر پرندے ہوں۔"

ہمیں ابھی سے اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے تاکہ کل ہمیں بھی یہ کہنا نہ

پڑے ـــــ یٰوَیْلَنَا قَدْ کُنَّا فِیْ غَفْلَۃٍ مِّنْ ھٰذَا بَلْ کُنَّا ظٰلِمِیْنَ ۔ یعنی جب تک دنیا میں رہے خوابِ غفلت میں سوئے رہے اور کوئی کام کیا تو ظالمانہ کیا ۔

ظلم کہتے ہیں کسی چیز کے بے محل تصرف کو۔ اس سے بڑا ظلم اور کیا ہو سکتا ہے کہ ہماری زندگی جو صرف خدا کے لیے ہے اسے مستقل سمجھ کر فقط اپنے ذاتی کام میں لایا جائے ۔

یہ بات ذھن نشین رکھنا چاہیے کہ توحید اور نبوت کو صحیح صحیح مانے بغیر ہماری دنیا سنور سکتی ہے نہ آخرت ۔

خدا ہمیں نیکی کی توفیق دے ـــــ آمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ جمعہ ـــــ ۵ رمارچ ۱۹۷۳ء ـــــ مرتب: حافظ محمد قاسم صاحب خواجہ

شرک کا ایک پہلو

إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ أَنتُمْ لَهَا وَارِدُونَ ۝ لَوْ كَانَ هَٰؤُلَاءِ آلِهَةً مَّا وَرَدُوهَا ۖ وَكُلٌّ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَهُمْ فِيهَا لَا يَسْمَعُونَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُم مِّنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ ۝ لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا ۖ وَهُمْ فِي مَا اشْتَهَتْ أَنفُسُهُمْ خَالِدُونَ (سورۃ الانبیاء آیت ۹۸ تا ۱۰۲)

بے شک تم اور جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو دوزخ کے ایندھن ہیں تم اس میں آنے والے ہو۔ اگر یہ معبود ہوتے تو اس میں نہ آتے اور سب اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ان کے لیے اس میں چلانا ہے اور وہ اس میں نہیں سنیں گے۔ جن کے لیے ہماری طرف سے پہلے ہی نیکی ٹھہر چکی ہے وہ جہنم سے دور ہی رکھے جائیں گے وہ اس کی آہٹ تک نہیں سنیں گے اور وہ اپنی من مانی چیزوں میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔

بت پرستی عرب میں بت پرستی کا رواج عام تھا وہ لوگ اتنے احمق اور گئے گذرے نہیں تھے جو ان پتھر کی مورتیوں کو حقیقی خدا تصور کر لیتے ان کا عقیدہ تھا کہ انبیاء اور صلحاء کی ارواح مقدسہ ان میں حلول کئے ہوتے ہیں خدا تعالیٰ سے براہ راست ان کا گہرا تعلق ہے ان کی کوئی بات رد نہیں کی جاتی اور ان کی سفارش کے بغیر خدا کسی کی نہیں سنتا جیسے فرمایا:

وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ

وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآءُنَا عِنْدَ اللّٰهِ (یونس)

اور عبادت کرتے ہیں اللہ کے سوا ان چیزوں کی جو نہ نقصان دیتی ہیں ان کو نہ فائدہ دیتی ہیں اور کہتے ہیں یہ اللہ کے نزدیک ہمارے سفارشی ہیں۔

دوسرے مقام پر ان کی بابت یوں کہا:

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى

ہم ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں تاکہ ہمیں اللہ کے نزدیک کر دیں۔

اس کے باوجود اسلام نے اس حرکت کو شرک اور اس کے مرتکب کو مشرک کہا۔

قبر پرستی آج کل قبر پرستی کا جو مفہوم ہمارے ہاں پایا جاتا ہے وہ اس سے کچھ مختلف نہیں ہمارے کمزور عقیدہ کے بھائی بھی یہی سمجھتے ہیں کہ اس قبر میں فلاں بزرگ سمائے ہوتے ہیں خدا کے ہاں ان کی بڑی پہنچ ہے ان کی وساطت اور وسیلہ سے مانگی ہوئی دعائیں بارگاہ الٰہی میں وزن اور دباؤ رکھتی ہیں اور انہیں کی طفیل خدا مخلوق پر رحم فرماتا ہے۔ اس پُر از وہم نظریہ کے تحت قبروں کے پجاری ـــــ وہ سب کچھ کر گزرتے ہیں جو شاید بت پرستوں سے بھی نہ ہو سکا ہوگا انتہا یہ ہے کہ مزاروں کے آس پاس اگے ہوئے درختوں کو بھی بزرگ کی ہمسائیگی کے اثر سے مقدس سمجھ کر کرنی والا فرض کر لیا جاتا ہے اور ان سے مرادیں وابستہ کر لی جاتی ہیں۔ تعویذ اور دھاگے اکثر آپ نے درختوں کی شاخوں سے لٹکے دیکھے ہوں گے۔

وسیلہ درمیانی واسطے خدا اور بندے کے درمیان وسیلہ نہیں بلکہ رکاوٹ بن جاتے ہیں۔ الٰہ حقیقی کی طرف راہ نہیں دکھاتے بلکہ سدِ راہ خود اپنی الوہیت کا اعلان ہو جاتے ہیں اہل شرک سے خدا نے کہا: انکم وما تعبدون من دون اللہ حصب جہنم ان کے معبود کیا تھے؟ تراشیدہ پتھر تھے۔ دوسری جگہ صاف فرمایا: وقودھا الناس والحجارۃ (بقرۃ) آگ کا ایندھن لوگ اور پتھر ہوں گے۔

بھلا پتھروں کو عذاب دینے سے فائدہ؟ ان میں تو احساس ہی نہیں انہیں سارا دن بھٹی میں تپاتے رہیے کوئی تکلیف محسوس نہ ہوگی۔ درخت جو نامی ہونے کی وجہ سے حیوانات سے ایک گونہ مناسبت رکھتے ہیں وہ بھی جل کر کوئلہ اور کوئلہ سے راکھ ہو جائیں گے لیکن مجال ہے کوئی ٹیس پہنچ جائے ــــ بات یہ ہے، ان بے حس بتوں کو تکلیف ہو یا نہ ہو انہیں بے یار و مددگار آگ میں دہکتے پا کر ان کا فروں کو ضرور تکلیف ہوگی جو کل تک انہیں ذریعہ نجات سمجھتے رہے ہوں گے ان کے منہ سے بے ساختہ نکلے گا لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا۔

پوجا کی خواہش

یہ اتفاق کی بات ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں مشرکین بتوں کو پوجتے تھے اور ان کے متعلق کہہ دیا گیا پتھر بھی آگ کا ایندھن بنیں گے۔ اور ہر معبودِ باطل کا حشر یہی ہوگا۔ دورِ حاضر کے ناسمجھ بھائیوں کو سراسر غلط فہمی لگی ہے کہ ــــ "شرک کے زمرہ میں صرف بت پرستی ہی آتی ہے۔ بتوں کے علاوہ اگر کسی اور بزرگ میں خفیہ طاقتیں تسلیم کرتے ہوئے اس کے حضور سرِ تسلیم و نیاز خم کر دیا جائے تو یہ شرک نہیں ہے اور نہ اس سے اس شخصیت پر کوئی دھبہ ہی آتا ہے جس سے یہ معاملہ کیا جائے ورنہ حضرت عیسیٰ اور عزیر علیہما السلام کی تو صاف پرستش کی گئی ہے پھر بھی وہ بری الذمہ قرار پائیں گے" ــــ بات یہ ہے اس آیت نے تو پہلے ہی ایسے لوگوں کو مستثنیٰ قرار دے دیا ہے کیونکہ وَمَا تَعْبُدُوْنَ میں "ما" بغیر ذوی العقول کے لیے ہے لیکن آگے اس طرح وضاحت ہے ــــ اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ــــ حسنیٰ سے مراد توحید و پیروی سنت و حسن عمل و حسن اخلاق اور ہر اچھی بات ہو سکتی ہے گزشتہ زمانہ کے انبیاء صلحاء اور اتقیاء جن کی زندگیاں حسن عمل کی بہترین مظاہر تھیں ان کی خواہ کتنی بھی عبادت کی گئی ہو، آگ کی آہٹ تک نہیں سن پائیں گے ــــ اس سے پتہ چلا یہ وعدہ ان کے لیے نہیں جو اس معیار پر پورے نہیں اترتے ہیں اپنی جگہ خواہ کوئی کتنا بھی بڑا۔۔۔۔ ہوتا رہے اگر پجنے کی خواہش رکھتا ہو تو اسے وارد جہنم ہونے سے کوئی چیز نہیں روک سکتی رہا یہ

سوال کہ 'ما' غیر ذوی العقول کیلئے ہے تو گزارش ہے کہ ایسے لوگ اس قابل ہی کب ہیں کہ انہیں ذوی العقول میں شمار کیا جائے؟

وہ بری الذمہ تھے

حضرت علی ہجویریؒ لاہوری اور جناب بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ کے لٹریچر سے واقف حضرات جانتے ہیں کہ ان کی زندگیاں مقدس اور شرک و بدعت سے بے داغ تھیں یہ فرشتہ سیرت لوگ اس پوجا پاٹ کی مطلق خواہش نہیں رکھتے تھے جو آج ان کے مزاروں پر اپنی دکانداری چمکانے کے لیے عقیدت واحترام کے نام پر ہو رہی ہے امیر معاویہؓ کے زمانہ میں جس فوج کے ساتھ یزید نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا اس میں حضرت ابو ایوب انصاریؓ موجود تھے طویل محاصرہ کے باوجود قلعہ فتح نہ ہو سکا لشکر واپس ہونے لگا تو ابو ایوب انصاریؓ بیمار پڑ گئے وصیت فرمائی کہ مجھے قسطنطنیہ کے قریب ترین دفن کیا جائے۔ فوت ہو گئے تو یزید نے عیسائیوں کی مرضی کے خلاف انہیں شہر کی فصیل کے نیچے سپرد خاک کیا۔ اگر آپ کو پرستش کی خواہش ہوتی تو مسیحی ایریا کی بجائے کسی اسلامی علاقہ میں دفن ہونے کو ترجیح دیتے جہاں ان کے معتقدین بھی بکثرت موجود تھے۔ ان کے خواب وخیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ اس پر قبہ تعمیر کیا جائے گا اور پوجا ہونے لگے گی ـــــ ایسی ہستیاں واقعی پرستاروں کی عبادت سے بری ہوتی ہیں۔

لیکن جو لوگ چاہتے ہیں کہ ان کی ہڈیاں ان کی اولاد کے لیے سامان خورد و نوش بنیں، قبہ بنایا جائے، چڑھاوے چڑھائے جائیں اور نذریں مانی جائیں یعنی دوسرے لفظوں میں وہ خدا اور اس کی مخلوق کے درمیان حائل ہو جائیں وہ یقین کر لیں کہ ان کا انجام انکم وما تعبدون من دون اللہ حصب جہنم سے الگ نہیں ہوگا۔

استقبال کے لئے کھڑا ہونا

عبادت تو بڑی بات ہے کسی کے دل میں اتنی بھی آرزو ہو کہ اس کی آمد پر اہل مجلس اٹھ کر استقبال کیا کریں تو اس کے لیے جہنم کی وعید ہے نبی علیہ السلام نے فرمایا:

"من احب ان یتمثل له الناس قیاما فلیتبوء مقعده من النار"

"جو پسند کرتا ہے کہ لوگ اس کی خاطر اٹھیں وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنا لے"۔
اگر کوئی دور یا دیر سے آئے اور لوگ از خود ملنے کے لیے بے تابی سے اٹھ کھڑے ہوں تو کوئی حرج نہیں لیکن ہر آمد و رفت کے موقع پر اٹھک بیٹھک کا رواج جیسا کہ اہل فارس اپنے بادشاہوں کی تعظیم کے لیے کیا کرتے تھے، بالکل ممنوع ہے، صحابہ کرامؓ سے ثابت نہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں ایسا کیا کرتے ہوں ایک یہ پیر و مرشد ہیں جن کی دلی خواہش بلکہ درپردہ حکم ہوتا ہے کہ ان کی آمد پر ان کے مرید اٹھ کر تعظیم بجا لایا کریں شاید یہ اپنا مقام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بلند تر سمجھتے ہیں۔ العیاذ باللہ ــــــ غلط قسم کے پیروں اور اندھے عقیدت مندوں کی بابت ارشاد فرمایا ــــــ لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَهُمْ فِيهَا لَا يَسْمَعُونَ ــــــ یعنی انہوں نے جہنم میں چیخ و پکار کے ذریعے آسمان سر پر اٹھا رکھا ہوگا اور اس ہنگامہ میں کوئی کسی کی نہیں سنے گا۔
نیک لوگوں کے متعلق خوشخبری دی ــــــ وَهُمْ فِي مَا اشْتَهَتْ أَنْفُسُهُمْ یعنی اہل جنت کو منہ مانگی مراد ملے گی یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے دنیا میں رہ کر شیطان سے مڈبھیڑ ہونے کے باوجود حسن کردار کا مظاہرہ کیا ہوگا یہ لوگ جیسے خود نیک اور پارسا ہوں گے ان کے خواہشیں بھی معصوم اور قابل داد ہوں گی۔
خدا ہمیں سوچنے سمجھنے کی توفیق دے ــــــ آمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خطبہ جمعہ ـــــ ۵ اپریل سنہ ۱۹۶۳ء ـــــ مرتب حافظ محمد قاسم صاحب خواجہ

حکومت کے وارث کون؟

يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ وَعْدًا عَلَيْنَا إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ ۝ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ (انبیاء ایت ۱۰۴ تا ۱۰۵)

جس دن ہم آسمان کو لپیٹ لیں گے مثل لپیٹنے کتاب کے لکھے ہوئے کو جیسا کہ ہم نے اول دفعہ پیدائش کی تھی اسی طرح دوبارہ کریں گے یہ ہمارے ذمہ وعدہ ہے ہم اسے ضرور کر کے رہیں گے ہم زبور میں نصیحت کے بعد لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہی ہوں گے۔

ربط آیت دو طرح کے لوگوں کا ذکر ہوا تھا ایک وہ جو جہنم کا ایندھن بنیں گے دوسرے وہ جنہیں بہشت بریں میں ہمیشہ کی زندگی عطا ہو گی یہ اچھا یا برا انجام ہوگا ہر کسی کے اعمال کا دنیا دار العمل ہے اور آخرت دار الجزاء۔ یہ اسی روز آخر کے آغاز کا بیان ہے ــــ فرمایا جس دن ہم آسمان کو یوں لپیٹیں گے جیسے ایک بہت بڑی کتاب (طومار۔ دفتر) لکھے ہوئے اوراق کو لپیٹ لیتی ہے۔ "طیّ" دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ایک "لپیٹنا" جس طرح کاغذ یا کپڑا وغیرہ تہہ کیا جاتا ہے۔ دوسرے "ختم" کرنے کے مفہوم میں۔ کسی خاندان کا بڑا آدمی فوت ہو جائے یا زیادہ تعداد میں موتیں واقع ہو جائیں تو کہتے ہیں، ان کی صف لپیٹ لی گئی۔ اس جگہ یہی دوسرا مفہوم مراد ہے۔ روز قیامت زمین و آسمان و مافیہا کا نظام درہم برہم ہو جائے گا پوری کائنات لپیٹ کر رکھ دی جائے گی اور سب کچھ ملیا میٹ ہو گا گویا کچھ تھا نہیں۔

سلسلہ تشریح ، ذرا دور ماضی کی طرف نظر دوڑائیے ایک وہ زمانہ تھا جب آدم و

حوا کسی نامعلوم گوشہ میں نظر آرہے تھے پھر کیا ہوا؟ وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً (نساء) خدا نے آدم و حوا کے ذریعے بہت سے مردوں اور عورتوں کو پھیلا دیا حتیٰ کہ اولاد آدم نے ربع مسکون کو بھر دیا ہر صاحب نسل اپنی جگہ ایک آدم ہوتا ہے جیسے مسئلہ رہائش یا تلاش روزگار یا باہم بھد نہ سکنے کی وجہ سے بہو بیٹا باپ سے جدا ہو کر الگ گھر بسا دیتے ہیں اور ایک نئے خاندان کی بنیاد بندھتی ہے۔ اسی طرح حضرت آدمؑ کی بے شمار اولاد نے گروہ در گروہ مختلف خطہ ہائے زمین کو اپنے وجود سے آباد کر دیا نوکئی قومیں معرض وجود میں آگئیں۔ کئی مذاہب رونما ہوئے ان گنت زبانیں بولی گئیں لاتعداد رواج اور تہذیبیں اختیار کی گئیں اور متعدد قسم کے نظام ہائے دنیا ظہور میں آئے۔ یہ سب سلسلہ ہے نشر کا۔ کہ کائنات کے اوراق بکھرنے چلے گئے اور جہان ایک کھلی کتاب بن گیا۔

خدا رزاق ہے

خدا کی رزاقیت ملاحظہ ہو جو کبھی چند ایک کے لیے روٹی کا سامان کیا کرتا تھا اب اربوں انسانوں و دیگر بے شمار مخلوقات کو کھلائے جا رہا ہے اور وہاں کوئی فرق نہیں روزی کا جھگڑا آج ہی درپیش نہیں ہوا انسان ہمیشہ ہی اس مسئلہ پر سوچتا چلا آیا ہے شاید ہم نظام قدرت پر غور نہیں کرتے جوں جوں آبادیوں میں اضافہ ہوتا چلا گیا قدرت کے خزانوں میں وسعت آتی گئی زمین اپنے خزانے اگلتی جا رہی ہے اور ضروریات زندگی فراہم ہو رہی ہیں قدرتی اسباب اور بنی نوع انسان کی جدوجہد نے زمین سے کیا کچھ نہیں برآمد کر ڈالا اتنا کچھ نکل آنے پر بھی یہ زمین اور یہ آسمان بانجھ نہیں ہو سکے۔ وہ برابر مصروف نشر ہیں۔

کائنات میں تنوع

پھر نشر کا تعلق صرف پھیلاؤ ہی سے نہیں ہمیں خدا کی مخلوق میں ایک تنوع بھی محسوس ہوتا ہے رنگا رنگی جیسے کہ قدرت کی ہر چیز میں نمایاں ہے انسان بھی اس سے مبرا نہیں۔ یہ غریب اور امیر، یہ مزدور اور سرمایہ دار، یہ کسان اور زمیندار، یہ رعایا اور بادشاہ سب قدرت کی رنگینیاں ہیں عدل کا حکم اسی لیے ہے کہ نچلی سطح کے لوگوں پر ظلم کر کے کوئی طبقہ اپنی برتری کا غلط فائدہ نہ اٹھائے انبیاء کے خاندان بھی عزت پاتے ہیں

لیکن ان کی عزت ان میں پیدا ہونے والے پیغمبر کی مرہون منت ہوتی ہے ایک پیغمبر نہ صرف اپنی قوم کے لیے باعث قدر و منزلت ہوتا ہے بلکہ بعض اوقات مسکن نبوی کو بھی ایک شان امتیازی حاصل ہو جاتی ہے۔ ہمارے لیے خاندانی برتری موجب فخر و مباہات ہوتی ہے لیکن برعکس اس کے انبیار کی شخصیت ان کی آل کے لیے باعث افتخار ہوتی ہے ؎

لا بقومی فخرت بل فخر وا بی

وبنفسی فخرت لا بجدودی (متنبی)

سو جب خاندان نبوت کسی پر ذاتی فوقیت جتانے کا مجاز نہیں تو اور کسی کو غلط طور پر اپنی برتری ظاہر کرنے کا کیا حق پہنچتا ہے۔ بہرحال جو کچھ بھی ہو گا قیامت کے دن یہ نشر پایہ تکمیل کو پہنچے گا اور ہر قسم کا موجودہ نظام ختم ہو گا فرمایا:

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (ابراہیم)

جس دن بدل دی جائے گی اس زمین سے اور زمین اور آسمان اور لوگ اکیلے خدائے زبردست کے سامنے نکل کھڑے ہوں گے۔

دوسری پیدائش

صف دنیا لپٹ جانے کے بعد کائنات ہمیشہ کے لیے معدوم ہو کر نہیں رہ جائے گی ایک نیا عالم وجود میں آئے گا خداوند تعالیٰ کے لیے یہ کچھ مشکل نہیں وہ اس پر قادر ہے وہ اگر ایک دفعہ پیدا کر سکتا ہے تو دوبارہ اس کے لیے کیا محال ہے کسی شئی کی از سر نو تخلیق واقعی آسان نہیں لیکن اس نے وجود کو بعد از عدم پیدا کر کے دکھلا دیا ہے پھر اس کے لیے اعادہ و تجدید کیا مشکل ہے فرمایا۔ كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى (طٰہٰ)

اسی (زمین) سے ہم نے تمہیں پیدا کیا اور اسی میں تمہیں لوٹائیں گے اور اسی سے تمہیں دوبارہ نکالیں گے۔

اہل کفر کو خدا کی اس قدرت پر شبہ تھا وہ اس بات کو خلاف عقل جانتے تھے کہ یہ عالم فنا ہو کر دوبارہ وجود میں آئے گا۔ ءَاِذَا کُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ کیا جب ہو جائیں گے ہم ہڈیاں اور بوسیدہ پھر ہم نئی پیدائش میں ہوں گے؟ خداوند تعالیٰ نے ان کا شبہ یوں دور فرمایا۔ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ وَعِنْدَنَا كِتَابٌ حَفِيْظٌ" (ق) "ہمیں معلوم ہے جتنا گھٹاتی ہے زمین ان سے (یعنی موت کے بعد) اور ہمارے پاس لکھا محفوظ ہے۔" بے شک ایک چیز فنا کے گھاٹ اتر کر ہماری نظروں سے غائب ہو جاتی ہے موجود بھی ہو تو بھی اسے بوسیدگی سے تر و تازگی کی طرف لوٹانا ہمارے بس سے باہر ہوتا ہے مگر وہ علام الغیوب جو کائنات کے ذرہ ذرہ سے واقف ہے، قادر ہے کہ اسے پہلے ایسی شکل میں لے آئے۔ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ (قیامۃ) کیا آدمی سمجھتا ہے ہم اس کی ہڈیاں جمع نہ کریں گے ہم تو اس کی پوریاں درست کرنے پر بھی قادر ہیں۔

پھر فرمایا زمین کے وارث صالح لوگ ہوں گے" الارض"

صالح کون ہیں

سے مراد اگر جنت لی جائے تو معنی ظاہر ہے ارض جنت میں صرف نیک لوگ ہی جگہ پا سکیں گے اگر یہ دنیوی زمین مراد ہے تو پھر لفظ صالح پر غور کرنا ہوگا اس صورت میں صالحون سے مراد اہل صلاحیت لوگ ہیں ہر کام کے لیے الگ الگ صلاحیت کی ضرورت ہوتی ہے تمام کاروباری اپنے پیشہ کے مطابق مخصوص صلاحیتوں کے مالک ہوتے ہیں ایک آدمی اپنے کام میں مہارت تامہ رکھتا ہے لیکن دوسرے کام میں بالکل نا اہل ثابت ہوتا ہے تجارت و صنعت کے لیے الگ صلاحیتیں ہوتی ہیں۔ زمینداری کچھ اور قسم کی صلاحیتیں چاہتی ہے علماء کے لیے ان کی حیثیت کے موافق اور صلاحیتیں درکار ہیں گھریلو معاملات بھی صلاحیت کے بغیر نہیں سلجھتے جن گھروں کی فضا ہم مکدر دیکھتے ہیں اس کی وجہ سراسر یہی ہوتی ہے کہ واسطہ ایسی ذات سے پڑ جاتا ہے جو مناسب صلاحیت سے تہی دامن ہوتی ہیں۔ اسی طرح حکومت و اقتدار کے لیے بھی عظیم صلاحیتوں کا حامل ہونا پڑتا ہے برے اور نا اہل افراد بھی اکثر برسر اقتدار آ جاتے ہیں لیکن

ان کی حکومت ایک محدود رقبہ اور محدود زمانہ کے لیے ہوتی ہے اسے قرار اور پائیداری نصیب نہیں ہوتی اچھے اور باخدا لوگ اگر حکومت بنانے میں کامیاب ہو جائیں بشرطیکہ وہ انسانی حقوق کا تحفظ کر سکیں عدل وانصاف کے تقاضوں کو بروئے کار لائیں ضروریات زندگی کو ارزاں کر دیں اور پبلک کے لیے سہولتیں بہم پہنچائیں تو یہ چیزیں ان کے دورِ حکومت کے لیے گارنٹی کی حیثیت رکھتی ہیں ایسے حکام ہی صحیح معنوں میں صالح کہلانے کے حقدار ہوتے ہیں یہ لوگ آخرت میں بھی بہترین متصور ہوں گے۔ الناس معادن کمعادن الفضة خیارھم فی الدنیا خیارھم فی الآخرة (حدیث) لوگ گویا چاندی کی کانیں ہیں جو دنیا میں اچھے ہیں وہ آخرت میں بھی اچھے ہوں گے۔

وراثت ارضی کے لیے اہلیت کو بڑا دخل ہے اس باب میں کفر اور اسلام کی تمیز نہیں یعنی مسلمان اگر صفات حکمرانی سے عاری ہو جائیں تو ان کا خالی اسلام اس سلسلہ میں کسی کام نہیں آتا۔ غیر مسلم ان سے آراستہ ہو تو اسے نام وری حاصل ہو جاتی ہے۔ نوشیرواں غیر مسلم تھا لیکن اپنے بیگانے سب اب تک اسے عادل کے پیارے لقب سے یاد کرتے ہیں۔

صدیق اکبرؓ بنو تیم سے تھے آپ کا خاندان ہاشمیوں سے برابری کا دعویٰ نہیں رکھتا تھا تاہم انہیں خلافت سونپی گئی اور خواہش کے خلاف سونپی گئی۔ آپ نے کہا بھی "مجھے خلافت کی ضرورت نہیں" جواب دیا گیا "آپ کو ضرورت نہیں لیکن ملت کو آپ کی ضرورت ہے" کیوں ـــــ ؟ اس لیے کہ قدرت نے آپ کے وجود میں لاجواب صلاحیتیں سمو دی تھیں نیک اور بھی تھے صلحاء کی کمی نہ تھی لیکن صدیق کے رتبہ پر پہنچا ہوا کوئی نہ تھا نماز روزہ دیگر عبادات کی حیثیت مسلم ہے لیکن جہاں بانی کے لیے بہت سی خاص صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ بہت بڑا دل بھی ہونا چاہیے ایک دفعہ حضرت عمرؓ خطبہ دے رہے تھے ایک بدوی بولا "اتق اللہ" کیا تجھے خدا کا خوف نہیں ؟ ایک آدمی فوراً کہنے لگا "اے امیر المؤمنین سے مخاطب ہونے کا یہ کون سا طریقہ ہے ؟

قربان جائیں اس پرجلال رجل عظیم کی بردباری اور انصاف پسندی کے فرمایا، "اسے رہنے دو۔ جب تک اس جیسے دلوانے موجود ہیں عدل کا قیام بھی اسی وقت تک ہے"

فتح شام کے بعد یزیدؓ بن ابی سفیانؓ وہاں کے پہلے گورنر مقرر ہوئے ان کی وفات کے بعد حضرت معاویہؓ جانشین ہوئے۔ پھر وہی مسند آرائے خلافت ہو گئے اور اس طرح حکومت بنوامیہ کے قبضہ میں چلی گئی بعض مفسرین نے یرثھا عبادی الصالحون کا اشارہ اسی طرف قرار دیا ہے۔ نیکی، پارسائی اور خاندانی وجاہت کے لحاظ سے بلا شبہ حضرت علیؓ اور ان کی اولاد سے انہیں کوئی نسبت نہ تھی لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ سطوت و اقتدار کے لیے اس دنیا میں معیار ہی کچھ اور ہے نیک آدمی خدا تعالیٰ سے اپنی نیکی کا اجر ضرور پائے گا دنیا میں ترجیحی سلوک یا حکومت اس کا معاوضہ نہیں بن سکتی حکومت کے لئے اور ہی صلاحیتیں ہوتی ہیں۔ حضرت ابوذر غفاریؓ حد درجہ کے متقی اور پرہیزگار تھے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ابو ذر! اگر تمہیں دو آدمیوں کی امارت بھی سپرد کی جائے تو کبھی قبول نہ کرنا۔

ممالک اسلامی میں بے چینی کے اسباب

آج اسلامی ممالک میں رعایا حکام سے مطمئن نہیں مشرق وسطیٰ میں ایک بے چینی پھیلی ہوئی ہے آئے دن انقلابات آتے رہتے ہیں جس کا سبب یہی ہے کہ حکومتوں کی باگ ڈور نا اہل ہاتھوں میں ہے وہ اپنی اغراض کے پیچھے پڑے ہوتے ہیں انہیں عدل و انصاف اور اہل ملک کی فلاح و بہبود کا احساس نہیں۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنی خلافت کے خطبہ افتتاحیہ میں جو الفاظ فرمائے تھے وہی حکمرانی کے اصول ہونے چاہئیں۔ ایک فقرہ یہ ہے۔

والضعیف فیکم قوی عندی حتی آخذ له حقه والقوی ضعیف عندی حتی اخذ الحق منه انشاء اللہ

تم میں جو ضعیف اور کمزور ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے جب تک کہ میں اس کا حق نہ دلا دوں اور تم میں جو طاقت ور ہے وہ میرے نزدیک کمزور ہے جب تک کہ میں اس سے حق نہ لے لوں۔ ان شاء اللہ

فاروق اعظم کو عوام کا اتنا خیال تھا کہ زمانہ قحط میں انہیں بھوکا دیکھ کر کانپ کانپ جاتے تھے آپ اپنی حدود سلطنت میں بسنے والے جانوروں کے حقوق بھی اپنے اوپر

واجب سمجھتے تھے یہ ذمہ داری کا احساس تھا ـــــ جس حکومت میں یہ احساس نہیں پایا جاتا اس کی قسمت میں پائیداری کیوں کر ہو ؟

انقلاب کیا ہے ؟

اس کا یہ مطلب نہیں کہ فقط حکام کو مطعون اور قصوروار قرار دے کر اپنے متعلق اطمینان حاصل کر لیا جائے اور بغاوت یا سیاسی چالبازیوں کے ذریعہ ملک میں انقلاب بپا کرایا جائے ......
دوبارہ جو برسرِ اقتدار آتے ہیں وہ اپنے پیشروؤں سے بہتر نہیں ہوتے اس سے ملک کو سوائے بدامنی اور خلفشار کے کچھ فائدہ نہیں پہنچا اصل انقلاب "تبدیلی حالت افراد" ہے۔
ہمیں چاہیے کہ اپنے آپ میں انقلاب لانے کی کوشش کریں ـــــ ہماری اخلاقی حالت نہایت ابتر ہو چکی ہے ہم نے کبھی کسی کا بھلا نہیں سوچا کسی کے لیے خیر خواہی کی تو ہم سے امید تک نہیں کی جا سکتی جو لوگ بڑی آسانی سے اپنی حکومتوں کا شکوہ کر لیتے ہیں مادی نقطۂ نظر سے بے شک اس کی معقول وجوہ ہوں گی لیکن معلوم ہونا چاہیے کہ پیش آمدہ مصیبت کے پیچھے کچھ روحانی اسباب بھی ہوا کرتے ہیں سوال یہ ہے ہم نے اپنا کردار کہاں تک سنوارا ہے ذرا اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں۔ کیا ہم اس لائق ہیں کہ ہمیں صالح کہا جا سکے ؟ ان حالات میں صالح حکومت کی خواہش کیا ہمارے حسب حال ہے؟
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

كما تكونوا يسلط عليكم جیسے تم خود ہو گے ایسے ہی حکمران تمہارے اوپر مسلط کئے جائیں گے۔

علماء سوچیں وہ کیا کر رہے ہیں ؟ کاروباری حضرات بھی غور کریں انہوں نے آزادی کے بعد کیا لوٹ کھسوٹ مچائی ہے ؟ سیاسی پارٹیاں بھی جو ہر وقت انقلاب کے لیے چشم براہ رہتی ہیں اپنے ماضی کے آئینے میں جھانک کر دیکھیں وہ اپنی تحریکوں میں کہاں تک صادق اور مخلص ہیں ؟ جس کسی کو موقع ملا اس نے وقت سے ناجائز فائدہ اٹھانے میں کبھی کوتاہی نہیں کی ۔

یقین جانیے ! صحیح معنوں میں انقلاب اسی وقت آئے گا جب ہم خود کو

بدل دیں گے اس بگڑے ہوئے دور میں ایک صالح کے لیے گنجائش ہی نہیں کہ وہ آگے بڑھ کر قوم کی کمان سنبھال سکے اگر ہمارا دل نیکی کی جانب راغب ہو۔ حیا ہمارا جزو ایمان بنے اور ہر مقام پر بالخصوص اپنے نمائندے منتخب کرتے وقت دیانت و انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیں تو پھر اچھی حکومت کی توقع بے جا نہیں ہے تب خدا کا یہ وعدہ پورا ہوتا ہے ـــــ اِنَّ الْاَرْضَ یَرِثُھَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ۔

خدا ہمیں نیکی کی توفیق دے۔ آمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ جمعہ ـــــ ۱۹ اپریل ۱۹۶۳ء ـــــ مرتب: حافظ محمد قاسم صاحب خواجہ

① عبادت کی حقیقت

② رحمۃ للعلمین کا مفہوم

اِنَّ فِیْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ وَ مَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ (الانبیاء آیت ۱۰۶، ۱۰۷)

بے شک اس (قرآن) میں مطلب کو پہنچا دینا ہے عبادت کرنے والی قوم کے لیے اور نہیں بھیجا ہم نے تجھے مگر رحمت واسطے جہانوں کے۔

انبیاء نے اپنی قوموں کو جو پیغام حق دیا پھر ان قوموں کی طرف سے اس کا جو ردعمل ہوا انہوں نے راہ حق میں جو رکاوٹیں کھڑی کیں جو اعتراضات اور شبہے پیش کئے ان سب کا تفصیلی جائزہ لیتے ہوئے اللہ نے ان کے شکوک وشبہات دور کئے تو فرمایا:

اِنَّ فِیْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ

بلاغ دو معنوں میں مستعمل ہے اول بغیہ بمعنی مقصود۔ مقصد سے خالی تو کوئی کام نہیں ہوتا لیکن یہ ضروری نہیں کہ انسان تہ دل سے اسے چاہتا بھی ہو بغیہ میں یہ پابندی ہے کہ انسان دل وجان سے حصول مقصد کا متمنی ہو۔ دوسرے معنی کفایۃ کے ہیں یعنی ایک دعوت کو قبول کرنے کی جو شرائط ہو سکتی ہیں یا ہدایت پانے کے لیے جن آیات بینات کی ضرورت ہو سکتی ہے وہ اس میں کافی وشافی موجود ہیں معنی جو بھی لیجئے بات ایک ہی بنتی ہے۔ جو شخص مقصد کو پالے وہ اس کے لیے کافی ہو جاتا ہے اور کفایت تبھی ہوتی ہے جب مطلوب تک رسائی ہو جائے۔

لِقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ۔ عبادت کیا ہے؟ خدا کو راضی کرنے کے سلسلہ میں جو کام کیا

جائے عبادت کہلاتا ہے اس کے مختلف طریقے ہیں نماز ان میں نسبتاً زیادہ اہم ہے کیونکہ اس میں تلاوت قرآن بھی ہے، ادعیہ بھی ہیں وظائف بھی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اور ان کے فضائل بھی ہیں اور ان کے علاوہ یہ متعدد فوائد اور خوبیوں کی جامع ہے ـــــ لیکن عبادت میں بنیادی چیز انقیاد و تذلل ہے آدمی اعتراف عجز کرتے ہوئے مولا کے حضور ایسا جھکے کہ اس کے نہاں خانۂ قلب سے یہ بات نکلے ـــــ یا اللہ میں کچھ نہیں تیری ذات والا تبار کے بالمقابل میری حقیقت ذرہ بے مقدار سے بھی فروتر ہے یہی عبادت کی روح ہے جس عبادت میں یہ روح جاری وساری نہیں وہ بے جان ہے۔ عبادت کے لیے مومن کا دل چاہیے ایک دل میں ایمان اور کبر جمع نہیں ہوسکتے۔ قرآن سے فائدہ صرف خدا کے عابد بندے اٹھاتے ہیں اصحاب کبر کو اس سے کچھ حاصل نہیں ہوتا جیسے فرمایا هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ یہ کتاب پرہیزگاروں کے لیے ذریعہ ہدایت ہے یعنی جو دور اندیشی سے کام لیتے ہوئے اپنی زندگی سنوار لیتے ہیں قرآن مجید ویسے تو سب کے لیے رہنمائی کا سرچشمہ ہے متقین کے ساتھ مخصوص اس لیے کیا ہے کہ عملاً فائدہ انہی کو پہنچتا ہے اور وہی اس لائق ہوتے ہیں کہ اس سے متمتع ہوسکیں اس طرح ایک عام مریض کے لیے تو دوا مفید ہے۔ لیکن قریب المرگ یا مُردہ شخص کے لیے اس میں کوئی شفا نہیں ہے دوا میں نقص نہیں ہوتا لیکن استعمال کرنے والے کی نبض بھی دیکھنا پڑتی ہے قرآن کے مفید ہونے میں شک نہیں مگر کبر نفس کی وجہ سے صداقت کی تلاش مفقود اور حق کی آرزو جب مرچکی ہو تو موت کا علاج کس کے پاس ہے؟

جو لوگ دربار الٰہی میں ذلیل ہوکر گر پڑتے ہیں ان کا مقام بڑا اونچا ہوتا ہے یہ کتنا عجیب تضاد ہے جو خدا کے سامنے جس قدر ذلیل اور ہیچ ہو اس کی شان اتنی ہی بلند اور باوقار ہوجاتی ہے۔ اپنے مالک کے قدموں میں جھکنا طعنہ کی بات نہیں ہماری حیثیت اس کے سامنے ہے کیا؟

يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ۝

اے لوگو! تم اللہ کی طرف محتاج ہو اور اللہ بے نیاز تعریف کیا گیا ہے۔

ابوبکرؓ، عمر فاروقؓ، عثمان غنیؓ، علی مرتضیٰؓ و دیگر اصحاب کبارؓ نے مقامات بلند یہیں سے پائے کل انبیاء بھی خدا کے عاجز بندے تھے اور اسی وصف کی بدولت خدا نے انہیں کتنا مرتبہ عطا کیا۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ (البقرہ)

یہ پیغمبر ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی بعض سے خدا نے باتیں کیں اور بعض کے درجات بلند کئے۔

عبادت کے لیے عجز کے علاوہ دوسری لازمی چیز محبت ہے عجز اور محبت کا اجتماع بظاہر عجیب معلوم ہوتا ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک شخص جس کے سامنے ذلیل ہو اس سے محبت بھی کرے لیکن فی الواقع ایسا ہی ہے اولاد ماں باپ کے ساتھ شاگرد اساتذہ کے ساتھ معتقدین مرشدوں کے ساتھ اور عوام اپنے رہنماؤں کے ساتھ کبھی برابری کا دعویٰ نہیں کرتے کسی مجبوری اور ڈر کے بغیر ان کا بہت زیادہ احترام کرتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ ان سے ان کی محبت کا یہ عالم ہوتا ہے کہ وہ ان کے خلاف کوئی بات بھی سن نہیں سکتے۔

ذلت و محبت جب انتہا کو پہنچ جائیں تو وہ عبادت ہوتی ہے جب ہم خدا کی عبادت کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے "خدایا! ہم تیرے حقیر بندے ہیں اور ہم تجھے بے انتہا چاہتے ہیں" —— اگر یہ کیفیت طاری نہیں ہوتی تو عبادت بے روح ہے ہمیں اپنی عبادتوں پر ایک نگاہ ڈالنا چاہیے کہ ہم ان میں کہاں تک ذلت و محبت کو شامل کر سکتے ہیں کہیں یہ فقط محنت تو نہیں یا اس میں قبولیت کا بھی کچھ امکان ہے یہ نماز جو ہم پڑھتے ہیں دو منٹ میں چار رکعتیں میں نہیں سمجھتا اس جلد بازی میں ذلت و محبت کی کتنی مقدار پائی جاتی ہوگی؟ یہ عبادت نہیں عبادت کا مذاق اڑانا ہے۔

اس کے بعد فرمایا —— وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے ہمیں عبادت کا مفہوم بتایا خالق و مخلوق کی پہچان کرائی اور آقا و بندہ کی نسبت واضح کی آپ کائنات کے لیے مجسمہ رحمت ہیں خاص طور

پر دو لحاظ سے تو آپ کا وجود نہایت ہی رحمت و کرم کا باعث ہوتا ہے۔ ایک اس لئے کہ آپ ایسی کتاب دے کر مبعوث کئے گئے جو پوری دنیا کے لیے باعث ہدایت ہے اس میں لاریب۔ پھر ایک کے لیے فلاح کا سامان موجود ہے یہ الگ بات ہے کہ اس سے استفادہ صرف متقی لوگ ہی کرتے ہیں اگر مُردہ ذہن اس سے متاثر نہیں ہوتے تو اس سے قرآن کی جامعیت اور حقانیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا بصیرت سے محروم آنکھیں اگر آفتاب عالم تاب کو نہ پاسکیں تو اس میں آفتاب کا کیا قصور۔ اشیاء اپنا اثر رکھتی ہیں لیکن اس اثر کو قبول کرنے کے لیے قوت انفعالیہ کا درست ہونا بھی ضروری ہے صفراوی بیماری سے اگر منہ کا مزا تلخ ہو جائے تو شہد کی مٹھاس سے انکار نہیں ہو سکتا۔ قرآن قرآن ہی ہے ـــــ ذہن ہی اگر ابو جہل وابولہب و عبداللہ بن ابی سا ہو تو وہ کیا کرے، بارش خدا کی رحمت ہے لیکن ہموار اور ستھری زمین کے لیے، گڑھوں میں کچھ نہیں اگتا لیکن ان میں پڑا ہوا پانی کا ذخیرہ بھی کسی کام آ جاتا ہے خدا کی مخلوق اسے پی ہی لیتی ہے لیکن شور والی زمین بے کار محض ہے اس میں قطرات بارش سے اثر پذیر ہونے کی مطلق اہمیت نہیں باعمل علماء جو خود بھی نیکی کرتے ہیں اور نیکی پھیلاتے بھی ہیں وہ صحیح معنوں میں قرآن سے مستفید ہوتے ہیں اور انہی کے لیے پیغمبر کا وجود اصل رحمت ہوتا ہے یوں تو میرے جیسے واعظ بے عمل سے بھی کچھ فائدہ پہنچ ہی جاتا ہو گا عین ممکن ہے کوئی کلمہ خیر کسی کے کان میں پڑ جائے لیکن جو ذہن اپاہج اور معطل ہو جاتے ہیں ان میں کسی بات کا اثر و نفوذ نہیں ہوتا۔ کہتے ہیں واعظ کے وعظ میں وہ بات نہیں رہی، بے شک واعظ کے وعظ میں وہ بات نہ سہی مگر یہ بھی تو دیکھنا چاہیئے کہ ہمارے دل و دماغ ہی تو بنجر نہیں ہو چکے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وعظ میں کم تاثیر تھی لیکن مخاطب ہی ابوجہل جیسے لوگ ہوں تو وہاں کلام الٰہی اپنا اعجاز کیونکر دکھائے!؟

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم ـ ـ ـ ـ ـ ـ اس لحاظ سے بھی رحمت ہیں کہ آپ کی آمد کے بعد خدا نے اپنی مخلوق کو عذاب دینے کے معاملہ میں بڑی تخفیف کر دی ہے آپ کی حیات مبارکہ میں کفار نے بطور چیلنج خود عذاب طلب کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ (انفال)

جب تک آپ ان میں تھے خدا انہیں عذاب نہ کرتا اگر وہ بخشش مانگتے تو بھی خدا عذاب نہ دیتا۔

استغفار کو بھی دراصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا امت پر ایک احسان سمجھنا چاہیے وہی ہمیں اس کا سبق دینے والے ہیں۔ پھر پہلے جو عذاب آتے تھے تو پوری قوم کو صفحہ ہستی سے مٹا دیتے تھے۔ ان کا نام ونشان تک نہ رہنے دیا جاتا اب بھی عذاب آ جاتے ہیں لیکن عذاب مستاجل یا عذاب مقیم کی صورت نہیں یہ سب رحمۃ للعلمین کا اثر ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کتنے مشفق و مہربان تھے۔ اس کا ہلکا سا اندازہ آپ کی ایک دعا سے ہوتا ہے فرمایا۔ یا اللہ میں نے جن کے حق میں لعنت کی ہے اسے رحمت سے بدل دے —— انما انا بشر اغضب ۔ سے واضح ہے کہ اس سے مراد ذاتی غصہ کی بناء پر کی گئی لعنت ہے مذہب کی رُو نہیں۔

جیسے آپ نے حلالہ کرنے اور کرانے والے پر لعنت کرتے ہوئے فرمایا "لعن اللّٰہ المحلل والمحلل لہ" کہ اس میں زنا کو نکاح کا نام دے کر جائز سمجھ لیا جاتا ہے۔

یا جس طرح اہل کتاب پر لعنت فرمائی۔ لعن اللّٰہ الیہود والنصارٰی اتخذوا قبور انبیاءھم مساجد یہود و نصارٰی پر خدا کی لعنت انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا۔

یہ لعنتیں واپس ہونے کی نہیں یہ گناہ کی باتیں ہیں وہ اور ہی لوگ ہوتے ہیں جنہیں گناہ کے ذریعے خوش کیا جاتا ہے خدا اور اس کے پیغمبر کو راضی کرنا ہو تو نیک اعمال یا گناہوں سے استغفار کی ضرورت ہے اسی سے ہمارے اندر رحمت کا استحقاق پیدا ہوتا ہے۔

خدا ہمیں نیکی کی توفیق دے —— آمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ جمعہ ـــ ۲۶ اپریل ۱۹۶۲ء ـــ مرتب: محمد یوسف صاحب خواجہ

شرک بغاوت ہے

قُلْ اِنَّمَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰـھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ فَھَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝
فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُکُمْ عَلٰی سَوَآءٍ ط وَاِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ
اَمْ بَعِیْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ۝ اِنَّهٗ یَعْلَمُ الْجَھْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَ
یَعْلَمُ مَا تَکْتُمُوْنَ ۝ وَاِنْ اَدْرِیْ لَعَلَّهٗ فِتْنَۃٌ لَّکُمْ وَ
مَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ ۝ قٰلَ رَبِّ احْکُمْ بِالْحَقِّ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ
الْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ ۝ (انبیاء ۱۰۸ تا ۱۱۲)

(اے پیغمبر) کہہ دو مجھے تو یہی وحی کی جاتی ہے کہ معبود تمہارا معبود ایک ہی ہے پس کیا ہو تم ماننے والے؟ پس اگر یہ منہ پھیریں تو کہہ دیجئے میں نے تمہیں یکساں طور پر خبردار کیا اور میں نہیں جانتا جس کا تم وعدہ دیئے جاتے ہو نزدیک ہے یا دور۔ البتہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کھلی بات کو اور جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور میں نہیں جانتا ممکن ہے یہ تمہاری آزمائش ہو اور ایک مقررہ وقت تک فائدہ ہو۔ نبیؐ نے کہا اے میرے رب! انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا ہمارا رب بڑا مہربان ہے جس سے مدد طلب کی جاتی ہے ان باتوں میں جو تم بیان کرتے ہو۔

عقیدہ اور عمل میں ناموافقت

یہ سورۂ انبیاء کی آخری آیتیں ہیں ان میں ایک دفعہ پھر اس پیغام توحید کو دہرایا گیا ہے جو سورۃ کا اصل مضمون ہے بیشتر ازیں رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو رحمۃ للعلمین کے خطاب سے نوازا گیا ہے ان کی زبان مبارک سے ایک اِلٰہ کا نعرہ

لگوانا دلالت کرتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت عام ہونے کے باوصف محدود بھی ہو سکتی ہے یعنی آپ واقع میں انہیں کے لیے رحمت ثابت ہوتے ہیں جو خداوند کو شرک کی آلائشوں سے منزہ تسلیم کر لیتے ہیں ایک آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیسے ہی اچھے خیالات رکھے آپ کو افضل الرسل، شافع محشر اور رحمت عالم مانے لیکن اپنا عمل پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی منشا کے مطابق نہیں کر سکا وہ اللہ سے منہ موڑ کر خانقاہوں، درختوں اور پتھروں میں سکون کا متلاشی ہے تو آپؐ کی رحمت اس کے کسی کام نہیں اس کی مثال ایسی ہے جس طرح پانی طاہر بھی ہے اور مطہر بھی۔ لیکن جو شخص وضو کے ساتھ پیشاب بھی کرتا جائے اس کے حق میں پانی پاکیزہ بنانے کا عمل انجام نہیں دیتا۔ مشرکین مکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان رکھتے تھے لیکن کعبۃ اللہ میں ۳۶۰ بت حضرت کے ساتھ اس وابستگی کو بے معنی بنا دیتے تھے۔

شرک بغاوت ہے

شرک معمولی جرم نہیں گناہ بڑے بڑے ہوتے ہیں لیکن شرک اکبر الکبائر ہے عام کبیرہ گناہ سیل رحمت سے بہہ سکتے ہیں شرک جرم نہیں بغاوت ہے اور بغاوت معاف نہیں ہوتی۔ ایک مشرک کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت سے کوئی واسطہ نہیں آپ اس کے کچھ نہیں ہوتے۔ وہ شخص کبھی ہمیں اپنی شفقت کا اہل نہیں سمجھتا جسے چچا کہتے ہماری زبان تھکتی ہو اور ساتھ ہی گستاخانہ اس کے چٹکیاں بھری جائیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبر ماننا اور آپ کے اصلی پیغام کو ٹھکرا کر آپؐ کی رحمت کا امیدوار ہونا کیا خوب حماقت ہے ؏

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد

ستم یہ ہے وہ پیغام توحید جو تمام انبیاء کی تبلیغ کا اصل الاصول رہا ہے اور جس کے بغیر اسلام کا تصور ہی کالعدم ہو جاتا ہے اسے اختلافی مسئلہ سمجھ لیا گیا ہے اور اسے بیان کرنا ان کے ہاں جرم گویا انہیں خدا کی توحید بھی مشکوک نظر آتی ہے قرآن نے تو کفار سے کہا تھا۔ اَفِی اللّٰہِ شَکٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ "کیا اللہ میں شبہ ہے جو بنانے والا ہے آسمانوں اور زمین کو" اور یہاں مدعیان توحید ہی کو توحید میں شک ہو گیا ہے

شرک سے بیزاری

فرمایا فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ آذَنْتُكُمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ ۔ اس آیت میں منکرین توحید کو کھری کھری سنا دی ہے لحاظ اور چشم پوشی کو روا نہیں رکھا گیا ان سے کھلا اور بے لاگ اعلان بے زاری ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں نے اپنی قوم سے کہا۔

إِنَّا بُرَءَاؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ وَحْدَهُ (ممتحنه)

ہم تم سے اور جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو بے زار ہیں ہم نے تمہارے عقائد کا انکار کیا اور ہمارے تمہارے درمیان ہمیشہ کے لیے دشمنی اور بغض ظاہر ہو گیا جب تک کہ تم ایک اللہ پر ایمان نہ لے آؤ۔

آذنتکم علی سواء سے بھی مفہوم ملتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین سے قطع تعلق پر تل گئے ہیں۔ گویا آپؐ انہیں واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ میں تمہارے مقابل ایک فریق اور دشمن ہوں۔ میری تم سے صلح نہیں، لڑائی ہے جس طرح سورہ بقرہ میں فرمایا سود لینے سے باز نہیں آؤ گے تو فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ "خبردار ہو جاؤ لڑنے کو اللہ سے اور اس کے رسولؐ سے" مصالحت کی ایک ہی صورت ممکن ہے جو پہلے پارہ میں بیان فرمائی گئی۔ فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوْا وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ "پس اگر ایمان لائیں جس طرح تم ایمان لائے ہو تو سیدھی راہ پر ہیں اور اگر منہ پھیر لیں تو بے شک وہی ضد پر ہیں" شرک کے ساتھ متعلق رہ کر حبیب پاکؐ سے محبت کا دعوی "شیخ بھی خوش رہے، شیطان بھی ناراض نہ ہو" والی بات ہے۔

دو راہیں

عَلَىٰ سَوَاءٍ سے ایک اور غلط فہمی کا ازالہ بھی ہوتا ہے بے عمل صوفیوں نے اپنے بچاؤ کے لیے اسلام کو دو حصوں میں تقسیم کر رکھا ہے ایک کا نام شریعت اور دوسرے کا نام طریقت وہ کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کئی قسم کا کلام نازل ہوا کچھ ان کے لیے مخصوص تھا، کچھ علماء کے لیے اور کچھ صوفیاء کے

لیے یہ سب چھٹی صدی ہجری کی اختراع ہے اور صرف اس لیے تاکہ کوئی ان کی بدعملی اور بدکرداری پر انگلی نہ رکھ سکے علی سوار سے اس بات کی نفی ہو جاتی ہے کہ اسلام میں ظاہریت اور باطنیت نام کی کوئی الگ الگ دو چیزیں ہوں۔ مولویوں کے لیے ظاہری احکام اور فقیروں کے لیے باطنی احکام ــــ یہ امتیاز بے عمل رہنے کا ایک بہانہ ہے اس سے انکار کی پیدا ہوتی ہے یہ لوگ اولیاء الرحمن نہیں امام ابن تیمیہؒ نے ان کو اولیاء الشیطان سے تعبیر کیا ہے۔ کہا جاتا ہے ــــ یہ ظاہری عبادتیں ظاہر پرستوں کیلئے ہیں مخصوص لوگوں کے لیے باطنی احکام ہوتے ہیں انہیں ظواہر کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ ان سے مستغنی ہوتے ہیں ان کا دل ہی عبادت میں مستغرق ہوتا ہے ــــ سوال یہ ہے ــــ امت محمدیہ میں ابوبکرؓ و عمرؓ سے بھی زیادہ کوئی خاص ہو گا ؟ وہ تو نمازوں سے بے نیاز نہ رہ سکے خود صاحب معراج صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہے وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ "اور عبادت کر اپنے رب کی، یہاں تک کہ تجھے یقین (موت) آجائے" عبادت میں کمی بیشی تو متصور ہو سکتی ہے لیکن یہ کہ ان لاڈلوں کو تکلیف عبادت سے مستثنیٰ سمجھا جائے، غلط ہے صحابہ و تابعین، سلف صالحین، ائمہ کرام اور فقرائے عظام سب خدا کے عبادت گزار بندے تھے جس دین میں نماز نہیں وہ بھی کوئی دین ہے؟ جو دین بے عملی پر آمادہ کرتا ہے اور اللہ کے حضور سربسجود ہونے کو کسرِ شان سمجھتا ہے، اللہ کا دین نہیں ابلیس لعین کا دین ہے ــــ شیعہ بھی حضرت علیؓ کو امام بھی ثابت کرنے کے لیے کچھ اس قسم کی باتیں کرتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے ان کے کان میں کوئی وصیت کی تھی جو باقی امت کے لیے نہیں حضرت عائشہؓ سے اس کی تردید ثابت ہے وہ فرماتی ہیں، میری گود میں سر مبارک رکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جان دی تھی۔ فَاِلٰی مَنْ اَوْصٰی "وصیت کس کو کی ؟" داماد کی حیثیت سے ممکن ہے آپ نے کسی وقت ان سے کچھ کہا ہو رشتہ داروں سے باتیں کی ہی جاتی ہیں لیکن ایسی بات جس کا تعلق اسلام کی تکمیل اور اس کے مقاصد سے ہو کسی کے ساتھ مختص نہیں کی جا سکتی۔

مسئلہ علم غیب

پھر فرمایا ــــ وَاِنْ اَدْرِیْ اَقَرِیْبٌ الاٰیۃ یعنی انکار توحید کی سزا تو بہرحال ہو گی لیکن یہ میں نہیں جانتا تمہارا

انجام نزدیک ہے یا دور اور یہ مہلت تمہارے حق میں بہتر ہے یا نقصان دہ۔ البتہ اتنا ضرور جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ظاہر و باطن کو خوب جانتا ہے ـــــ اپنی ذات سے دو اہم علوم کی نفی سے "مسئلہ علم غیب" کا پول کھل جاتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ما کان و ما یکون کا علم منسوب کرنے والے نہ جانے ان آیتوں کی کیا تاویل کرتے ہیں یہ مکی آیات ہیں اور ہجرت کے بعد جلد ہی ان کا یوم حساب شروع ہو جاتا ہے غزوہ بدر میں مسلمانوں نے ستر کفار کو مارا اور ستر ہی قید کر لیے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم مستقبل قریب کے متعلق کچھ ..... بھی بتانے سے اظہار عجز فرما رہے ہیں جو کچھ بذریعہ وحی معلوم ہو جائے اس سے انکار نہیں یہی تو نبوت ہے لیکن اسے غیب نہیں کہا جاتا غزوہ بدر سے ایک روز پیشتر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود پیشگوئی فرمائی کہ کل انشاء اللہ فلاں دشمن اس جگہ گرے گا اور فلاں اس جگہ اور جب جنگ شروع ہونے لگی تو آپ نے نہایت الحاح و گریہ زاری سے دعا کی یا اللہ اگر یہ چند نفوس مٹ گئے تو پھر تجھے قیامت تک نہ پوجا جائے گا عالم الغیب کی حیثیت سے جنگ کا انجام اگر روز روشن کی طرح عیاں تھا تو یہ دعا چہ معنی دارد؟ پیش آمدہ مقدمات میں بھی آپ نے ہمیشہ گواہی پر فیصلہ کیا اپنے علم غیب کو کام میں نہیں لائے اسی لیے خلاف واقعہ فیصلہ کا امکان رہتا تھا۔ حدیث ملاحظہ ہو۔

عن ام سلمۃ ان رسول صلی اللہ علیہ وسلم قال انما انا بشر وانکم تختصمون الی ولعل بعضکم ان یکون الحن بحجتہ من بعض فاقضی لہ علی نحو ما اسمع منہ فمن قضیت لہ بشئی من حق اخیہ فلا یاخذنہ فانما اقطع لہ قطعۃ من النار (بخاری مسلم)

ام سلمہ سے مروی ہے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا میں ایک آدمی ہی ہوں تم میرے پاس جھگڑتے آتے ہو اور شاید بعض تم میں سے دوسرے کی بہ نسبت اپنی دلیل کو زیادہ بیان کرنے والا ہو اور میں اس کی گفتگو سن کر اس کے حق میں فیصلہ دے دوں پس اگر میں اس کے بھائی کا حق اسے دے

دوں تو وہ اسے ہرگز نہ لے یہ گویا میں اسے آگ کا ٹکڑا کاٹ کر دیتا ہوں۔

صحیح مسلم میں روایت ہے جب آسمان ابر آلود ہوتا تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا رنگ متغیر ہو جاتا آپ کبھی اندر اور کبھی باہر تشریف لاتے حضرت عائشہ نے پوچھا یا حضرت! یہ کیا ماجرا ہے فرمایا عائشہ ڈر آتا ہے کہیں یہ اسی طرح کا بادل نہ ہو جسے قوم ہود نے اپنی طرف آتے دیکھ کر کہا تھا ـــــ "یہ ابر ہمیں سیراب کرے گا" کیا یہ غیب کی باتیں ہیں ؟ انبیاء کے پاس علم بہت ہوتا ہے لیکن خدا کی مانند انہیں عالم الغیب سمجھنا حد سے تجاوز ہے ـــــ آخر میں دعا کی رب احکم بالحق۔ پروردگار انصاف کے ساتھ فیصلہ کر فرمایا : وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ۔ یعنی تم جو کچھ غلط سلط باتیں کہتے ہو ہمارا تو بس خدا ہی ہے ہر معاملہ میں درحقیقت وہی مددگار ہوتا ہے غزوہ بدر بھی سنائے ہوئے مسلمانوں کی دعاؤں اور وعدہ الٰہی کا ایک مظہر تھا۔

واٰخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العلمین۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ جمعہ ۔۔۔۔ ۱۷ مئی ۱۹۶۳ء ۔۔۔۔ مرتب: حافظ محمد قاسم صاحب خواجہ

طریقِ بحث

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ (الحج آیت ۳)

اور بعض لوگ اللہ کے بارے میں علم کے بغیر جھگڑا کرتے ہیں اور پیروی کرتے ہیں ہر سرکش شیطان کی۔

قیامت اور اس کی دہشت کا ذکر فرما کر ذات باری تعالیٰ کو بربنائے جہالت موضوع بحث بنانے والوں کے بارے حرف شکایت ہے جدال یا اختلاف ہو جانا ایک فطرتی بات ہے انسانی طبیعت اسے پسند نہیں کرتی اس لیے اختلاف کو رفع کرنا بھی قدرتی امر ہے اختلاف دور ہو جانا حتمی نہیں کبھی ہو جاتا ہے کبھی نہیں۔ انبیاء میں اختلاف نہیں پایا جاتا۔

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ (شوریٰ)

اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے وہی دین مقرر کیا جس کا نوح کو حکم دیا اور جو ہم نے تیری طرف وحی کیا اور جس کے متعلق ہم نے ابراہیم موسیٰ اور عیسیٰ کو حکم دیا کہ دین قائم کرو اور مت پھوٹ ڈالو اس میں۔

امتیں اختلاف میں پڑ جاتی ہیں۔ یہ کمزوری ہے یہ مقام انبیاء ہی کو حاصل ہے کہ ان کی دعوت میں ہمیشہ یکسانیت پائی گئی ہے۔ توحید معاد و دیگر بنیادی مسائل میں کبھی ان میں اختلاف رائے نہیں ہوا۔ امت کے لیے اس مرتبہ تک پہنچنا مشکل ہے۔

سنجیدگی سے اختلاف بڑھنا اچھا نہیں اسے مٹانا چاہیے بحث وجدال اگر افہام وتفہیم کے لیے اور علم ودین کے ساتھ ہو تو مستحسن ہے ضد، عناد اور عصبیت کی وجہ سے ہو تو قبیح رفع اختلاف کے لیے خود انبیاء نے اپنی قوموں سے جدال کیا ہے اور نزاع کو مٹانے کی کوشش کی ہے اس باب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک بہترین مناظر کی حیثیت سے ہمارے سامنے آتے ہیں اس عظیم موحد نے قوم کو کواکب پرستی سے رد کنے کے لیے ستارہ کو دیکھ کر کتنی سنجیدگی سے کہہ دیا "ھٰذا ربی" گویا آپ تھوڑی دیر کے لیے ان کی خاطر سے ستارہ کو تسلیم کر رہے ہیں نقل کفر کفر نہ باشد کوئی طنز نہیں کی انہیں چڑا کر خواہ مخواہ جھگڑا مول نہیں لیا بعض مفسرین نے اسے استفہامیہ بھی لکھا ہے کہ "اسے میرا رب کہتے ہو؟" جب یہ ڈوب گیا تو آپ نے چوٹ کی "لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ"۔ یعنی مجھے ایسا خدا پسند نہیں ہے جو بنے اور بگڑے، چڑھے اور ڈوبے اور مرے اور جیئے۔ پھر علی ہذا القیاس آپ نے چاند اور سورج کی خدائی پر بھی حکیمانہ تبصرہ کر دیا۔

لاجواب مناظرہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب قوم سے جدا ہو کر حران پہنچے تو نمرود سے بھی ایک لاجواب مناظرہ کیا اپنے رب کی تعریف فرمائی "یحیی ویمیت" یعنی وہ زندہ کرتا اور مارتا ہے ـــــ مخاطب نیک نیت اور حق پرست ہوتا تو بحث ختم تھی۔ لیکن ہٹ اور بے وقوفی نے اسے خاموش نہ رہنے دیا۔ کہنے لگا۔ "اَنَا اُحْیٖ وَاُمِیْتُ" یعنی یہ تو میرے اختیار میں بھی ہے کہ کسی کو موت کی سزا دے دوں اور کسی مجرم کو بری کر دوں ـــــ اور جب آپ نے کہا:

فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ۔

بے شک اللہ لاتا ہے سورج کو مشرق سے پس تو لا اس کو مغرب سے

یعنی اگر تمہیں دعویٰ الوہیت ہے تو اس نظام قدرت کو ذرا بدل کے دکھا دو وہ مبہوت ہو گیا۔ کتنا معقول جدال تھا یہ۔

اختلاف کی دو قسمیں: اختلاف دو طرح کا ہے ایک اختلاف جو اساسی

اور بنیادی ہوتا ہے جیسے توحید رسالت، معاد اور سنت کا انکار یہ بے شک کفر ہے دوسرا فرعی ہے جیسا کہ ائمہ سنت میں پایا جاتا ہے یہ کفر پر منتج نہیں ہوتا اسلام کے بنیادی ارکان اور اصول کو مانتے ہوئے اگر کسی فرعی مسئلہ کو کسی مسئلہ پر ترجیح دے دی جائے تو اسے اختلاف افضلیت سے زیادہ اہمیت نہیں دینا چاہیے۔ بنیادی اختلاف میں مجادلہ جائز ہے۔ بشرطیکہ اندھا دھند نہ ہو۔ فرمایا:

وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ

ان کے ساتھ بہت اچھے طریقہ سے جدال کر۔

سینہ زوری اور تعصب بازی تو کافروں سے بھی جائز نہیں کہ ہمارا مسئلہ مانو ورنہ تمہاری خیر نہیں گفتگو بہتر، دلیل کے ساتھ ہونی چاہیے۔ یہی جدال احسن ہے۔

تقلید تقلید کے ساتھ بحث، جدال بغیر علم ہے "ہمارے ابو صاحب نے یوں فرمایا ہمارے آباؤ اجداد یوں کیا کرتے تھے"۔ یہ کوئی حجت اور قابل تعریف طریقہ بحث نہیں حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم سے کہا:

مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْ أَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ قَالُوْا وَجَدْنَا آبَاءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ۔

یہ کیا صورتیں ہیں جن کا تم اعتکاف کئے ہوئے ہو جواب دیا ہم نے اپنے باپ دادوں کو ان کی عبادت کرتے ہوئے پایا ہے۔

کتنا بودا جواب تھا یہ۔ توحید جیسے بنیادی مسئلہ میں میاں جی اور تایا جی کا حوالہ دے کر اس پیغمبر سے بحث کی جس سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں ہو سکتا۔ اور تمام ائمہ اور فقہاء کو اپنے علوم کی اسی سے سند چاہیے۔ یہ جدال حسن نہیں ہے توحید اور معاد ایسے نازک مسائل کا مختلف فیہ ہونا بڑی بات ہے۔ حمایت شرک اور انکار آخرت میں آج تک کوئی عقلی و نقلی دلیل پیش نہیں کی گئی، جیسے فرمایا:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ (حج)

بعض لوگ اللہ کے بارے بغیر علم، بغیر ہدایت اور بغیر روشن کتاب کے جھگڑا کرتے ہیں۔

اور بحث اس طرح کرتے ہیں شاید دوسروں کو بولنے کا حق ہی نہیں چوری اور سینہ زوری یہ بحث نہیں۔ آدمی مسئلہ کی نوعیت سمجھ کر تحقیق کرے اور اہل علم سے تبادلہ خیالات کرے اگر اپنے پاس اہلیت یا فرصت نہیں تو بحث کرنا بد دیانتی ہے۔ یہ علماء کا حق ہے۔ زیادہ تر کوئی مسئلہ اسی وقت الجھتا ہے جب ہر کس وناکس دخل درمعقولات کا مرتکب ہونے لگتا ہے اس میں شک نہیں بعض لوگ نیک نیتی سے بحث کرتے ہیں۔ لیکن علم کے بغیر مسئلہ کو حل کرنا ان کے بس کا روگ نہیں ہوتا اور غلط نتیجہ پر پہنچ جاتے ہیں اور وہ شخص تو کبھی اچھے الفاظ سے یاد کئے جانے کے قابل نہیں جس کے متعلق فرمایا ـــــ وَيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطَانٍ مَّرِيدٍ۔ یعنی ایک تو بغیر علم مجادلہ کرتا ہے اور دوسرے شیطان صفت لوگوں کو مرشد بنا رکھا ہے۔ امام میں خلوص نہ ہو تو مقتدی کب مخلص ہوگا۔ غلط راہنماؤں کو شیطان کا لقب اسی لیے عطا ہؤا کہ وہی پہلا مناظر تھا جس نے غلط قیاس کر کے مجادلہ کی غلط بنا ڈالی تھی۔ اور مردود ہوا۔ اپنی خواہشات سے مسائل حل کرنے والے شیطان ہیں ان کی پیروی انہی کی صف میں کھڑا کر دیتی ہے مسئلہ اہل علم و تقویٰ سے پوچھنا چاہیے وہی اس کا حق رکھتے ہیں فَاسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے پوچھو۔

علم اور جہالت

جو مسئلہ جہالت کی پیداوار ہو وہ جہالت ہی کے ماحول میں نشو ونما پا سکتا ہے علم کے سامنے نہیں ٹکتا اسے شرمندگی اٹھانا پڑتی ہے جب ابراہیم علیہ السلام نے بتوں پر ہاتھ صاف کیا تو پجاری پوچھنے لگے۔ ءَأَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِآلِهَتِنَا يَا إِبْرَاهِيْمُ اے ابراہیم کیا تو نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے ؟ فرمایا : بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَاسْئَلُوْهُمْ إِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ان کے اس بڑے نے یہ کام کیا اگر یہ بولتے ہیں تو ان سے پوچھ لو۔ یعنی جن خداؤں کو وہ پوجتے اور جن سے مدد چاہتے تھے۔ ایک "دہابی" انہیں

توڑنے کے لیے آیا اور سارے مل کر بھی اس کا بال تک بیکا نہ کر سکے۔ لاجواب ہونے کے بعد اپنی ہتھیاروں پر آئے جو ہمیشہ سے مشرکین کا طرہ امتیاز رہے ہیں۔ کہنے لگے حَرِّقُوهُ وَانْصُرُوا آلِهَتَكُمْ اسے آگ میں ڈال دو اور اپنے خداؤں کی مدد کرو۔

بے علمی اور پیروی شیطان میں کیے ہوئے مناظرہ کا آخر یہی تماشا ہوتا ہے۔

حق پرستی کی ایک مثال

اگر بے علمی کے ساتھ حق پرستی کا رجحان غالب ہو تو کبھی کبھی اچھے نتیجہ کی امید کرنی چاہیے صحیح مسلم میں روایت آئی ہے کہ عرب کا مشہور افسوں گر ضماد ازدی مکہ میں آیا اور کفار سے سنا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر جنات کا اثر ہے تو اپنی خدمات پیش کیں اور کہا میں تمہیں اپنا منتر سناتا ہوں آپ نے فرمایا پہلے تم مجھ سے کچھ سنو۔ آپ نے خطبہ مسنونہ ارشاد فرمایا اس نے دوبارہ سہ بارہ یہی کلمات سننے کی فرمائش کی۔ شاید اس کا مقصد یہ تھا بعض دفعہ ایک مخبوط الحواس آدمی بھی معقول گفتگو کر لیتا ہے لیکن وہ اس بے نظیر کلام کو مکرر سن کر بے اختیار ہو گیا اور اسلام لے آیا۔

جدال کے آداب

بحث تمحیص کرتے وقت جدال کے ان آداب کو ہرگز نہیں بھولنا چاہیے جن پر قرآن نے روشنی ڈالی ہے۔ علم، خلوص، نیک نیتی اور ذہن کی صفائی اس کی لازمی شرائط ہیں اگر ہم ان شرائط کو نباہ نہیں سکتے — تو بحث فتنہ کا دروازہ ہے اور تخریب بلا تعمیر اس سے پھوٹ پڑتی ہے اور انتشار بڑھتا ہے۔ اس سے بہتر ہے کہ لوگوں کو ان کی حالت پر رہنے دیا جائے۔ كُلٌّ يَعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ (بنی اسرائیل) یعنی ہر ایک عمل کرتا ہے اپنے طریق پر لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ" — کی یہی سٹیج ہوتی ہے انہیں منہ نہ لگایا جائے۔ خانہ جنگی کی بجائے ان سے کھل کر اعلان جنگ اور دو ٹوک فیصلہ ہو۔ اہل مکہ کے ساتھ تیرہ سال کے طویل عرصہ میں جو مسئلہ حل نہ ہو سکا تھا ہجرت کے بعد کھلے مقابلہ میں آٹھ سال میں فیصلہ ہو گیا اور فضا صاف ہو گئی۔

ہم مسلمان: شرک کی بیماری بہت سے مسلمانوں میں بھی پھیلی ہوئی ہے وہ شرک

کرتے ہیں لیکن بے چاروں کو سمجھانے والا ہی کوئی نہیں۔ نہ جانے ان کے دماغوں میں کیا بھر دیا جاتا ہے کہ وہ صحیح رہنمائی کے مواقع کھو دیتے ہیں اور وہ بدنیت علماء سوء جن کا علم بے علمی سے بدتر کہنا چاہیے جو مسائل کو اپنی مرضی کے مطابق حل کرنے کے عادی ہیں اور جنہوں نے عوام کو بھیڑ اور بکریاں سمجھ رکھا ہے قطعاً حوصلہ افزائی کے قابل نہیں یہ لوگ خدا اور رسول کا نام لے کر شیطانیت کا پرچار کرتے ہیں ان سے محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ جمعہ ـــــ ۷ر جون ۱۹۶۳ء ـــــ مرتب: حافظ محمد قاسم صاحب خواجہ

قیامت کی دلیل

انسانی پیدائش کے مختلف مراحل

یَا أَیُّهَا النَّاسُ إِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن تُرَابٍ ثُمَّ مِن نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِن مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ وَنُقِرُّ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشُدَّكُمْ وَمِنكُم مَّن يُتَوَفَّىٰ وَمِنكُم مَّن يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِن بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا (حج آیت ۵)

اے لوگو! اگر تمہیں مرنے کے بعد جی اٹھنے میں شک ہے تو سوچو ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے پھر خون بستہ سے، پھر گوشت کے لوتھڑے سے جو صورت دیا گیا تھا اور بے نقشہ تھا یہ ہم تم پر ظاہر کرتے ہیں اور ہم جسے چاہیں ایک ٹھہرائے ہوئے وقت تک رحم مادر میں رکھتے ہیں پھر تمہیں بچپن کی حالت میں دنیا میں لاتے ہیں پھر تاکہ اپنی پوری جوانی کو پہنچو اور تم میں سے بعض فوت کرائے جاتے ہیں اور بعض کو ناکارہ عمر کی طرف لوٹایا جاتا ہے تاکہ وہ باخبر ہونے کے بعد کسی چیز کی خبر نہ رکھے۔

قیامت پر ایسی دلیل دی ہے جو ہر ذی روح کے تجربہ میں آتی ہے اپنی پیدائش پر غور کرنے کو کہا گیا ہے ہم طوراً بعد طور کئی تطورات اور مختلف مراحل حیات سے گذر کر موجودہ ہیئت اختیار کرتے ہیں۔ عمر وفا کرے تو ابھی کئی منزلیں باقی ہوتی ہیں یہ سب جسمانی تغیرات ہیں۔ قیامت بھی ایک تبدیلی اور تغیر ہی کا نام ہے اس پر خدا کیوں نہ قادر ہو؟ پھر یہ ہر

نیا انقلاب حالت گزشتہ کے لیے ناسخ ثابت ہوتا ہے اگر خداوند عالم اس کائنات کو فنا کر کے ایک نیا جہان بسا دے تو اس میں حیرت کی کیا بات ہے!

اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ تُرَابٍ تخلیق اول اور ابتدائے آفرینش کی طرف اشارہ ہے حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا گیا تھا وہ ہمارے باپ تھے ان کی پیدائش گویا ہماری اساسی پیدائش ہوئی سورۂ حجر میں فرمایا وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ (بے شک ہم نے انسان کو خشک مٹی سے پیدا کیا جو کہ سڑے ہوئے گارے سے تھی) انسانی وجود میں بے شک مٹی کے علاوہ دیگر عناصر بھی شامل ہیں۔ اہل یونان عناصر اربعہ یعنی آگ مٹی، ہوا اور پانی کے قائل تھے موجودہ تحقیقات کے مطابق ہمارا وجود ساٹھ یا ستر اجزار سے مرکب ہے تاہم مٹی کا عنصر غالب ہے ابلیس کے سجدہ نہ کرنے کا باعث یہی تھا۔ اس نے غالب مٹی کو خالص مٹی سمجھا حالانکہ مٹی کا عنصر اس میں بھی موجود ہے لیکن مغلوب۔ اس میں آگ کا جزو غالب ہے انسان کو مٹی سے بنا کر اللہ تعالیٰ نے بہت بڑا احسان کیا ہے ٹھنڈک اور سنجیدگی مٹی کی خصوصیات ہیں۔ یہی صفات انسان میں بھی قابل ستائش ہیں۔ ٹھنڈا دماغ اور سنجیدہ ذہن تدبر کی علامت ہے صحیح الفطرت شخص ہمیشہ سوچ کر قدم اٹھاتا ہے اور کام بہتر طور پر انجام دیتا ہے جلد بازی اور اشتعال میں کئے ہوئے کام خسارے کا سودا ہوتے ہیں نبی علیہ الصلوۃ والسلام پر سنجیدگی غالب تھی۔ آپ نے حکمت وتدبر کے دامن کو کبھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا تھا۔ اسی لیے کسی فیصلہ کے بعد آپ کو پچھتانے اور افسوس کرنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ تیزی طبع قلت شعور کی علامت ہے آدمی کے مغلوب الغضب ہونے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اس پر آگ کا عنصر غالب ہو جاتا ہے اور وہ بآسانی شیطان کا کھلونا بن جاتا ہے اور ایسی حرکات کر بیٹھتا ہے جو انسانی اخلاق کے منافی ہوں حواس جواب دے دیتے ہیں کوئی معقول بات اسے متاثر کر سکے اس کا امکان بہت کم ہوتا ہے فرمایا اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّهٰی (بے شک اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کے لیے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا تھی۔ اَللّٰهُمَّ اَحْسِنْ خُلُقِیْ کَمَا اَحْسَنْتَ خَلْقِیْ (خدایا صورت کی طرح میری سیرت بھی اچھی بنا دے)

ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ـــ بمعنی قلیل چیز۔ رات ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی تھی، کو عرب کہتے ہیں لیلۃ ناطفۃ بدبودار پانی کا یہ قطرہ انسان کا بیج ہے اس میں کئی جراثیم ہوتے ہیں۔ ایک جرثومہ سے چھ فٹ جوان تیار ہوتا ہے یہ خدا کی قدرت ہے۔ ننھی سی گٹھلی میں آسمان سے باتیں کرنے والا کھجور کا درخت سمایا ہوتا ہے انگور کی وسیع وعریض بیل ایک دانہ سے نکلی ہوتی ہے۔ پیپل کے تنا در درخت کا مخرج بھی ایک پھل ہوتا ہے جس میں کئی بیج ہوتے ہیں اور ہر بیج خدا کی مدد سے بہت بڑا درخت پیدا کرنے کی اہلیت رکھتا ہے فرمایئے دنیا کے بیج سے آخرت کا پودا کیوں نہ تیار ہوگا؟ لفظ نطفہ سے ہمیں اپنی حقیقت واصلیت بھی معلوم ہو جاتی ہے۔ انسان کیا ہے؟ متعفن پانی کا ایک غلیظ اور ناقابل دید کیڑا جس نے رحم کی گندگیوں میں پرورش پائی کوئی عقل مند ہو تو اس تصور سے غرور کی موت ہو جانا چاہیے۔

ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ وہ نطفہ اب گاڑھے خون کی شکل میں تبدیل ہو جاتا ہے انسانی اختیارات کا یہاں کوئی کام نہیں قدرت کے مخفی ہاتھ سبھی کچھ کر رہے ہیں تبارک تعالیٰ احسن الخالقین خدا کے سوا کوئی خالق نہیں اس کارخانہ قدرت میں کسی پیغمبر کو دخل ہے نہ کسی ولی کو۔ وہ خود اپنی خلقت میں خدا کے محتاج ہیں خدا چاہے تو کافروں اور دھریوں کو اولاد بخش دے نہ چاہے تو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اولاد نرینہ سے محروم رکھے۔ یَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا وَّيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا ـــ شوریٰ ـــ (جسے چاہے بیٹیاں دیتا ہے اور جسے چاہے بیٹے دیتا ہے یا انہیں بیٹے اور بیٹیاں ملا کر دیتا ہے اور جسے چاہے بانجھ کر دیتا ہے) کیا خیال ہے کُنْ فَيَكُوْنُ کا مالک حشر بپا نہیں کر سکے گا؟

ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ ـــ خون، گوشت کا لوتھڑا بن گیا اب ہم اسے خام انسان کہہ سکتے ہیں ہنوز وہ خدائی تربیت اور نگہداشت سے بے نیاز نہیں ہوا ہم اب بھی وثوق سے نہیں کہہ سکتے وہ صحیح سلامت پیدا ہو جائے گا ممکن ہے اتنا کچھ ہو چکنے کے بعد اسقاط ہو جائے بصورت ولادت خدا بہتر جانتا ہے وہ کیسی شکل کا

بالک ہوگا خوبصورت ہوگا یا بدصورت معذور وا پاہج ہوگا یا تندرست ۔ هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ (آل عمران) وہی ہے جو تمہاری صورتیں بناتا ہے رحموں میں جس طرح چاہتا ہے ۔

لِنُبَيِّنَ لَكُمْ ـــــ طبی تحقیقات یہ تو جان سکتی ہے کیا ہو رہا ہے؟ یہ نہیں معلوم کر سکتی کیوں ہو رہا ہے دیر سے کوششیں ہو رہی ہیں رحمِ مادر سے باہر مصنوعی بچہ پیدا کیا جائے ابھی تک کامیاب نہیں ہو سکے بالفرض تجربہ کامیاب ہوا بھی تو اس کے لیے ماں تا اور باپ کی شفقت کہاں سے مہیا ہوگی بچہ کو ماں باپ کی ضرورت صرف تولد کی حد تک نہیں اسے بعد میں بھی ان کی احتیاج ہوتی ہے جس کو والدین کے سوا کوئی پورا نہیں کر سکتا۔ وہ خود خواہ کتنی بڑی مصیبت میں مبتلا ہوں اولاد کو معمولی تکلیف میں بھی نہیں دیکھ سکتے بالخصوص ماں کی تو بات ہی اور ہے اس نے خون جگر پلا پلا کر اسے پالا ہوتا ہے۔ یہ بے لوث جذبہ مصنوعی طور پر پیدا نہیں کیا جا سکتا۔

وَنُقِرُّ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ـــــ رحمِ مادر میں بچہ کی رہائش بالعموم نو ماہ ہوتی ہے قدرت میعاد میں کمی بیشی کرے تو اس کی مرضی۔ چھ اور سات ماہ کے بچے بھی ہوتے ہیں بعض کیس تین تین سال تک طول پکڑ جاتے ہیں اور کوئی بس نہیں چلتا اس وقت پیروں کی کرامتیں کام کرتی ہیں نہ سائنس کے کرشمے۔ اولاد کے معاملہ میں اچھے خاصے راسخ الاعتقاد لوگوں کا ایمان بھی دگرگوں ہونے لگتا ہے۔ قبروں پر آمد و رفت شروع ہو جاتی ہے۔ تعویذوں کی گٹھڑیاں لادنے کیلئے لی جاتی ہیں پیروں کی دکانداری چمک اٹھتی ہے اور ان کے وارے نیارے ہو جاتے ہیں حالانکہ یہ صرف خدا کا کام ہے اسی کی طرف رجوع ہونا چاہیے۔ دولت کے لیے کوئی بہتر مصرف تلاش کیجئے۔

ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ـــــ مشینری مکمل ہو کر کام کرنے لگی اور ننھے میاں کبھی ماں کی گود میں اور کبھی جھولے میں پڑے نظر آتے ہیں بلوغت تک طفل اور سراپا احتیاج ہیں یہ بچہ کس نے پیدا کیا۔ قَالَ مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ ۔ کہا (اس نے) کون زندہ کرے گا ہڈیوں کو جب کہ وہ بوسیدہ ہو

چکی ہوں گی کہہ دے زندہ کرے گا انہیں وہ جس نے انہیں پہلی بار پیدا کیا۔ ثُمَّ لِتَبْلُغُوْا اَشُدَّكُمْ۔ وہ معصوم خیر سے جوان ہوتا ہے۔ اب وہ سینہ تانے، گردن اکڑائے اور قوی بازوؤں کو فضا میں لہراتے، غرور و نخوت سے کسی کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے خدا کی زمین پر متکبرانہ چال چلتا ہے وہ یہ بھول جاتا ہے میری پیدائش کن کن ادوار سے ہو گذری ہے۔

وَ مِنْكُمْ مَنْ يُّتَوَفّٰى اس جوان سے متعلقین کو بڑی توقعات وابستہ ہوتی ہیں لیکن خدا کو کچھ اور منظور ہوتا ہے اس کی موت ہو جاتی ہے۔ راہی ان کی ویران قبر کے پاس سے بصد یاس یہ کہتے ہوئے گذر جاتے ہیں۔ ؏

حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

وَ مِنْكُمْ مَنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ الآیۃ بعض کو صبر آزما عمر نصیب ہوتی ہے وہ موت کا انتظار کرتے ہیں لیکن اس کا کہیں پتہ نہیں وہ شخص جو کبھی جوان تھا اب دوسروں کے سہارے جی رہا ہے اور ان کے لیے آزمائش بنا ہوا ہے خدا کی قدرت بابا جی پھر سے کاکا بن گئے اعزہ تک کی پہچان نہیں رہی۔ اس سلسلہ پیدائش سے انبیاء اور اولیاء بھی مستثنیٰ نہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ جمعہ ـــــ ۱۴ جون ۱۹۶۳ء ـــــ مرتب: حافظ محمد قاسم صاحب خواجہ

قیامت کی دلیل

مردہ زمین کو زندگی عطا فرمانا

وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ ۝ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّهُ يُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَأَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَأَنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَا رَيْبَ فِيهَا وَأَنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُورِ (سورہ حج آیت ۵، ۶)

اور تو دیکھتا ہے زمین کو خشک۔ پھر جب ہم اس پر بارش برساتے ہیں تو وہ ابھرتی ہے اور پھولتی ہے اور ہر قسم کی رونق دار نباتات اگاتی ہے یہ اس لیے کہ اللہ ہی حق ہے اور وہی مردوں کو جلاتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اور یہ کہ قیامت آنے والی ہے جس میں کوئی شک نہیں اور یقیناً اللہ تعالیٰ قبروں والوں کو دوبارہ زندہ کرے گا۔

قیامت کے ذکر سے سورہ حج کا آغاز ہوا منکرین کو اس سلسلہ میں دو ایسی دلیلیں دی گئیں جو روزمرہ ہمارے تجربہ اور مشاہدہ میں آتی ہیں اول کا تعلق پیدائش سے ہے اس بارے میں گذشتہ جمعہ وضاحت سے عرض کر دیا گیا تھا یعنی مٹی سے لے کر ارذل العمر کو پہنچنے تک انسان جتنے مرحلے طے کرتا ہے سب اس بات کی شہادت ہیں کہ خدا دوبارہ پیدا کرنے پر بھی بخوبی قادر ہے۔

عریانی شاید آپ کو یہ چیز کھٹکی ہو عبارت میں کچھ عریانی سی آگئی ہے ضرورت کے موقعہ پر ایسا ہو جائے تو حرج نہیں۔ بلا وجہ جنسی باتوں کو زبان پر

لانا بُری بات ہے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سے منع فرمایا ہے کہ میاں بیوی سے کوئی رات کی بات صبح اٹھ کر لوگوں سے کہتا پھرے۔ کوئی اچھا مقصد یا تعلیم و تربیت پیش نظر ہو تو کام کی بات بتانے سے حیا مانع نہیں ہونا چاہیے قرآن مجید کا اپنا مخصوص انداز بیان ہے وہ وضاحتِ حق میں جو مناسب سمجھتا ہے کہہ دیتا ہے چاہے کوئی اس کے متعلق کیسی رائے رکھے

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيِي أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا (بقرہ)

اللہ تعالیٰ نہیں شرماتا یہ کہ بیان کرے کوئی مثال مچھر ہو یا اس سے اوپر

یہاں بھی قیامت پر گفتگو کرتے ہوئے اس سے بہتر دلیل ہمارے سمجھانے کو اور کیا ہو سکتی ہے مُردوں کو زندہ کر کے تو ہم دکھا نہیں سکتے نظیر اور مثال دے کر ہی یہ تصور ذہن نشین کیا جا سکتا ہے۔ پچھلے دنوں مغربی پاکستان ہائی کورٹ کے جج جسٹس محمد شفیع نے ایک مقدمہ کے فیصلہ میں حدیث پر بحث کرتے ہوئے امہات المومنین سے مروی ان احادیث پر تنقید کی تھی جن میں تعلقات زن وشو وغیرہ کو ظاہر کیا گیا ہے ـــــ ان مقدس ماؤں نے بے شک صحابہ کرام کے سامنے کچھ عریاں مسئلے کہے ہیں ـــــ لیکن ایسا کبھی بے موقعہ نہیں ہوتا تھا استاد شاگرد کو بہت کچھ سکھاتا ہے ماں بیٹی کو سب کچھ بتا دیتی ہے۔ عدالتوں میں زنا بالجبر کے مقدمات میں زبان سے کیا کچھ نہیں اگلوایا جاتا۔ ضرورت کے لیے کرنا پڑتا ہے کتب حدیث میں ایسی باتیں آگئی ہیں تو کیا ہوا ہمیں ان سے نہایت اہم تعلیم ملتی ہے۔ تیرہ سو سال سے یہ حدیثیں لکھی پڑھی اور سُنی جا رہی ہیں کبھی کسی کو اعتراض نہیں ہوا۔ وہ شرم وحیا سے خالی تو نہیں تھے نیز حدیث اس معاملہ میں منفرد نہیں ہے قرآن مجید کی متعدد آیات میں عُریاں اشیاء کا تذکرہ موجود ہے کیا انہیں مٹا دیا جائے گا؟ بات کہنے کا ایک ڈھنگ اور مقام ہوتا ہے۔ رونق محفل اور جنسی تسکین کے لیے ایسی باتیں کی جائیں تو محل اعتراض ہیں خیال فرمایئے سارے معاشرہ میں جگہ جگہ عریانی کی حوصلہ افزائی ہو رہی ہے اور یہ لوگ بدرجۂ غایت اس سے محظوظ ہوتے ہیں سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں تفہیم کی خاطر اگر کچھ مذکور ہو تو نہ جانے انہیں کیوں تکلیف ہوتی ہے۔

دوسری دلیل

فرمایا وَتَرَی الْاَرْضَ هَامِدَۃً الآیۃ ھمدا کے معنی سکوت، خشکی، بوسیدگی اور بے آب وگیاہ ہونے کے ہیں پانی دستیاب نہ ہونے سے جب روئیدگی کی قوتیں معطل اور تروتازگی اور بڑھاؤ ختم ہو جائے تو یہ زمین کی موت ہوتی ہے پھر جب مینہ برستا ہے مردہ اور بنجر زمین میں حرکت پیدا ہوتی ہے مسام کھلتے ہیں، چشمے پھوٹتے ہیں، ندی نالے بہتے ہیں اور کھیتیاں لہلہانے لگتی ہیں ___ یہ زمین کی حیات ہے جیسے فرمایا ___ اَلْاَرْضُ الْمَیْتَۃُ اَحْیَیْنٰھَا (یٰس) ہم نے مردہ زمین کو زندہ کیا۔

جس طرح آدمی جیتا اور مرتا ہے زمین بھی موت اور زندگی سے دوچار ہوتی ہے یہ انسان جو کل معدوم تھا آج موجود ہے۔ فنا ہو کر دوبارہ عالم وجود میں آجائے گا یہ قیامت ہوگی۔

وہی حق ہے

پھر فرمایا ___ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَالْحَقُّ۔ الآیۃ پے در پے تین ذاتی، فعلی اور وصفی صفتوں کا علی الترتیب بیان ہوا۔

وہی حق ہے۔ حق یہاں باطل کے بجائے فانی کے مقابلہ میں استعمال ہوا خدا کے سوا ہر چیز فانی ہے وہ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا اس پر کبھی زوال نہیں اور کوئی نہیں جس نے دائمی زندگی پائی ہو۔ کچھ موت کا پیالہ پی چکے ہیں کچھ وہ ہیں موت جن کے انتظار میں ہے انبیاء اولیاء اور دیگر اکابر آئے اور تشریف لے گئے اب ہم ان کے لیے صرف دعائے رحمت ہی کر سکتے ہیں آپ انہیں زندہ مانیں آپ کی مرضی بہر حال وہ اس جہان میں کہیں موجود نہیں ہیں۔ موت کا سلسلہ یوں ہی جاری رہے گا۔ یہاں تک کہ قیامت قائم ہوگی۔ کیونکہ اصل حیّ موجود ہے۔ وَاَنَّهٗ یُحْیِ الْمَوْتٰی ___ اس فعلی صفت میں شرک کرتے ہوئے کسی نے احیائے موتیٰ کو اوروں کی طرف منسوب کیا اور کسی نے محال سمجھتے ہوئے اس کا انکار کیا۔

مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَهِیَ رَمِیْمٌ

بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا

بے شک زندگی دینا انسان کے بس کا روگ نہیں لیکن خالقِ کائنات کو اپنے پر قیاس نہیں کرنا چاہیے وہ قادرِ مطلق سب کچھ کر سکتا ہے۔

نتیجہ آخر میں کہا وَاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا قیامت یقیناً بپا ہوگی اس کی آمد شک سے بالا ہے اس روز مردے قبروں سے ایسے ہی جی اٹھیں گے جیسے قدرت ایزدی سے بچہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا اور زمین سے کھیتی پھوٹ نکلی۔

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خطبہ جمعہ ـــــ ۲۱ جون ۱۹۶۳ء ـــــ مرتب: حافظ محمد قاسم صاحب خواجہ

بحث کے آداب

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۝ ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّنُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝ سورہ حج آیت ۸ تا ۱۰

بعض لوگ خدا کے بارے میں بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر روشن کتاب کے جھگڑتے ہیں اپنی کروٹ موڑ کر تاکہ بہکائے راہِ خدا سے۔ اسے دنیا میں رسوائی ہوگی اور قیامت کے دن ہم اسے جلنے کا عذاب چکھائیں گے یہ ان اعمال کی وجہ سے جو تیرے ہاتھوں نے آگے بھیج رکھے تھے یقین مانو، اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔

آیت ماقبل میں انقلابات پیدائش اور زمین کے متعلق مذکورہ انفسی اور آفاقی دو دلیلیں سمجھ لینے کے بعد قیامت میں کوئی اشتباہ یا موقع بحث وجدال باقی نہیں رہ جاتا یہ دلائل ثبوت قطعی ہیں اس دعوی کے کہ خدا مرنے والوں کو قبروں سے ضرور اٹھائے گا۔

قبر کیا ہے؟ قبر کے لیے ضروری نہیں وہ مٹی کا گڑھا ہی ہو ناگہانی حادثوں کا شکار ہونے والے اگر درندوں، پرندوں اور مچھلیوں کی خوراک بن جائیں تو جانوروں کے پیٹ ہی ان کے لیے قبر ہوتے ہیں میت جلا کر خاکستر کر دینے کے بعد اس کے ذرات کو ہوا یا پانی میں بکھیر دیا جائے مٹی کی گرد یا دریاؤں اور سمندروں کی تہہ پر ہی قبر کی حقیقت کا اطلاق ہو جاتا ہے یعنی قبر نام ہے دنیا اور آخرت کے درمیانی وقفہ کا اس برزخی زندگی میں آرام اور تکلیف پہنچنے کے متعلق حدیث

میں جو کچھ اجمالاً بیان ہوا ہے اس پر ہمارا ایمان ہے تفصیلی کیفیات نامعلوم ہیں روح کا جسم کے ساتھ وہاں کیا تعلق ہوتا ہے؟ وہ نہ تو دنیوی ہے اور نہ اخروی۔ بس ایک برزخی حیات ہے جس کو ہم لفظ موت سے بجا طور پر تعبیر کر سکتے ہیں ماہیت خدا جانے۔ اتنا اعتقاد ضرور ہے کہ خدا عنقریب سب کو از سر نو زندہ کرنے والا ہے۔

بحث کا طریقہ کوئی اس آفتاب سے زیادہ روشن اور کھلی ہوئی حقیقت کو نہ مانے تو اس کا کیا علاج، پہلی آیت میں اسی طرف اشارہ ہے کچھ ماننے یا منوانے کے لیے تین ہی معقول ذرائع ہوتے ہیں یا تو بات ہی اتنی بدیہی ہو جہاں بحث کا سوال نہ رہے۔ نظری ہونے کی صورت میں قائل کرنے کے دو طریق ہیں۔ دلیل عقلی ہو یا دلیل نقلی۔ یعنی کسی مستند کتاب کا حوالہ۔ قرآنی آیات یا تو بدیہیات ہیں جن کا انکار بداہت کا انکار ہے ان میں بحث کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص کہتا ہے مجھے سردی یا گرمی محسوس ہوتی ہے یا بھوک اور پیاس لگ رہی ہے تو آپ اس کا اعتبار نہ کرتے ہوئے بحث شروع کر دیں کہ بتاؤ تمہیں بھوک کیوں کر لگی ہے۔ نظری اور بحث طلب مسائل کو اللہ تعالیٰ نے دلائل سے مؤید کیا ہے لیکن فرمایا منکرین بحث و نزاع تو کرتے ہیں لیکن بے تکے پن سے ان کے پاس نہ یقینی علم ہوتا ہے نہ عقلی دلائل اور نہ کسی روشن کتاب سے استدلال، کتاب کی اہمیت مسلم ہے دو آدمیوں میں اختلاف ہو جائے تو تحریری یادداشت اسے مٹا دیتی ہے ذہن میں ظلمت و تاریکی چھائی ہو تو کتاب اسے رفع کر کے اجالا کر دیتی ہے قرآن نور ہے۔ اس نے بے شمار ذہنوں سے تاریکیوں (ظلمات بعضها فوق بعض) کو دور کر کے افہام کو منور کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور ہونے کا مطلب بھی یہی ہے کہ آپ کے روشن دلائل اور چمکتے بیانات سے بنی نوع انسان کی تاریکیاں چھٹ گئیں۔ ورنہ نعوذ باللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بتی کی طرح جلتے نہیں تھے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں نقلی دلائل کی حیثیت رکھتی ہیں اس آیت سے ماخوذ ہوتا ہے کہ عقل کے ساتھ ساتھ کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ہمیں باقاعدہ راہنمائی حاصل کرنی چاہیے غیر مسلموں سے بات چیت کا ڈھنگ بے شک، جدا ہوگا لیکن مسلمانوں کے لیے

کتاب وسنت مستند ہیں اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی طرزِ عمل تھا وہ آپ سے مسائل پوچھتے اور کامل اعتماد کے ساتھ ان پر ایمان لاتے۔

کفار نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے موضوع پر بحث کی وہ اسے محال جانتے تھے لیکن ان کا یہ استحالہ محض فرضی اور بے دلیل تھا بداہت عقل اور نقل سے اس کو کوئی لگاؤ نہیں۔ بے شک وہ یا ان کے معبودان باطل قادر نہیں تھے لیکن خدائے حقیقی تو اپنے جیسا نہیں ہو گیا وہ مسئلہ توحید اور نبوت پر بھی بحث کرتے تھے لیکن نرا جھگڑا اور بحث برائے بحث۔ اصول مذکورہ کے تحت اگر بحث ہو تو مفید ہے اس سے کچھ حاصل ہو جاتا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے متعدد مناظرے فرمائے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قارون اور فرعون سے تبادلہ خیالات کیا۔ بعض لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی حلف اٹھوا کر مسائل کی تسلی کرتے ایسے مناظروں میں کوئی نقصان نہیں لیکن بلا دلیل شور مچانا اور اپنے مقتدیوں کو متاثر و مرعوب کرنے کے لیے نعرہ ہائے جہالت کا سہارا لینا دھکا شاہی ہے چوری اور سینہ زوری اسی کو کہتے ہیں اگر ان سے کہا جائے کہ اولیاء اللہ زندگی میں ہمارے لیے دعا تو کر سکتے ہیں۔ لیکن خدائی کاموں میں انہیں کوئی دخل نہیں تو حیران ہو کر پوچھتے ہیں پھر ان کا فائدہ کیا ہے؟ گویا ان کے نزدیک اولیاء کا مصرف یہی رہ گیا ہے کہ انہیں الوہیت کا پیوند لگا کر رکھا جائے۔

مناظرہ اور جہاد

مناظرہ کی مثال جہاد کی سی ہے خون خرابہ اچھا نہیں کلمۂ حق کی بلندی کے لیے لڑائی گلے پڑ جائے تو فرار بھی نامناسب ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ میں دس سالہ قیام جہاد کی مصروفیتوں میں گذرا تاہم جنگ جوئی اور خون ریزی کو طبعاً کبھی پسند نہیں فرمایا۔ ہمیشہ مجبوری کی حالت میں لڑائی لڑی قرآن کا بھی آپ کو یہی حکم تھا۔ وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا۔ اور اگر وہ مائل بہ صلح ہوں تو تم بھی اس کے لیے جھک جاؤ (انفال)

۶ سنہ میں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم دیگر صحابہ کے ہمراہ عمرہ کی نیت سے مکہ میں داخل ہونے کے قریب تھے اور حرم میں لڑائی کا خدشہ بھی تھا یکایک آپ کی قصواء

نامی اونٹنی بیٹھ گئی لوگ کہنے لگے خَلَأَتِ الْقَصْوَاءُ خَلَأَتِ الْقَصْوَاءُ (قصواء رک گئی قصواء رک گئی) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ما خلأت القصواء وما ذاك لها بخلق ولكن حبسه حابس الفيل (قصواء رکی نہیں نہ اس کی یہ عادت ہے لیکن اسے ہاتھیوں کو روکنے والے نے روکا ہے) آپ خدائی اشارہ سمجھ گئے فوراً اونٹنی کو کھڑا کیا باگیں موڑ لیں اور حدیبیہ میں خیمہ زن ہوئے لیکن جب لڑنا پڑ ہی جائے تو پھر کسی کا بھاگنا گناہ عظیم ہو جاتا ہے اسی طرح مناظرہ جہالت کی بے اعتدالیوں سے پاک اور افہام و تفہیم کے لیے ہو تو مناظرہ کی شکل میں حمایت حق فعل غیر طبعی نہیں۔ بہرحال مباحثہ یا مجادلہ اگر نیک نیتی اور سمجھنے کے لیے کیا جائے تو نتیجہ خیز ہوتا ہے ورنہ غرور کی سزا دو جہان میں ذلت و رسوائی مقرر ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ جمعہ ـــــ ۲۸ جون ۱۹۶۳ء ـــــ مرتب: حافظ محمد قاسم صاحب خواجہ

عزت و توقیر کا معیار بارگاہِ خداوندی میں

ثَانِيَ عِطْفِهِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ لَهُ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَنُذِيقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَذَابَ الْحَرِيقِ ه (سورہ حج آیت ۹)

(تکبر یا اعراض سے) اپنی گردن موڑتے ہوئے تاکہ وہ راہ خدا سے بہکائے اس کے لیے دنیا میں رسوائی ہوگی اور قیامت کے دن ہم اسے جلنے کا عذاب چکھائیں گے۔

تقلید پہلے بیان کیا گیا ہے کہ آخرت کا انکار عقل و نقل یعنی سوچ اور کتابی علم دونوں کے خلاف ہے۔ اور بلا دلیل جھگڑنا خدا کے ہاں پسندیدہ نہیں آخری مرتبہ بحث تقلید کی رہ جاتی ہے مقلدین کہا کرتے تھے: إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِم مُّقْتَدُونَ (زخرف) ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک راہ پر پایا اور ہم انہیں کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں۔

ہم نے اپنے بڑوں سے یہی سنا ہے یہی کچھ پتہ ہے اور یہی کچھ کریں گے حجت اور مدلل انداز گفتگو نہیں تقلید جہالت کا دوسرا نام ہے اسے اپنے حق میں بہتر سمجھ کر پھولنا اور ناز کرنا پرلے درجہ کی جہالت ہے علم و حقیقت سے چشم پوشی کر کے جہالت کو قائم مقام نہیں بنایا جا سکتا۔ ہدایت و ضلالت کو ایک دوسرے سے سروکار نہیں روشنی اور تاریکی ہمیشہ سے جدا جدا ہیں لاعلمی کو دلیل راہ بنانے کے بجائے اسے ناقابل تلافی تصور تصور کرنا چاہیے کنوئیں کا مینڈک بن جانے سے اگر بیرونی دنیا کی ہوا معلوم نہ ہو تو یہ عذر معقول نہیں ارشاد پیغمبر کے سوا کسی کا قول و فعل معتبر نہیں ہو سکتا الا یہ کہ وہ کتاب و سنت سے ٹھیک ٹھیک مطابقت رکھتا ہو۔

کبر ثانی عطفہ سے ایسے شخص کی تصویر کھینچی ہے جو دلیل سے منہ موڑ کر بے پر کی اڑانے کا عادی ہے عطف کے معنی پہلو کے ہیں پہلو یا کروٹ پھیرنا غرور کی بنا پر ہوتا ہے حق سن کر گردن پھیر لینا یا ترچھی نگاہوں سے دیکھنا کبر ہے بعض منچلوں کی عادت ہوتی ہے مسئلہ اپنی شان کے موافق نظر نہ آئے تو کہہ دیتے ہیں اس کو پتہ ہی کیا ہے صفت غرور لائق تحسین نہیں بالخصوص دین اور حق کے مقابلہ میں تو کچھ بھی پلے نہیں رہ جاتا غلط نہ ہوگا اگر اسے شرک کے ہم پلہ قرار دے دیا جائے بڑائی صرف خدا کی ذات کو زیبا ہے ـــــ الکبریاء ردائی ـــــ (ذاتی بڑائی صرف میری چادر ہے۔ مسلم) ہمیں دعویٰ کبریائی کا استحقاق نہیں انسان بے شمار بڑائیاں اور عظمتیں حاصل کرتا ہے وہ علامہ، فلاسفر، مفکر، ادیب، شاعر، اور بہت کچھ ہوتا ہے لیکن اس سے وہ اتنا بڑا نہیں ہو جاتا کہ اسے حق غرور پہنچے دنیا میں کئی خدا کے بندے اس سے بھی بلند تر مقام رکھتے ہیں اور کوئی نہیں تو اللہ کی جامع الصفات ہستی تو کہیں گئی نہیں کہ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ (اور ہر صاحب علم سے اوپر ایک عالم ہے۔ یوسف) عظیم انسان کو خدا کی عظمت کا دوسروں کی بہ نسبت زیادہ شد و مد سے قائل اور ممنون ہونا چاہیے نیز یہ بڑائیاں از خود کسی کو حاصل نہیں ہو جاتیں ذات الٰہی نے انہیں بندہ کو عطا کیا ہوتا ہے ہم کتنے ہی اونچے مناصب پر فائز ہوں کتنا ہی دنیوی جاہ و حشم ہمیں حاصل ہو کروڑوں روپے کی جائداد ہماری ملکیت ہو جائے۔ ہم پھر بھی اس کے دربار کے منگتے، فقیر اور سائل ہیں اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ہر چیز اپنی جگہ پر ہی اچھی لگتی اور حسین نظر آتی ہے۔ کبر کا مقام فقط خدا کی ذات ہے یہیں اسے حسن ملتا ہے اور کون ہے جو کبر کا اہل ہو ناموزوں جگہ پر کبر بے ڈھنگا لگتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے الفاظ کے استعمال سے روکا ہے جس سے مخلوق کی برتری مفہوم ہوتی ہو۔ فرمایا ـــــ

اَخْنَى الْاَسْمَاءِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ اللّٰهِ رَجُلٌ يُسَمّٰى مَلِكَ الْاَمْلَاكِ (بخاری)

یعنی اللہ کے نزدیک کسی کا مبغوض ترین نام روزِ قیامت شہنشاہ ہے کیونکہ بادشاہوں کا بادشاہ اور تمام کا آقا وہی ہے باقی بڑے چھوٹے سب اس کے حقیر بندے ہیں وہ اپنے بارہ میں کسی کی شرکت اور بھائی چارہ کو برداشت نہیں کرتا۔ انا اغنی الشرکاء

عن الشرک" (حدیث قدسی) متکبر صفتِ کبر میں رب کا شریک و سہیم بن کر اپنے ایمان کو غارت کر لیتا ہے مومن کو اس سے پاک ہونا چاہیے کیونکہ بندہ مومن کا دل خدا کا گھر ہوتا ہے وہاں اور کسی کے لیے گنجائش نہیں ہو سکتی اور جس دل میں ماسوی اللہ کی محبت و بڑائی سما جائے خدا اس سے الگ ہو جاتا ہے علماء و مناظرین کو میں خاص طور پر تنبیہ کرنا چاہتا ہوں یہ لوگ اپنے علم و فن میں بہت مغرور ہو جاتے ہیں ان کی کبریائی انتہا کو پہنچی ہوئی ہوتی ہے یہ غلط بھی کریں تو "ٹھیک" ہوتا ہے کسی سے حق بات سن کر اپنے رویہ کو بدل لینا ان کے لیے کسر شان ہے یہی وجہ ہے بعض اوقات ایک عام اور سادہ —— آدمی کو اچھی بات مل جائے تو وہ اس پر عمل پیرا ہو کر کامیابی سے ہمکنار ہو جاتا ہے اور عالم اپنے علم کے گھمنڈ میں ٹھوکر کھا جاتا ہے۔ علماءِ یہود اسی بیماری میں مبتلا تھے۔ انہیں اپنے علم پر ناز تھا۔ وَفَرِحُوا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ (اور وہ اپنے علم پر اترائے) وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اس لیے ایمان نہ لائے کہ انہیں آپ کے اُمّی ہونے پر اعتراض تھا۔ خدا کی قسم ان کا سارا علم آپؐ کی اُمیت پر قربان بلکہ یوں کہیے وہ علم جو انہیں صحیح راہ نہ دکھا سکا جہالت سے بھی فروتر تھا کفار مکہ کو بھی کچھ اسی قسم کے غرور نے بگاڑ رکھا تھا کہا کرتے —— لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُونَا إِلَيْهِ (اگر اسلام بہترین چیز ہوتی تو یہ (غرباء) ہم سے بازی نہ لے جاتے) خود کو وہ انفارٹی خیال کرتے کہ یہ ہو ہی نہیں سکتا وہ کسی خیر سے محروم رہ جائیں گویا بھلائی ان کے گھر کی لونڈی ہی تو تھی۔ قانون یہ ہے پیاسا کنوئیں کے پاس چل کر آتا ہے نہ کہ کنواں مومن کی دینی حمیت اسے تلاش حق سے نہیں روکتی وہ مسلسل اس کوشش میں رہتا ہے اسے کہیں سے فیض مل جائے۔ كَلِمَةُ خَيْرٍ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ حَيْثُمَا وَجَدَهَا فَهُوَ أَحَقُّ بِهَا —— اچھی بات مومن کی گمشدہ متاع ہے وہ اسے جہاں بھی پائے اس کا زیادہ حق دار ہوتا ہے۔

اچھی زندگی کبر نہیں

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کبر کے متعلق گفتگو سن کر ایک صحابی کا ذہن اس طرف منتقل ہوا کہ کچھ نہ کچھ بڑائی تو ہر کوئی چاہتا ہے مثلاً یہ کہ اس کا لباس اچھا ہو اس کا جوتا خوبصورت ہو وغیرہ (کہیں یہ بھی تو کبر میں شامل نہیں ؟) آپ نے فرمایا —— إِنَّ اللَّهَ جَمِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ اَلْكِبْرُ إِبَاءُ الْحَقِّ وَغَمْطُ

النَّاسِ ــــ (بے شک اللہ تعالیٰ خوبصورت ہے خوبصورتی کو پسند کرتا ہے کبر انکار حق اور لوگوں کو ذلیل سمجھنا ہے۔

یہود کے نقش قدم پر

اس آئینہ میں حال کے مشرکین اپنا چہرہ بخوبی دیکھ سکتے ہیں یقین جانیے ان کے پاس کوئی کام کی دلیل نہیں ہوتی جس پر کوئی شریف آدمی غور کر سکے صرف علمائے یہود کی طرح بدتر از جہالت علم کا غرور ان کے دماغوں میں رچا ہوا ہے جس سے حق کو دھتکار دیتے ہیں اور بندگان خدا کو ذلیل اور بیوقوف سمجھتے ہیں۔

کبر انسانیت کی توہین ہے

کسی انسان کو کم تر خیال کرنا بڑی نادانی ہے اس سے انسانیت کی توہین ہوتی ہے۔ یہ درحقیقت آدمیت کو نظر انداز کر دینے کے مترادف ہے جب کہ ہم سبھی اسی نوع سے تعلق رکھنے والے افراد ہیں۔ كُلُّكُمْ بَنُوْا آدَمَ وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ ــــ تم سب آدم کے بیٹے ہو اور آدم مٹی سے تھے۔

تقویٰ بڑی چیز ہے

دنیا میں سیادت و رفعت کا وجود ہے لیکن خدا کے ہاں انسان دنیوی پیمانوں سے نہیں ماپا جاتا وہاں بڑائی کا معیار کچھ اور ہے ــــ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ ــــ (اللہ کے نزدیک عزت اسی کی زیادہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے۔ حجرات) حضرت موسیٰ علیہ السلام بے شک بھوکے تھے لیکن اس مرد قلندر کے وجود سے کروڑوں فرعون لرزتے تھے ہمارے ائمہ کرام و بزرگ اسلاف جن کی گھریلو حالت کا اللہ ہی حافظ ہوتا تھا دلیری و بے باکی میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے تخت و تاج کے وارث کبھی ان کی نگاہوں میں نہ جچ سکے بادشاہ ان کی شان فقر کو حسد و رقابت کی نظروں سے دیکھتے تھے سعید بن جبیر نے حجاج کے سامنے جس بے خوفی سے تقریر کی آج تک ضرب المثل ہے بات یہ ہے یہ لوگ صرف خدا سے ڈرنے والے تھے ان کے نزدیک سوا خدا کے اور کوئی ڈرنے کی چیز ہی نہ تھی وہ خود ہی بڑا بنتے تھے اور نہ انہیں غیر اللہ کی کبریائی کا قائل کیا جا سکتا تھا برا محسوس نہ ہو تو اپنے

عمل کو بھی ایک نظر دیکھ لیجئے غرور کے پتلے کمزوروں کو آنکھیں دکھاتے ہیں اور خدا کے علاوہ ہر طاقت کا خوف ان کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور ستم یہ کہ اپنے آپ کو بڑا حضرت اور علامہ سمجھے ہوئے ہیں۔

دین سے بے توجہی

ثانی عطفہ کا ایک دوسرا مفہوم اعراض اور لاپروائی ہے یہ بھی بری عادت ہے دین کی بات سے پہلوتہی برت کر سنی ان سنی کر دینا غافل لوگوں کا کام ہے کبر میں اگر شرک کی بو پائی جاتی ہے تو غفلت شعاری بھی خدا سے بہت دور لے جاتی ہے قرآن مجید میں ہے۔ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (جب قرآن پڑھا جائے تو خاموشی سے سنو تو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ انفال) حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ دے رہے ہوتے تو تمام صحابہؓ کا رخ آپ کی طرف ہوتا خطبہ جمعہ کے دوران کسی کو نشست احتباء بیٹھنے کی اجازت نہ تھی کہ اس سے نیند آجانے کا خدشہ ہوتا ہے ایسے ہی بات چیت بھی منع ہے کوئی نادان بولنے کی غلطی کر بیٹھے تو اسے چپ کرانے کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لغو قرار دیا یعنی کوئی ایسی حرکت جائز نہیں سمجھی گئی جس سے غفلت پیدا ہوتی ہے۔ ہمہ تن گوش ہو کر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سننا چاہیے۔

کفر میں امامت

پھر فرمایا: لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الآیۃ جو خود گمراہ ہو کسی کو سیدھی راہ پر چلتے دیکھنا اس کی برداشت سے باہر ہوتا ہے اس کی دلی خواہش ہوتی ہے میری طرح سب بھٹک جائیں اگر میں حق قبول نہیں کرسکا تو اور کسی کو یہ نعمت کیوں ملے ابوجہل اور ابولہب اگر ذاتی طور پر نبوت کے معترف نہ ہونے تو شاید انہیں کفر میں مثالی شہرت نہ ملتی لیکن انہوں نے دوسروں کو ایمان سے باز رکھنے کے لیے ایذا دی اور گمراہ کن پروپیگنڈا کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا کر کفر میں امامت کا "اعزاز" حاصل کیا۔

درس عبرت

پھر ان کا حشر بھی وہ ہوا جو رہتی دنیا تک یاد رہے گا میدان بدر میں انہوں نے عبرت ناک شکست کھائی بھاگنے والوں

کو اتنی فرصت نہ مل سکی کہ ان کی لاشوں کو ٹھکانے لگا لیتے یہ سرداران قریش جو کبھی ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتے تھے اب ان کی لاوارث پڑی نعشیں گل سڑ رہی تھیں اور جانور انہیں نوچ رہے تھے۔ مسلمانوں نے ان نعشوں کو ایک کنویں میں پھینکا جس پر کھڑے ہو کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ـــــ اِنَّا قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا (ہم نے خدا کا وعدہ سچا پایا کیا تم نے بھی اپنے رب کا وعدہ برحق پایا ؟) حضرت عمرؓ کہنے لگے تکلم من اجساد لا ارواح لھا (آپ اجسام مردہ سے مخاطب ہیں ؟) فرمایا ما انتم باسمع لما اقول منھم (تم میری بات ان سے زیادہ نہیں سن رہے ہو۔ بخاری)

یہ مقام عبرت ہے اس سے سبق لینے کے بجائے اپنا وقت اس استدلال میں ضائع نہیں کرنا چاہیے کہ مردے سنتے ہیں یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وقتی معجزہ تھا اور آپ کا آخری پیغام تھا جو اللہ تعالیٰ نے انہیں ڈانٹنے اور شرمسار کرنے کے لیے سنایا جیسا کہ حضرت قتادہ سے بھی بخاری شریف میں مروی ہے۔

یہ سزا ان کی دنیا میں تھی اور جن کو یہاں تو یہ نصیب نہیں ہوئی آخرت میں بھی ان کا انجام کتنا بڑا ہولناک ہوگا۔ اَللّٰهُمَّ اَعِذْنَا مِنْ شُرُوْرِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ جمعہ ـــــ ۵ رجولائی ۱۹۶۳ء ـــــ مرتب: حافظ محمد قاسم صاحب خواجہ

اسلام کے مفاد پرست دوست

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدَاكَ وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ۝ وَمِنَ النَّاسِ مَن يَعْبُدُ اللَّهَ عَلَىٰ حَرْفٍ فَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ اطْمَأَنَّ بِهِ وَإِنْ أَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ انقَلَبَ عَلَىٰ وَجْهِهِ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ ۝

یہ ان اعمال کی وجہ سے ہے جو تم نے آگے بھیج رکھے تھے اور یقیناً اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے اور بعض لوگ ایک کنارے پر ہو کر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اگر کوئی نفع مل گیا تو دلچسپی لینے لگتے ہیں اور اگر کوئی آفت پیش آگئی تو اسی وقت منہ پھیر لیتے ہیں انہوں نے دونوں جہان کا نقصان اٹھایا۔ واقعی یہ کھلا نقصان ہے۔ سورۃ الحج آیت ۱۰-۱۱

دلیل سے بات کرنے کے بجائے رسوم و عادات اور من گھڑت کہانیوں پر اعتقاد رکھنے والوں کے لیے سزا کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ دونوں جہان کی ذلت ان کے اپنے اعمال کا کیا دھرا ہے خدا ہرگز ظالم نہیں ہے

مفاد پرست "وَمِنَ النَّاسِ مَن يَعْبُدُ اللَّهَ عَلَىٰ حَرْفٍ" الآیۃ سے ایک نرالی قسم کے گروہ کا تذکرہ شروع فرمایا۔ انہیں سچی یا جھوٹی دلیل سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا صرف ذاتی مفاد سے ان کو مطلب ہوتا ہے جہاں مقصد حل ہو جائے اسی کے گن گانے لگتے ہیں اور وہی ان کا مذہب ہو جاتا ہے ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جو کسی دیوار یا پہاڑ کے سرے پر کھڑا ہو اور ہر آن یہ خطرہ رہے کہ ابھی پاؤں پھسلا اور گرا۔ ایک مسلک پر پختگی سے کاربند نہ ہونے والا منافق ہوتا ہے اس پر ہر وقت

عدم اطمینان کی کیفیت مسلط رہتی ہے تذبذب، شبہات اور وسوسے اسے گھیرے رہتے ہیں جونہی فائدہ نظر آیا خوش ہو گیا کہ یہ مذہب بہت اچھا ہے اور اگر آزمائش کی گھڑی آپہنچے تو عالم گھبراہٹ میں اسے کہیں اور کی سوجھتی ہے وہ ہدایت سے نکل کر قعر ضلالت میں یوں گرتا ہے گویا پہاڑ سے نیچے آرہا ہو اس کا مذہب موقع پرستی ہے یہ اگر خدا کی عبادت کرتا ہے تو اس لیے نہیں کہ وہ مستحق عبادت ہے بلکہ اس کا ذاتی مفاد اس سے عبادت کراتا ہے اس میں اس کا کچھ دنیوی مطلب پنہاں ہوتا ہے۔ جس کے لیے وہ اپنا ایمان فروخت کر دینے سے بھی نہیں ہچکچاتا۔ ایسے بدقسمت کو خدا پر یقین کامل نہیں ہوتا۔ وہ توکل علی اللہ کی نعمت سے یکسر محروم ہوتا ہے وہ ہمیشہ اسی کشمکش و پیچ میں رہتا ہے کہ نہ جانے میری سنی جاتی ہے یا نہیں دعا کی قبولیت میں تاخیر ہو جائے تو استمداد غیر اللہ سے بھی نہیں چوکتا وہ اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا ہے اور کفر اس کے رگ و ریشہ میں سمایا ہوتا ہے یہ کہاں کی دوستی ہے خوشی میں ساتھ اور تکلیف میں فرار۔ بعض مطلب پرست اتنے بدمذاق واقع ہوئے ہیں کہ مسجد میں جوتا گم ہو جائے تو اسی کو اپنے حق میں فال بد تصور کرتے ہوئے دین سے بیزار ہو جاتے ہیں اور خدا کے متعلق طرح طرح کے تشویش ناک خیالات اپنے دل میں بٹھا لیتے ہیں۔ ایک بدوی وارد مدینہ ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت ہوا اتفاقاً بخار چڑھ گیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگا۔ میری بیعت لوٹا دو۔ آپ نے فرمایا المدینۃ کالکیر تنفی الخبث (بخاری) مدینہ بھٹی کی مانند ہے جو گندگی کو نکال دیتا ہے۔

اسی طرح بعض دیہاتیوں کو مدینہ میں آکر کوئی خوشی دیکھنا نصیب ہو جاتی مثلاً مال غنیمت میں سے حصہ مل گیا یا اونٹنی نے بچہ دے دیا تو کہتے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں۔ ذرا معاملہ ٹیڑھا ہو جاتا تو ذہن کی گندگی نکل کر باہر آ رہتی منافقوں کا تو خیر شیوہ ہی یہ تھا۔ کہ وہ مال کے پیچھے پیچھے بھاگتے تھے جدھر سے مل گیا اسی کے مدح سرا ہو گئے۔ آج بھی کئی مفاد پرست ایسے ہیں جب انہیں محسوس ہوتا ہے کہ اپنی جماعت میں انہیں خاص مقبولیت حاصل نہیں وہ فوراً ایسے گروہ میں شامل ہونے کا فیصلہ کر لیتے ہیں جہاں انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا جائے اور معقول تنخواہ مل جائے حق و باطل کی تمیز ان کے پیش نگاہ نہیں ہوتی۔

دنیوی عزت اور پیسے کا لالچ ان کی نظروں میں وقیع ہوتا ہے ان کے نزدیک کھرے اور کھوٹے کی کسوٹی یہی ہوتی ہے کہ اپنا اُلّو کہاں سیدھا ہوتا ہے۔

ایمان کی پرکھ

فان اصابہ خیر الآیۃ خیر اور فضل، بھلائی اور بزرگی کے علاوہ دنیوی مال کے معنی میں بھی مستعمل ہوتے ہیں جیسے اِنْ تَرَكَ خَيْرًا اِۨلْوَصِيَّةُ (بقرہ) اور ــــــ ابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ (جمعہ) ہیں۔

فتنہ فَتَّانہ سے ہے بمعنی کسوٹی۔ خدائی آزمائشیں ایک طرح کی کسوٹی ہیں ان سے ہر شخص کا ایمان پرکھ لیا جاتا ہے صدق قلب سے مومن ہو تو وہ مزید پختہ کار ہوتا ہے مفاد پرست ہو تو اس کی چیں بول جاتی ہے ۱۹۴۷ء کا انقلاب خدا کی بہت بڑی آزمائش تھی بالخصوص مہاجرین کو تو خاصے کٹھن امتحانات سے گذرنا پڑا اچھے لوگوں کے دل خوف خدا سے معمور ہو گئے عبرت انگیز مناظر نے ان کے دل پر گہرا اثر چھوڑا اور ان کی عبادت میں نسبتہً زیادہ خشوع پیدا ہو گیا۔ دنیا دار طبقہ نے اسے دوسرے معنوں پر محمول کیا وہ نماز روزہ سے بھی بے نیاز ہو کر خدا سے اور دور چلے گئے ذوالوجہین اور بے ضمیر آدمی کو دنیا میں کوئی بھی اچھے نام سے یاد نہیں کرتا اس کی دنیا بھی بگڑی اور میدان محشر میں بھی اس کا حشر دیدنی ہو گا خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ہم اگر مومن ہیں تو پھر ڈگمگانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہونا چاہیے آزمائشوں کے سامنے چٹان کی مانند ڈٹ جانا ہی درحقیقت صحت ایمان کی علامت ہے۔ یہ بھی کوئی ایمان ہے کہ درخت کے گرے پڑے پتوں کی طرح جدھر ہوا کا جھونکا آیا پلٹا کھا گئے۔

گھٹیا مقصد

کچھ لوگ خدا کی عبادت تو کرتے ہیں لیکن مقصد بالکل گھٹیا ہوتا ہے صرف کاروباری اصلاح ان کے پیش نظر ہوتی ہے بڑے زور شور سے نمازیں پڑھیں لمبی لمبی دعائیں مانگیں جونہی مطلب نکل آیا سب جوش و خروش ختم اور ڈھیلے پڑ گئے۔ کئی بھائی اسلام کی تعریف میں صرف اس لیے رطب اللسان ہوتے ہیں کہ یہ دنیوی اعتبار سے بہت مفید ہے یہ بندہ کا خدا سے کیا تعلق جوڑتا ہے اس پر وہ غور نہیں کرتے یہ ذہنیت اچھی نہیں۔

شکر ہے اہل توحید عموماً خدا کا در چھوڑ کر کہیں نہیں جاتے یعنی شرک کی جانب کم ہی مائل ہوتے ہیں لیکن تنگدستی میں ان کا ایمان بھی کچھ متزلزل سا ہو جاتا ہے بدلی چھا جاتی ہے اور عبادت میں وہ ذوق و شوق نہیں رہتا جو اس کا حقیقی جوہر ہے

یہ ہرجائی لوگ

پیر پرستوں کی زندگی عجیب ہوتی ہے انہیں کہیں بھی طمانینت و یکسوئی حاصل نہیں ہوتی خدا سے دعا مانگی نامقبول ہوئی اور اس سے بدظن ہو گئے جھٹ کسی پیر فقیر کے آستانے پر قسمت آزمانے پہنچ گئے فریاد گذار ہوئے کچھ انتظار کے بعد معلوم ہوا مراد بر نہیں آئی اس سے بھی بدظن پھر کسی سے پتہ چلا فلاں درگاہ شریف میں بڑی جلدی فریاد رسی ہوتی ہے وہاں کا رخ کر لیا یعنی "ذ بذبین" خالق و مخلوق دونوں سے نا امید ہو جاتے ہیں۔ خدا پر اعتماد نہ کسی اور پر بھروسہ۔ یہ اگر کسی ایک روضہ سے وابستہ نہیں ہوتے تو اس کی یہ وجہ نہیں کہ ایسا کرنا شرک ہے بلکہ اس لیے کہ اس صاحب روضہ نے بیٹا نہیں دیا ہوتا یا کسی سودے میں برکت نہیں بخشی ہوتی۔ مفاد پرستی میں یہ خدا کا لحاظ نہیں کرتے پیر تو خیر پیر ہی ہوتے ہیں کتنے مفاد پرست اور مطلبی دوست واقع ہوئے ہیں یہ! ان حضرات نے اب تک یہی سمجھا ہے کہ خدا تبھی لائق عبادت ہو سکتا ہے اگر انہیں بیٹے وغیرہ مہیا کر دے ایسی جعلی دوستی ہم اپنے حق میں تو برداشت نہیں کرتے نہ جانے خدا کے بارہ میں کیوں گوارا کر لی جاتی ہے؟ لیکن شاید عاشقوں کی لغت میں دوستی کا یہی مفہوم ہوتا ہوگا۔

حسن ظن

حضرت زکریا علیہ السلام اولاد کے بغیر بوڑھے ضعیف ہو گئے لیکن خدا کا دامن نہ چھوڑا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر بڑا نازک وقت آیا دشمن کی یورش ہوتی لڑائی کے تھپیڑے ہوتے اندر اور باہر خطرہ اور ہر سو بے اطمینانی کا دور دورہ ہوتا لیکن کبھی کسی کو خیال نہ آیا کہ اس پیغمبر کا ساتھ چھوڑ کر خلاصی حاصل کر لی جائے جوں جوں ان پر مصائب ٹوٹتے ان کا ایمان مضبوط ہوتا اور وہ پہلے سے زیادہ استقامت کا مظاہرہ کرنے لگتے ان کے دل سوئے ظن سے پاک تھے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے مایوس ہو کر کبھی غیر اللہ کا دروازہ نہیں کھٹکھٹایا تھا کیونکہ ان کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ

ارشاد تھا۔

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُ اِلَّا وَهُوَ يُحْسِنُ الظَّنَّ بِاللّٰهِ مومن وہی ہے جو خدا پر حسن ظن رکھتا ہو۔[۱]

ہمیں اپنا ذہن ہمیشہ صاف رکھنا چاہیے۔ کیسے بھی حالات ہوں غیر اللہ کا در جھانکنا بے غیرتی کفر اور بدترین گمراہی ہے نیز ہماری عبادت کا مقصد بھی نیک ہو دنیوی مفاصد ہیچ ہیں انہیں اولیت دینے میں ہم اپنی دنیا وعقبی برباد نہ کرلیں۔

---

[۱] صحیح مسلم میں اس حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں عن جابر قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل موتہ بثلاثۃ یقول لا یموتن احدکم الا وھو یحسن الظن باللہ

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے تین دن پہلے آپ سے سنا فرماتے تھے کہ تم میں سے کوئی شخص فوت نہ ہو مگر صرف اس حال میں کہ وہ اللہ کے ساتھ اچھا گمان رکھتا ہو۔ (مشکوۃ ص ۱۳۹) از عبد السلام۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ جمعہ ـــــ ۱۲ر جولائی ۱۹۶۳ء ـــــ مرتب: حافظ محمد قاسم صاحب خواجہ

اللہ کے سوا کوئی نفع اور نقصان کا مالک نہیں ہے

یَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَضُرُّهٗ وَ مَا لَا یَنْفَعُهٗ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِیْدُ ۝ یَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗۤ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَ لَبِئْسَ الْعَشِیْرُ ۝ (حج آیت ۱۲-۱۳)

وہ اللہ کے سوا انہیں پکارتا ہے جو اسے کوئی نقصان اور نفع نہیں دے سکتے یہی دُور کی گمراہی ہے اسے پکارتا ہے جس کا نقصان فائدے سے زیادہ قریب ہے یقیناً وہ بُرے والی اور بُرے ساتھی ہیں۔

بے دلیل مناظر اور مفاد پرستوں کے بعد تیسری مخالف اسلام صنف مشرکین کا بیان شروع ہوا ان کا امتیازی نشان یہ بتایا کہ یہ غیر اللہ کو مدد کے لیے پکارتے ہیں حالانکہ وہ کسی نفع و نقصان کے مالک نہیں۔

اسباب کی دو قسمیں

نفع اور نقصان کے اسباب کچھ ظاہری ہوتے ہیں اور کچھ باطنی اور ہر دو غیر یقینی ہوتے ہیں۔ ظاہری اسباب کا تعلق کبھی ہماری صحت سے ہوتا ہے مثلاً دوا یا خوراک فائدہ کے لیے کھاتے ہیں لیکن نتیجہ منشا کے خلاف ہوتا ہے اور کبھی معیشت سے ہوتا ہے منافع کے لیے بیوپار کرتے ہیں تو گھاٹا پڑ جاتا ہے سودے میں کسی کو خسارہ پہنچانا مقصود ہوتا ہے لیکن وہ فائدہ میں رہتا ہے معاملات میں بھی ہم نہایت سوچ بچار کے بعد اور اپنے لیے مفید خیال کرتے ہوئے کوئی قدم اٹھاتے ہیں مگر وہ قدم غلط اٹھ جاتا ہے۔ اسی طرح باطنی اسباب بھی کبھی حسب توقع اثر پہنچاتے ہیں اور کبھی دم تعویذ اور تمام روحانی عمل بے اثر بلکہ الٹے پڑ جاتے ہیں۔

بات یہ ہے کہ عامل کا کام تو زیادہ سے زیادہ دعا ہی کرنا ہوتا ہے آگے اس کا

اثر اور قبولیت کلی طور پر خدا کے ہاتھ میں جزواً بھی کسی اور کو اختیار نہیں دیا گیا یہ سب کچھ خدا کی مرضی پر منحصر ہے ماننے یا نہ ماننے ہم اس بارے کچھ نہیں کر سکتے۔

مشرکین کی حماقت

اب غور کیجئے یہ اسباب جن پر ہمارا اختیار ہے اپنی تاثیر میں اس قدر بے بس ہیں کہ وہ نفع ونقصان کی قطعی ضمانت نہیں بڑے سیانے طبیب کا مشورہ غلط ہو جاتا ہے مریض کسی کے زیر علاج رہتا ہے طبیب نے کافی غور وخوض کے بعد اس کے لیے نسخہ تیار کیا مگر حالت نہیں سدھرتی وہ مایوس ہو کر کسی اور کی طرف رجوع کرتا ہے وہاں سے پتہ چلتا ہے کہ پہلے حکیم صاحب کی تشخیص ہی غلط تھی۔ ایک ہوشیار تاجر بعض دفعہ ایسی زبردست ٹھوکر کھاتا ہے کہ دیوالیہ ہو جاتا ہے سارے منصوبے خاک میں مل جاتے ہیں۔ بڑے بزرگ کی دعا نامقبول ہو جاتی ہے۔ یعنی اسباب کی دنیا نفع ونقصان کی ذمہ داری لینے کو آمادہ نہیں اور یہ مشرکین اتنے احمق ہیں۔ ان سے مرادیں مانگتے ہیں جن کا سرے سے وجود ہی کوئی نہیں سنگ تراش اپنے ہاتھ سے بت بناتے ہیں اور وہ پجاریوں کے لیے بت بن جاتے ہیں اسے بڑی بڑی مشکلات حل کرنے کو کہتے ہیں اور وہ اس قابل بھی نہیں ہوتا یہ کہے کہ مجھے بھوک لگی ہے کھانا لاؤ یہ کہے کہ کھانا لے جاؤ مجھے ضرورت نہیں۔ یہ تو مکھی کے مقابلہ کی تاب نہیں لا سکتے۔

إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوِ اجْتَمَعُوا لَهُ وَإِنْ يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَا يَسْتَنْقِذُوهُ مِنْهُ (حج)

جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو سارے مل کر بھی ایک مکھی نہ بنا سکیں گے اور اگر ان سے کچھ چھین کر لے جائے تو اسے چھڑا نہ سکیں گے۔

خود ہمیں کئی دفعہ مکھی ستاتی ہے آپ تنگ آکر اس کا کام تمام کرنا چاہتے ہیں وہ فوراً دوسری جگہ بیٹھ کر کاٹنے لگتی ہے اور پھر اپنے آپ کو ہی لگ جاتا ہے اور اس طرح بڑے بڑے بزرگوں سے بھی ہو جایا کرتا ہے۔

قبر پرستی

بتوں کے پجاری ہوں یا قبروں کے مجاور دعا وپکار سے مقصد سب کا یہی ہوتا ہے کہ ان کی شفاعت ہو جائے۔ شرک کا کارخانہ

بس شفاعت پر قائم ہے اور یہ نامعلوم کوشش ہے زندہ کی سفارش یقینی نہیں ہوتی پتھر کی مورتیوں اور مٹی کی ڈھیریوں کی سفارش کا تو ذکر ہی کیا ہے ان سے آس لگانا شرک محض ہے انبیاء نے بعض دعائیں کیں لیکن قبول نہ ہوئیں ہم دعا کر کر تھک جاتے ہیں شنوائی نہیں ہوتی بارش رک جاتی ہے سارے جہان کے ولی زور لگا بیٹھتے ہیں خدا کو منظور نہ ہو تو نہیں ہوتی۔ اسی طرح ایک مجتہد جو کتنا بڑا عالم ہوتا ہے اور اپنے علم سے قوم کو بہت فیض پہنچاتا ہے اس کے متعلق بھی مانا ہوا مقولہ ہے ــــــ قد یخطئ و قد یصیب کبھی غلط اور کبھی صحیح کہتا ہے۔

اسباب کی بے چارگی

اس دنیائے ہست و بود میں پائے جانے والے اسباب ہماری سمجھ سے متعلق ہوں یا اس سے ماورا، قانونی حیثیت نہیں رکھتے۔ حالات ہر طرح سازگار ہوں تو بھی کسی بات کا دعویٰ غیر ممکن ہے حالات موافق بھی رہیں تو بھی یہ صف کی صف پڑی بے کار رہ جاتی ہے اور جب خدا فضل کرنے پر آئے حالات کتنے ہی سنگین اور مخالف ہوں پروا نہیں کنواری مریم کے مسیح پیدا ہو گیا (علیہما السلام) اور حضرت زکریا علیہ السلام کی جوانی روتے رونے گذر گئی مگر یحییٰ بیٹا بڑھاپے میں نصیب ہوا۔ ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ اسمٰعیل اور اسحاق علیہما السلام ضعیف العمری کی اولاد ہیں خدا کسی خشک اور عمر رسیدہ پودے کو ثمر دار کر دے تو اس کے لیے کیا رکاوٹ ہے رحمۃ اللہ و برکاتہٗ علیکم اہل البیت۔ خدا نہ چاہے تو دنیا ادھر کی ادھر ہو جائے کچھ نہیں ہو سکتا کتاب ذہن سے یہ ورق اکھاڑ پھینکئے کہ اللہ کی مرضی کے بغیر بھی کوئی نفع نقصان پہنچا سکتا ہے۔

انبیاء بے بس ہیں

پانی دم بہ دم چڑھ رہا تھا پہاڑوں کی چوٹیاں زیر آب ہو رہی ہیں اور بیٹا باپ کی نظروں کے عین سامنے ہچکیاں کھا رہا تھا اس وقت کشتی سے آواز بلند ہوتی ہے۔

رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَھْلِیْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِیْنَ ۝

میرے آقا! یقیناً میرا بیٹا میرے اہل سے ہے اور تیرا وعدہ برحق ہے اور تو احکم الحاکمین ہے۔

یہ حضرت نوح علیہ السلام کی خدا کے سامنے ایک نہایت ہی عاجزانہ درخواست تھی جنہوں نے ساڑھے نو سو سال اپنے رب کی تبلیغ کی تھی دن دیکھا نہ رات، برابر خدمت میں مصروف رہے جب لخت جگر کی جان بخشی کے لیے درخواست گذار ہوتے ہیں تو سخت جھاڑ پلا دی جاتی ہے اور اتنا صاف جواب ملتا ہے کہ مزید کچھ کہنے کا حوصلہ ہی نہیں رہتا اور معافی مانگ کر پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔

حشر کے دن ابوالانبیاء ابراہیم علیہ السلام باپ کے لیے فریادی ہوں گے تو بات نہیں مانی جائے گی۔

رحمۃ للعلمین صلی اللہ علیہ وسلم کی دلی تمنا تھی کہ سب راہ راست پر آجائیں لیکن فرمایا:

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰاهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ

ہدایت دینا آپ کا کام نہیں خدا جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔

آیت کی عمومیت

عام طور پر سمجھا جاتا ہے لا یضر ولا ینفع۔ کا تعلق بتوں یا مردوں کے ساتھ ہی ہے میرے نزدیک جینے والے بھی رتی بھر نفع ونقصان کے مالک نہیں یہ پرخلوص دعا، دردمندانہ اپیل، عاجزانہ درخواست اور سوز بھری شفاعت تو کر سکتے ہیں لیکن قبولیت کا کلی اختیار خدائے واحد کی ذات کو ہے۔

احد میں کیا گذری

حالات دیکھتے ہوئے احد میں فتح یقینی تھی لیکن جو ہوا وہ توقع کے خلاف تھا ستر صحابہ شہید اور اتنے ہی زخمی ہو گئے حالانکہ اسی لشکر میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بابرکت ذات جلوہ فرما تھی۔ عظیم القدر صحابہ بھی موجود تھے جن کا رتبہ اولیاء سے کئی چند زیادہ ہوتا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال تھا کہ آگے کے چاروں دانت شہید ہو چکے تھے[1]۔ علیؓ پانی لا رہے تھے فاطمۃ الزہراء

---

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صرف ایک رباعی دانت شہید ہوا تھا جو نیچے کی قطار میں درمیان کے دو دانتوں کے (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

زخم دھو کر مرہم پٹی کر رہی تھیں اور سردار کونین صلی اللہ علیہ وسلم بصد غم فرما رہے تھے۔

اشتد غضب اللہ علی قوم دموا وجہ نبی اللہ (بخاری)

اس قوم پر اللہ کا غضب شدید ہو گیا جس نے اللہ کے نبی کے چہرہ کو لہولہان کر دیا۔

پکارنا بھی عبادت ہے

یعید کی بجائے ید عوا کا لفظ مظہر ہے کہ غیر اللہ کو پکارنا بھی شرک ہے کیونکہ دعا عبادت ہے۔

اسی لیے مفسرین غیر اللہ کو مدد کے لیے پکارنا ہو بہو بت کے آگے سجدہ ریز ہونے کے مترادف سمجھتے ہیں۔

یا : بعض لوگ کہتے ہیں "یا" سے کیا ہوتا ہے۔ بحث "یا" میں نہیں بلکہ اس ذہنیت میں ہے جو اس کے پیچھے کارفرما ہے۔ یہ صحیح ہے کہ بعض اہل توحید نے بھی اپنے کلام میں غائبین کو حرف ندا سے پکارا ہے لیکن وہ انہیں معبود نہیں تصور کرتے تھے کبھی انہوں نے اس طرح نہیں کہا تھا یا شیخ اجمیری کشتی پار کر میری ــــــ غیر اللہ کو نفع نقصان کے لیے یاد کرنا سراسر گمراہی اور بہت بڑی بھول ہے۔

صبح کا بھولا شام کو گھر لوٹ آئے تو اسے بھولا نہیں کہتے لیکن شرک کی وادیوں میں کھویا ہوا انسان بھٹک کر بہت دور جا پہنچتا ہے وہ ناممکن الحصول چیز کے پیچھے پڑا ہے

كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ إِلَى الْمَاءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهِ وَمَا دُعَاءُ الْكٰفِرِيْنَ إِلَّا فِي ضَلٰلٍ

اس شخص کی مانند جس نے اپنی ہتھیلیاں پانی کی طرف پھیلا رکھی ہوں تاکہ پانی خود بخود اس کے منہ کو پہنچ جائے حالانکہ وہ کبھی پہنچنے والا نہیں اور کافروں کی پکار سراسر گمراہی میں ہے۔

ضرہ اقرب من نفعہ جنہیں یہ مدد کے لیے پکارتے ہیں وہ تو نفع یا نقصان پہنچانے کی طاقت نہیں رکھتے لیکن یہ شرک کے ذریعے اپنا بیڑا ضرور غرق کر لیتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ) ساتھ دائیں طرف ملتا ہے دیکھیے صحیح بخاری باب ما اصاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الجراح یوم احد کے تحت قسطلانی اور دوسرے شارحین بخاری کا بیان (راز عبد السلام)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ جمعہ ۱۶ اگست ۱۹۶۳ء مرتب: چودھری عبدالواحد صاحب

چھ گروہ

جن کا فیصلہ دربارِ خداوندی میں ہوگا

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِئِينَ وَالنَّصَارَىٰ وَالْمَجُوسَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا إِنَّ اللَّهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ وَكَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ ۖ وَكَثِيرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ۗ وَمَنْ يُهِنِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُكْرِمٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ ۝ سورہ حج آیت ۱۷-۱۸

جو لوگ ایمان لائے اور جو یہودی ہوئے اور صابئی اور نصاریٰ اور مجوسی اور جن لوگوں نے شرک کیا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان سب کے درمیان فیصلہ کرے گا بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے۔ کیا نہیں دیکھتے تم کہ اللہ کو سجدہ کرتے ہیں جو کوئی آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور سورج اور چاند اور تارے اور پہاڑ اور درخت اور جانور اور بہت سے انسان بھی اور بہت سے ایسے بھی جن پر عذاب ثابت ہو چکا ہے اور جس کو خدا ذلیل کرے اس کو عزت دینے والا کوئی نہیں ہے اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

پہلے ذکر اس طرح آ رہا تھا کہ اہلِ شرک یہ کہتے تھے اور یقین رکھتے تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی مدد اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہو رہی ان کی نظر تمام تر ظاہری امور کی طرف تھی وہ دیکھتے تھے کہ اکثریت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہے تمام عرب و عجم دشمن ہے ظاہری شان و شوکت انہیں حاصل نہیں مال و اسباب دنیا کی شدید کمی ہے

فرمانروائی وبادشاہی بھی نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ کی مدد بھی شامل حال نہیں ہے اور نہ ہوگی اگر مدد ہوتی تو حالات بالکل مختلف ہوتے۔

ہمیشہ دنیا پرستوں کا دستور یہ رہا ہے اور اب بھی ہے کہ ان کا تمام تر انحصار دنیاوی وسائل پر ہوتا ہے مال و دولت اور اسباب دنیا سے ان کی نظر آگے کبھی بڑھنے نہیں پاتی حالانکہ یہ حقیقت ہے اور تجربہ سے بھی ثابت ہے کہ حق کے رستہ میں اسباب دنیا کی کمی کبھی رکاوٹ نہیں بنی اور باطل کو تباہ ہونے سے مال و متاع کی بہتات کبھی نہیں بچا سکی جو شخص یہ خیال کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی مدد نہیں کرے گا اس کا یہ خیال غلط ہے وہ اپنی طرف سے کوشش کرلے کہ رسول کی مدد نہ ہو، اللہ تعالیٰ ضرور مدد کرے گا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قیامت کے روز دوٹوک فیصلہ کیا جائے گا اور اختلاف کی حقیقت واضح ہو جائے گی اس آیت میں چھ گروہوں کا ذکر کیا ہے۔

۱۔ آمنوا

سب سے پہلے آمنوا یعنی ان لوگوں کا ذکر ہے جو ہر زمانہ میں اللہ کو مانتے رہے ہیں اور اس کے بھیجے ہوئے نبیوں اور کتابوں کو مانتے ہیں اور نہ صرف ماننے والے ہیں بلکہ اپنی عملی زندگی میں ان تمام ہدایات پر عمل بھی کرتے ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ نے نازل کیں اور جن پر انبیائے کرام عمل کر کے دکھا گئے۔

۲۔ وَالَّذِيْنَ هَادُوْا

اور وہ جو یہودی ہوگئے یہ نہیں کہ یہودی تھے بلکہ بعد میں بن گئے تھے ابتدا میں یہ امت مسلمہ ہی میں سے تھے اب یہ ایک ایسی جماعت ہے جو بالکل باغی ہے اپنے ابتدائی وقت میں یہ بالکل درست تھے یہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رسول مانتے ہیں۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو دعوت پیش کی تھی تو صورت حال کیا تھی؟ فرعون کے پاس ہر طرح کے دنیوی اسباب تھے۔ حکومت، مال و دولت اور قوت عددی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وہی حالت تھی۔ جو اسلام کے ابتدائی دور میں مالی لحاظ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی نہ ان کے پاس مال و دولت تھی نہ حکومت نہ اکثریت کی حمایت — لیکن کیا فرعون کو یہ چیزیں تباہی سے بچا سکیں۔ ایسا نہیں ہوا بلکہ جب آخری مقابلہ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو غرق

کر کے ایک بے دست و پا قوم کو دنیا کے مشارق و مغارب کا مالک بنا دیا۔ وَكَذٰلِكَ نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ۔

۳۔ وَالصّٰبِئِيْنَ

صابئی کون تھے ؟ اس ضمن میں اقوال مختلف ہیں بعض نے کہا اس سے مراد ایسا گروہ ہے جس کا دعویٰ یہ تھا کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پیروکار ہیں بعض نے کہا کہ ستاروں کو پوجنے والے ہیں بعض نے کہا ہے کہ لا مذہب و بے دین ہیں یہ تمام مذاہب سے بیزار تھے اور مذاہب کے دل پسند امور و عقائد کو ملا کر انہوں نے ایک خود ساختہ دین بنا دیا تھا جس میں ہر دین کی کوئی نہ کوئی چیز شامل کر لی گئی تھی۔ یہ عرب اور ایران کے سرحدی علاقہ میں آباد تھے ایک گروہ نے کہا ہے کہ یہ ایک اباحی فرقہ تھا انہوں نے ہر قسم کی قیود سے بغاوت کر رکھی تھی۔ اور حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی تمام پابندیوں کو غلط قرار دے دیا تھا۔

۴۔ وَالنَّصٰرٰی

نصارٰی یعنی عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ماننے کا دعویٰ کرنے والے اپنے وقت پر یہ بھی ایک درست جماعت تھی لیکن حضرت مسیح علیہ السلام کی غلط محبت میں انہوں نے دین کو مسخ کر کے رکھ دیا اور عقیدہ توحید میں بگاڑ پیدا کر دیا ان لوگوں کو حضرت مسیح علیہ السلام سے غلط دعویٰ محبت نے راہ راست سے بھٹکا دیا۔ انہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دیا اور تثلیث کا عقیدہ گھڑ لیا یہ سب کچھ دین کے ٹھیکیداروں کا کیا کرایا ہے جنہوں نے دین کو دین نہیں بلکہ مال و دولت کے حصول کا ذریعہ بنا لیا اور وہی کاروبار شروع کر دیا جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے اسی کے متعلق فرمایا ہے:

اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ

۵۔ وَالْمَجُوْسَ

آتش پرست۔ یہ لوگ پورے ایران میں آباد تھے اپنے آپ کو زرتشت کے پیرو مانتے تھے ان لوگوں نے خدا کو انسان پر قیاس کیا اور کہا کہ جس طرح انسان سے ایک ہی وقت میں دو متضاد کاموں کا ہونا ممکن نہیں کسی انسان سے یہ امید نہیں کی جا سکتی کہ وہ ایک ہی وقت میں راضی بھی ہو اور اسی وقت

میں ناراض بھی ہو ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کوئی آدمی خوش ہے اور کوئی غم گین۔ تو یقیناً دو خدا ہیں ایک خوشی کا اور ایک غمی کا۔ ایک روشنی کا اور ایک تاریکی —— اہرمن اور یزدان۔

۶۔ والذین اشرکوا

یہ وہ مخلوق ہے جو خدا کو ماننے کے باوجود سب سے زیادہ خدا پر ہی بدگمان ہے یہ خدا کو با اختیار نہیں مانتے اگر یہ یقین ہو کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے اور جب چاہے جس طرح چاہے اور جیسے چاہے کر سکتا ہے تو شرک کرنا ممکن نہیں رہتا۔

یہ لوگ خدا سے مایوس ہوتے ہیں اور تبھی دوسرے درباروں کا رخ کرتے ہیں۔ انبیاء کرام، صلحائے امت اور اولیائے کرام نے بے حد کوشش کی کہ بدگمانی خدا کے متعلق دور ہو جائے لیکن دور نہ ہو سکی۔

یہ خدا تعالیٰ کو تو مانتے ہیں لیکن ایک چور دروازہ رکھ لیتے ہیں کہ خدا پر کسی طرف سے دباؤ بھی ڈالا جا سکتا ہے اور کام اس طرح نکالے جا سکتے ہیں۔ مومنوں کا عقیدہ صاف ہے۔ لا شریك له۔

ان چھ گروہوں میں جو اختلافات ہیں ان کا فیصلہ قیامت کے روز خود خالق کائنات کریں گے غور کا مقام ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تمام عمر صرف کر دی کہ نظریاتی اختلافات ختم ہو جائیں لیکن ختم نہ ہو سکے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جیسی فصاحت اور بلاغت حاصل تھی جو مقام تقدس اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کر رکھا تھا آپ میں جو بھرپور اخلاص موجود تھا اور جو اخلاقی رفعت حاصل تھی اس کے باوجود فرقہ پرستی کی پوری جڑ نہ کٹ سکی اور عملاً باقی رہ گئی چنانچہ فرمایا ہے کہ "تیرا رب ان سب کا فیصلہ یوم الدین کو کر دے گا"۔ یہ فیصلہ حتمی اور آخری ہوگا ہر ایک پر اپنے نظریات کی غلطی نمایاں ہو جائے گی اور جزاء وسزا ہو گی۔

ایک آدمی قتل کرتا ہے اور مقتول کے ورثاء اس پر دعویٰ کرتے ہیں معاملہ عدالت میں چلا جاتا ہے شہادتیں ہوتی ہیں وکلاء ہر دو فریق کو تسلی دیتے رہتے ہیں لیکن بالآخر فیصلہ عدالت ہی کرتی ہے اور آخری فیصلہ کرتی ہے مجرم کو جیل بھیج دیا جاتا ہے۔ اسی طرح

آخرت کا فیصلہ ہے جو اللہ تعالیٰ خود کریں گے آخرت میں اگرچہ سب قسم کے گواہ ہوں گے لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ خود گواہ ہے۔ ان اللہ علیٰ کل شئی شہیدا۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یَسْجُدُ لَہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ۔۔۔۔ اِنَّ اللّٰہَ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ

یَسْجُدُ کا مطلب یُطِیعُ ہے۔ یعنی ہر چیز اللہ کے حکم کے تابع ہے زمین اور آسمان کی ہر چیز اس معنی میں خدا کو سجدہ کر رہی ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس کے لیے جو کام جس طرح مقرر کر دیا ہے وہ اس کے مطابق سر تسلیم خم کئے ہوئے ہے تمام مخلوق اس کے قانون (قانون فطرت) کی پابند ہے چار و ناچار اس پر چل رہی ہے خدا کا انکار کرنے والے بھی اگر چاہیں کہ اس معنی میں خدا کے قانون سے بھاگیں تو یہ ممکن نہیں ۔۔۔۔۔۔ ہر چیز خدا کی اس طرح مطیع ہے اور خدا کو سجدہ کر رہی ہے۔

انسانوں میں بھی کافی لوگ اپنی خوشی سے خدا کو سجدہ کرتے ہیں لیکن ایسے بھی ہیں جو باغی ہیں اور عذاب کے حق دار ہیں لیکن اس کے باوجود خدا کے قانون کے آگے سر جھکائے ہوئے ہیں کہ بعض امور میں فرار ممکن نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو قانون فطرت بنا دیا ہے اس کی اطاعت ناچار ان کو بھی کرنی پڑتی ہے چاہے یہ اطاعت ان کو کوئی فائدہ نہ دے بلکہ اور ذلیل کر دے۔ فَمَا لَہٗ مِنْ مُّکْرِمٍ۔

والحمد للہ رب العلمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خطبہ جمعہ ——— ۲۳ اگست ۱۹۶۳ء ——— مرتب، چودھری عبدالواحد صاحب

شرک ظلم عظیم ہے

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ۝ (سورہ حج آیت ۱۸)

کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ کو سجدہ کرتے ہیں سب جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور جانور اور بہت سے انسانوں میں سے اور بہت پر عذاب ثابت ہو چکا ہے اور جس کو اللہ ذلیل کر دے اسے کوئی عزت دینے والا نہیں۔ اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

اس سے قبل کی آیت میں ان تمام مذاہب کا ذکر تھا جو کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں موجود تھے ہر زمانہ میں مختلف فرقے اور مذاہب رہے ہیں اور ہمیشہ ان میں اختلافات بھی رہے ہیں اختلافات اگر تعصب اور عناد پر مبنی نہ ہوں اور ان کی وجہ سے ضد اور تصادم نہ پیدا ہو جائے اور دیانت داری باقی ہو تو ان کا حل نکل آتا ہے اور کسی نہ کسی فیصلہ پر پہنچا جا سکتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کے فرقوں میں سخت قسم کا تعصب، تصادم اور بد دیانتی اختلافات کے حل کی راہ میں حائل ہیں اسی لیے قرآن میں بتایا گیا ہے کہ ان کا عملی فیصلہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہی کریں گے۔ اس دنیا میں ان کا فیصلہ ممکن نہیں ہے۔

دنیا میں ہر آن مختلف قسم کے نزاعات پیدا ہوتے رہتے ہیں ان کو حل کرنے کے لیے

اگر دیانت داری سے کوشش کی جائے اور کسی تعصب کو حائل نہ ہونے دیا جائے تو کوئی نہ کوئی فیصلہ ہو جاتا ہے لیکن اگر ایک فریق کا ارادہ ہی اختلافات ختم کرنے کا نہ ہو تو ایسا ہونا ممکن ہی نہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ قیامت کے دن ان سب کا فیصلہ ہوگا۔

فرقہ پرستی اور فرقہ پروری بعض دفعہ عذاب کی صورت بن جاتی ہے ماحول اور مشکلات ایسی ہوتی ہیں کہ ان کا حل نظر نہیں آتا۔ بلکہ یہ خرابی بڑھتی ہی جاتی ہے چنانچہ ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے مختلف عذابوں سے ڈراتے ہوئے فرمایا ہے۔ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا یا وہ بطور عذاب تمہیں فرقوں میں بانٹ دے ـــــ اور یہ عذاب سب سے زیادہ تکلیف دہ ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ........ اس دنیا میں جس قدر کائنات ہے سورج، چاند، زمین و آسمان اور ان کے اندر بسنے والے تمام جاندار و بے جان سب اللہ تعالیٰ کو سجدہ کر رہے ہیں اور بہت سارے انسان بھی۔

یہاں دو تین امور قابل غور ہیں ـــــ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اَلَمْ تَرَ فرمانا یہاں رؤیت سے کیا مراد ہے۔ ظاہر ہے کہ ہم جس طرح حد نظر میں موجود اشیاء کو دیکھ سکتے ہیں۔ اور دیکھتے ہیں اسی طرح رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرامؓ اور مشرکین بھی دیکھتے تھے لیکن یہاں آنکھوں سے دیکھنے سے زیادہ جاننا اور سمجھنا مراد ہے قرآن مجید خود اس بات پر شاہد ہے ایک جگہ کہا ہے ؛

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ۔

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا۔

جس وقت اصحاب فیل کا واقعہ ہوا اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم موجود نہ تھے بلکہ صحیح روایات کے مطابق پیدا بھی نہ ہوئے تھے یہاں دیکھنا مراد نہیں بلکہ جاننا مراد ہے اصحاب فیل کا واقعہ ایک قریبی زمانہ کا حادثہ تھا ابھی اس کے نشانات بھی موجود تھے اس لیے اس کو خوب جانتے تھے۔

حضرت ابوبکرؓ کا بیان ہے کہ انہوں نے ابابیل کی رنگ بدلی ہوئی بیٹیں دیکھی ہیں تو یقیناً اس سے مراد جاننا اور سمجھنا ہی ہے۔

ایک فرقہ کے بعض علماء اَلَمْ تَرَ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر ناظر بنانے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔ ایسا سمجھنا غلط ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی وامی کو اعلیٰ سے اعلیٰ مقام اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے۔ اس قدر اعلیٰ کہ اللہ تعالیٰ کے بعد آپ ہی کا مقام ہے لیکن دنیا کے اندر ان کے حاضر ناظر ہونے کا کوئی مقصد ہے اور نہ فائدہ یہ ایک ایسا عقیدہ ہے جو عقلی اور نقلی ہر طرح سے غلط ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا ہے اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یَسْجُدُ لَہٗ ۔۔۔۔۔ زمین وآسمان اور ما فیہا اللہ کو سجدہ کر رہے ہیں کوئی آدمی اس سجدہ کو دیکھ نہیں سکتا۔ یہاں اَلَمْ تَرَ کا مطلب " الم تعلم " ہے رؤیت بمعنی علم ہے۔

تمام کائنات اللہ کے تابع حکم ہے آسمان میں کس قدر اور کیسی کیسی مخلوق ہے اس کا علم ہمیں نہیں ہے فضا کی مخلوق کا پتہ کرنے کے لیے انسان نے انتہائی کوشش کی ہے لیکن جو اندازہ لگایا ہے وہ بھی انتہائی کم ہے سمندر کے اندر کس قدر مخلوق ہے اس کا اندازہ ایک غوطہ زن ایک حد تک کر سکتا ہے زمین کے اندر اور باہر بے شمار مخلوق ہے جو ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کو سجدہ کر رہی ہے اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ علم اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق اس امر کو ہم جانتے اور مانتے ہیں اللہ تعالیٰ کو ہم نے آنکھوں سے نہیں دیکھا لیکن اس کے باوجود ہم اسے مانتے ہیں۔

" یَسْجُدُ " سجدہ کر رہے ہیں۔ سجود کا مطلب کیا ہے ایک سجدہ وہ ہے جو آپ نماز میں کرتے ہیں قبلہ رخ ہو کر ماتھے کو زمین پر رکھتے ہیں اور سارے جسم اور اعضاء کو جھکاتے ہیں ایسا سجدہ تو وہی مخلوق کرے گی جن کو ایسے اعضاء دیئے گئے ہیں۔

اب یہ امر ظاہر ہے کہ زمین وآسمان کے ایسے اعضاء نہیں ہیں اس لیے وہ اس طرح سجدہ تو نہیں کر سکتے تو ان کے سجود کا مقصد کیا ہے؟ ان کے سجدہ کی نوعیت اتباع حکم الٰہی ہے یہاں " یَسْجُدُ " کا مطلب " یطیع و ینقاد " ہے اس لیے سجدہ کی واضح شکل اور طریقہ معین کرنا ممکن نہیں ہے اس کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں جو جو کام اللہ تعالیٰ نے ان کے ذمہ لگایا ہوا ہے اس کو پورا کر رہے ہیں۔ اس طرح زمین وآسمان اور ما فیہا اپنے

خالق کو سجدہ کر رہے ہیں۔

مشرک یہ سب کچھ دیکھتا ہے لیکن اس کو اس نظام میں کوئی نشان ایسا نظر نہیں آتا جو اس کو خدا تک پہنچا دے۔

مشرک یہ تو مانتے تھے کہ یہ سب چیزیں خدا نے بنائی ہیں لیکن پرستش کے وقت مخلوق کو بھی سجدہ کا حق دار بنا لیتے تھے یہ بالکل بے عقلی ہے مخلوق کا مخلوق کو سجدہ کرنا بالکل غلط ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کا واقعہ ہے کہ ایک بدوی سے گفتگو کر رہے تھے کہ دوران گفتگو اس نے اللہ کا نام لیا۔ آپ نے اس سے پوچھا "تو اللہ کو کس طرح پہچانتا ہے؟" اس نے جواب دیا کہ یہاں راستہ میں اونٹ کی لید پڑی ہوئی دیکھتا ہوں تو اونٹ کو دیکھے بغیر فوراً سمجھ لیتا ہوں کہ یقیناً اونٹ کی ہے اور اونٹ اس راستہ سے گزرا ہے۔ پاؤں کے نشان کی لمبائی سے آدمی کے قد کا اندازہ کر لیتا ہوں تو جب ساری کائنات آسمان وزمین اور دوسری مخلوقات کو دیکھتا ہوں تو اللہ تعالیٰ کو پہچاننا کوئی مشکل ہے؟ ایک بدو فطرت کے مظاہر کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کو جان لیتا ہے لیکن مشرکین اور دہریوں کی عقل پر پردہ پڑا ہوا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام سے کئی سو سال بعد تک شرک کا نام ونشان تک دنیا میں موجود نہ تھا اس کے بعد جب شروع ہوا تو پھر بھی اکثر لوگ شرک نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ حضرت نوح علیہ السلام کا زمانہ آگیا۔ اس وقت اکثریت مشرک ہوگئی علاقوں کے علاقے شرک میں ملوث ہوگئے اور توحید کے ماننے والے قلیل تعداد میں رہ گئے تھے۔

کَثِیْرٌ حَقَّ عَلَیْهِ الْعَذَابُ ۔ یہ وہ گروہ ہے جو دوزخ کا ایندھن ہے ہر نبی سے شرک ٹکر لیتا رہا ہے کبھی شکست کھائی اور پیچھے ہٹ گیا۔ کبھی پھر مسلط ہوگیا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے مشرکین کی تباہی کی دعا کی۔ اور زمین صاف ہوگئی اور پھر برسوں ذکر الٰہی سے معمور رہی۔ لیکن بعد میں پھر شرک شروع ہوگیا اور بت پرستی شروع ہوگئی۔

وَمَنْ یُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ دنیا میں بعض ہستیاں ایسی ہیں جن کی قسمت میں ہی ذلت ہوتی ہے یہ ہمیشہ انبیاء کرام کے طریقہ کی مخالفت کر کے غیر اللہ کی پرستش

کرتے ہیں اور اس طرح ذلّت کا سامان فراہم کر لیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس ذلّت سے بچائے کہ اس کے بغیر کوئی بچانے والا نہیں ہے اور شرک سے محفوظ رکھے کہ فرمایا ہے: اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَاءُ۔ ساری عمر حق کی مخالفت میں گذارنا اور شرک کو لائحہ عمل بنا لینا اور پھر بخشش کی امید رکھنا جَو بو کر گندم کے پھل کی امید رکھنا ہے۔ اللہ تعالیٰ شرک سے بچائے کہ یہ ظلم عظیم ہے۔

اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے کوئی اس کو پوچھنے والا نہیں ہے!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ جمعہ ـــــ ۶ ستمبر ۱۹۶۳ء ـــــ مرتب: چودھری عبدالواحد صاحب

منکرین حق قیامت کے روز

هٰذٰنِ خَصۡمٰنِ اخۡتَصَمُوۡا فِىۡ رَبِّهِمۡ‌ فَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا قُطِّعَتۡ لَهُمۡ ثِيَابٌ مِّنۡ نَّارٍ يُصَبُّ مِنۡ فَوۡقِ رُءُوۡسِهِمُ الۡحَمِيۡمُ‌ ۝ يُصۡهَرُ بِهٖ مَا فِىۡ بُطُوۡنِهِمۡ وَالۡجُلُوۡدُ ۝ وَلَهُمۡ مَّقَامِعُ مِنۡ حَدِيۡدٍ ۝ كُلَّمَاۤ اَرَادُوۡۤا اَنۡ يَّخۡرُجُوۡا مِنۡهَا مِنۡ غَمٍّ اُعِيۡدُوۡا فِيۡهَا وَذُوۡقُوۡا عَذَابَ الۡحَرِيۡقِ ۝

(سورہ حج آیت ۱۹ تا ۲۲)

یہ دو فریق ہیں جنہوں نے اپنے رب کے بارے میں جھگڑا کیا سو جو لوگ کافر ہوئے ان کے لیے آگ کے کپڑے قطع کئے جائیں گے اور اُن کے سر کے اوپر سے تیز گرم پانی چھوڑا جائے گا۔ اس سے ان کے پیٹ کی چیزیں اور ان کی کھالیں سب گل جائیں گی۔ اور ان کو مارنے کے لیے لوہے کے گرز ہوں گے جب کبھی وہاں سے نکلنے کا ارادہ کریں گے تو پھر اسی میں دھکیل دیئے جائیں گے اور کہا جائے گا جلنے کا عذاب چکھو۔

اس سے قبل قرآن عزیز نے چھ گروہوں کا ذکر کیا ہے۔ مسلمان، یہودی، صابئی، مجوس اور مشرک۔ اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کے اختلافات کا فیصلہ قیامت کے دن کرے گا۔ یہاں دنیا میں جھگڑے کی بعض صورتیں ایسی ہوتی ہیں جن کا حل نکل آتا ہے اور معاملات طے ہو جاتے ہیں دنیاوی امور کا تصفیہ عام طور پر ہو جاتا ہے اور بعض دفعہ دینی اختلافات کا حل بھی نکل آتا ہے لیکن بعض دفعہ ذہن ہی بدل جاتے ہیں اور دین کے نام پر شخصیتوں کے اثر اور عناد وضد سے ذہن ماؤف ہوتا ہے ایسی صورت میں افہام و تفہیم بے کار ثابت ہوتی ہے اور کسی اختلاف کا طے ہونا ممکن ہی نہیں ہوتا بلکہ

ع مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔

والا معاملہ بن جاتا ہے اس کے متعلق کہا ہے کہ قیامت کے روز فیصلہ ہوگا جہاں جج، مجرم اور گواہ سبھی موجود ہوں گے۔

اس آیت میں ان چھ گروہوں کو دو گروہ قرار دیا ہے۔ حق کے انکار کے معاملہ میں سب ایک ہیں۔ سارا کفر ایک طرف اور حق اس کے دوسری طرف ہے۔ "الکفر ملۃ واحدۃ" کفر سب مل کر ایک ہی گروہ ہے تمام مذاہب کے ماننے والوں نے ایک ہی کلمہ دعوت حق کے مقابلہ میں کہا تھا۔

مَاسَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْآخِرَةِ اس سے قبل تو ایسی دعوت ہمارے سننے میں نہیں آئی۔

مراد یہ ہے کہ حق کی مخالفت اور انکار میں سب برابر ہیں اس لیے ان کو ایک گروہ قرار دیا ہے چاہے ان کے آپس میں کتنے ہی اختلافات ہیں۔

یہ لوگ کفر کے باوجود بعض اعمال صالحہ کو پسند کرتے ہیں جیسے سچ بولنا، ماں باپ کی فرماں برداری، خیرات دینا لیکن ان کو ایک دینی غرض نہیں سمجھتے بلکہ ایک اخلاقی معاملہ سمجھتے ہیں تعلیم، عقائد اور عمل کا فرق ان کو دو حصوں میں تقسیم کر رہا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متبع اور خادم ایک گروہ اور تمام دشمن ایک گروہ۔

خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا۔ هٰذٰنِ خَصْمٰنِ کے بعد اختصموا کہہ کر ان سب کے اندر جو اختلافات عقائد و اعمال ہیں ان کی طرف اشارہ کر دیا ہے اور جمع کے الفاظ سے تعبیر فرمایا۔

"فی ربھم" یہ نزاع خدا کے معاملہ میں تمہارا ہے۔ کیا اختلاف اور جھگڑا کوئی اچھی بات ہے کیا دونوں غلطی پر ہیں؟ ایسا نہیں ہے۔ ایک گروہ سچائی پر ہے اور ایک غلطی پر۔ ہر جھگڑے کو غلط اور برا کہنا درست نہیں ہے سچائی اور حق کے لیے جھگڑنا اچھی بات ہے۔ اسی طرح تمام اتفاق بھی ٹھیک نہیں ہوتے۔ چور اگر اپنے بد مقصد کے لیے اتفاق کر لیں تو ایسے اتفاق کو توڑا جائے گا۔ امن پسند شہری اور پولیس اس کو برداشت نہیں کریں گے اب ایسے اتفاق کو اچھا نہیں برا کہا جائے گا۔ پورا عرب متفق تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کو دبا دینا چاہیے۔

لیکن اس اتفاق کو پارہ پارہ کیا اس بیے "خصام" ہر لحاظ سے برا نہیں ہوتا۔ مظلوم کے لیے جھگڑنا ثواب ہے۔

باری تعالیٰ کے معاملہ میں ان سب کے اختلافات کیا تھے؟ ان کے ذکر سے قرآن مجید بھرا پڑا ہے۔ ان کے اختلاف کی بے شمار صورتوں کا ذکر کیا ہے۔ بعض دو خدا مانتے تھے۔ بعض خدا کی بیوی اور اولاد مانتے تھے۔ بعض ۳۶۰ خدا مانتے تھے۔ بعض آگ کو سجدہ کرتے تھے۔ ذات اور صفات باری تعالیٰ میں بھی بے شمار اختلافات تھے۔ ان سب کا جھگڑا ایک خدا کو ماننے والوں سے تھا اور ہے۔ گویا کہ ایک طرف اقرار حق اور دوسری طرف انکار حق یعنی کفر تھا۔

فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ۔ اب بتایا ہے کہ کفر کرنے والوں کا انجام کیا ہونے والا ہے۔ جو کچھ اُن کے ساتھ ہونے والا ہے اس کی ایک طرح سے منظر کشی کر دی ہے ان کے لیے آگ کے کپڑے قطع کئے جائیں گے یعنی اس طرح کاٹے جائیں گے کہ بدن پر بالکل فٹ بیٹھیں گے آگ کے کپڑے استعارہ ہے۔ مراد یہ ہے کہ آگ بدن پر محیط ہوگی۔ کوئی حصہ محفوظ نہ ہوگا۔ دوسری جگہ فرمایا۔

سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ان کے لباس گندھک کے ہوں گے اور آگ کے شعلے ان پر چھائے جا رہے ہوں گے۔

يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ۔

ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے گا جس سے ان کی کھالیں ہی نہیں پیٹ کے اندر جو کچھ ہوگا گل جائے گا۔

یہ پانی سر سے پیٹ تک جسم کو جلا دے گا اور پیٹ کے اندر انتڑیوں کو نکال باہر کرے گا چمڑے خراب ہو جائیں گے۔ غم اور اندوہ غیر مرئی نہیں بلکہ مرئی ہوگا۔

وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝

اور لوہے کے ہتھوڑوں سے ان کی خبر لی جائے گی، جب کبھی دوزخ میں سے نکلنے کا ارادہ اور کوشش کریں گے پھر اسی میں داخل کر دیئے جائیں گے آپ اندازہ کریں اس حال کا کہ کفار کے ساتھ کیا بیت رہی ہو گی سارے جسم کو آگ لگی ہوئی ہے گرم پانی سے سر جل رہا ہے چمڑا کٹ کٹ کر گر رہا ہے انتڑیاں گل سڑ کر نکل رہی ہیں لوہے کے ہتھوڑے اور گرزیں ماری جا رہی ہیں جسم کا کوئی حصہ عذاب سے محفوظ نہیں ہے کیونکہ ہر بُرا اور اچھا کام جسم اور رُوح کے اشتراک کے بغیر نہیں ہوتا تھا۔ اس لیے عذاب میں دونوں کا اشتراک لازم تھا ـــــ عذاب کی یہ حالت ہے گھبرا کر اس سے بھاگنا چاہیں گے۔ لیکن یہ بھی ممکن نہ ہو گا۔ داروغہ جہنم کو امداد کے لیے پکاریں گے:

يَا مَالِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ جواب سختی سے دیا جائے گا اور خاموش ہونے کے لیے کہا جائے گا اور کلام سے ہی روک دیا جائے گا اور " ذوقوا عذاب الحریق " کا مژدہ ہی سنایا جائے گا۔

یہ تو ان لوگوں کی حالت کا ذکر تھا جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی۔ اب ایمانداروں کی دوسری طرف کیا حالت ہو گی؟ اس کا ذکر ہے:

إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَلُؤْلُؤًا وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ وَهُدُوا إِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ وَهُدُوا إِلَى صِرَاطِ الْحَمِيدِ ۝ سورہ حج آیت ۲۴

یہ لوگ ایماندار ہیں۔ خدا کو مانتے ہیں اس کی وحدانیت کے قائل ہیں ذات اور صفات میں اسے یکتا سمجھتے ہیں مخلوق خدا کو خدائی کا رتبہ نہیں دیتے رسول کو اپنا رہبر مانتے ہیں ان کی زندگی، اعمال صالحہ کا مجموعہ رہی ہے۔ برائیوں سے بچتے رہے ہیں۔ ایسے گروہ کے لیے جنت کا انعام ہے جہاں روح کے لیے تمام آسائشیں ہوں گی جسم

کے لیے تمام زیبائشیں ہوں گی ہر قسم کے کھانے ہوں گے۔ رفاہیت کے تمام سامان ہوں گے۔

یہ سب کچھ کیوں؟ هُدُوا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ وَهُدُوا اِلَى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ۔ انہوں نے پاکیزہ بات (کلمہ طیبہ اور عقیدہ صالحہ) کو قبول کیا اور انہوں نے صراط مستقیم کو اختیار کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ جمعہ ——— ۱۳ ستمبر ۱۹۶۳ء ——— مرتب: چودھری عبدالواحد صاحب

بیت اللہ اور اس کی حدود عزت و احترام

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِیْ جَعَلْنٰہُ لِلنَّاسِ سَوَآءَنِ الْعَاکِفُ فِیْہِ وَالْبَادِ وَمَنْ یُّرِدْ فِیْہِ بِاِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُّذِقْہُ مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝ (سورۃ حج آیت ۲۵)

جو لوگ کافر ہوئے اور اللہ کے راستہ اور مسجد حرام سے روکتے ہیں جسے ہم نے تمام لوگوں کے لیے بنایا ہے کہ اس میں سب برابر ہیں۔ اس میں رہنے والا بھی اور باہر سے آنے والا بھی اور جو بھی اس (مسجد) میں راستی سے ہٹ کر ظلم کا طریقہ اختیار کرے گا ہم اسے دردناک عذاب دیں گے

سورۂ حج کے شروع سے اس مقام تک حق اور باطل کی جنگ اور آویزش کا ذکر چلا آرہا تھا اور ہر فریق کا جو انجام ہونے والا ہے اس کا بیان بھی ہو چکا ہے اب ان آیات میں کفار مکہ کا ذکر ہے ایسے لوگ جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو ماننے سے انکار کر چکے ہیں اور اب بھی اسی روش پر قائم ہیں یعنی خود بھی ماضی و حال میں کفر کا راستہ اختیار کئے ہوئے ہیں اور اللہ کے راستہ سے دوسروں کو روک رہے ہیں اور ماضی قریب و بعید میں ان کا عمل یہی رہا ہے۔

ضد اور عناد قبول حق کی راہ میں سخت رکاوٹ ثابت ہوتا ہے اور اس کی مختلف صورتیں ہیں لوگ اطمینان سے زندگی بسر کر رہے ہوتے ہیں کہ ایک غلط آدمی اس طرح ضد اور عناد اختیار کرتا ہے کہ لوگوں میں تفریق کرا دیتا اور زمین میں فساد برپا ہو جاتا ہے پارٹی بازی ہو جاتی ہے امن پسند آدمیوں کی اکثریت ہوتی ہے لیکن وہ شرارت پسندوں کے خوف سے خاموش ہو جاتے ہیں۔

امام احمد بن حنبلؒ سے ایک شخص نے سوال کیا تھا کہ آپ جن لوگوں کو بدعتی کہتے ہیں ان کے ساتھ بھی لوگ ہیں اور آپ کے ساتھ بھی ہیں اب کس طرح پتہ چلے کہ کون حق پر ہے؟ امام صاحبؒ نے جواب دیا تھا کہ جنازہ کے دن ان کا اور ہمارا فرق ظاہر ہو جائے گا۔ امام احمدؒ کی وفات کے بعد ان کے جنازہ میں لاکھوں مسلمان شریک ہوئے اور جنازہ سے متاثر ہو کر کئی ہزار یہودی مسلمان ہو گئے تھے امام احمدؒ کے مخالف بھی فوت ہوئے لیکن کسی کو خبر بھی نہ ہوئی۔

کفار مکہ ایک تو خود کافر تھے۔ دوسرے اللہ کے راستہ (اسلام) سے لوگوں کو روکتے تھے اسلام سے لوگوں کو روکنے اور برگشتہ کرنے کے لیے ہر طریقہ اور حربہ ان لوگوں نے استعمال کیا۔ ابو جہل اور ابو لہب نے کس طرح مخالفت کی۔ اسی طرح علمائے یہود نے بھی علانیہ مخالفت کی اور اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکتے تھے اور مسلمانوں کو ایمان سے برگشتہ کرنے کی کوشش کرتے رہے بیت الحرام کو مسلمانوں کے لیے بند کر دیا کوئی مسلمان وہاں جا کر نماز نہیں پڑھ سکتا تھا لوگوں کو کس طرح سے روکتے اور اسلام کے قریب نہ جانے دیتے تھے؟ اس کا اندازہ کرنے کے لیے آپ حضرت ابوذر غفاریؓ کے اس واقعہ پر غور کریں۔

یہ مکہ سے دُور ایک گاؤں میں رہتے تھے اور بکریاں چرانے تھے اسلام کی دعوت ان کے کان میں پڑی تحقیق حال کے لیے انہوں نے اپنے بھائی کو مکہ روانہ کیا اس نے سرراہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی لیکن ملاقات مختصر تھی ماحول اس قدر خراب تھا کہ وہ کھل کر بات نہ کر سکے اور چند باتیں سن کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک طرف ہو گئے کہ مبادا کوئی والے دیکھ لیں۔ انہوں نے واپسی پر ابوذر غفاریؓ کو ملاقات کے وقت بتایا لیکن کوئی واضح بات نہ بتا سکے۔ کہا وہ آدمی دیکھنے میں نہ تو شاعر ہے نہ ساحر۔ اس کے کلام میں اثر ہے۔ جادوگروں سے اوپر کے درجہ کا آدمی ہے لیکن اس سے حضرت ابوذرؓ کی تسلی نہ ہوئی بکریاں بھائی کے حوالے کر کے خود مکہ کا رخ کیا مکہ میں پھرتے رہے اور حرم میں کئی دنوں تک قیام کیا۔ لیکن کوئی آدمی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پتہ تک نہ بتاتا تھا ایک روز انہوں نے دیکھا کہ چند لوگ نئی طرح سے نماز پڑھ رہے ہیں

مگر خوف وہراس اس قدر طاری تھا کہ ان سے پوچھ نہ سکے اس دوران میں حضرت علیؓ کو بھی نماز پڑھتے دیکھا۔ تو ان سے دعویٰ نبوت کرنے والے کے متعلق دریافت کیا۔ اس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں پہنچے اور ملاقات کے بعد مسلمان ہوئے۔ اور مکہ والوں سے اس قدر مار کھائی کہ ساری عمر یاد رہی ـــــ اس طرح سے یہ لوگ اللہ کے راستہ کی طرف لوگوں کو آنے سے روکتے رہے۔

والمسجد الحرام۔ ائمہ تفسیر نے اس کے مطلب میں اختلاف کیا ہے بعض نے کہا ہے کہ "والمسجد الحرام" سے مراد بیت اللہ کی چار دیواری ہے بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد مکہ شہر کی آبادی کی حدود ہیں بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد حرم کی حد ہے مسجد حرام سے روکنا یہ ہے کہ ذہن میں اس مسجد کی عزت اور وقار نہ ہو۔ مکہ کے اندر لڑنا منع ہے کسی کی بے عزتی کرنا منع ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ مسجد کی حد کیا ہے ؟ جواب میں فرمایا کہ مسجد کی حد جس قدر زیادہ ہو وہ مسجد میں ہی شمار ہو گی۔ جتنی بھی توسیع ہوتی رہے وہ مسجد ہی شمار ہو گی۔

سَوَاءَنِ الْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ۔ ساری دنیا کے مسلمانوں کے حقوق بیت اللہ میں مساوی ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ مقامی آبادی کے حقوق زیادہ ہوں اور باہر سے آنے والوں کا درجہ کم ہو۔ دن اور رات کے کسی حصہ میں ہر آدمی نماز و طواف کے لیے آزاد ہے کوئی پابندی عائد نہیں کی جا سکتی۔ کیا مکہ شہر میں بھی مقامی اور باہر سے آنے والوں کے حقوق یکساں ہیں ؟ اس کے متعلق امام ابوحنیفہ کا قول ہے کہ مکہ کے مکان کسی کی ملکیت نہیں ہیں حضرت عمرؓ نے بھی حکم دے رکھا تھا کہ حج کے زمانہ میں کوئی شخص اپنے گھر کا دروازہ بند نہ کرے۔

عبداللہ بن عمرؓ کا قول ہے کہ جو شخص مکہ کے مکانات کا کرایہ وصول کرتا ہے وہ اپنا پیٹ آگ سے بھرتا ہے۔

عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہے کہ مکہ میں سب کے حقوق برابر ہیں مکہ والوں کو باہر

والوں سے کرایہ لینے کا حق نہیں ہے۔ بہر حال اکثر تابعین اور ائمہ میں سے امام مالکؒ امام ابوحنیفہؒ امام احمد بن حنبلؒ نے کہا ہے کہ مکہ کی زمین کی خرید و فروخت جائز نہیں ہے البتہ بعض نے عمارت کی حیثیت سے ان مکانوں کی خرید و فروخت کو جائز قرار دیا ہے زمین کی بیع نہیں یعنی زمین کے اوپر جو ملبہ وغیرہ ہے اس کو بیچا جا سکتا ہے لیکن مکانات کے متعلق اہل مکہ کو چاہیے کہ حج کے موسم میں بقدر ضرورت جگہ کو روک لیں اور باقی خالی کر دیں۔ تاکہ حاجی بلا معاوضہ استعمال کر سکیں۔ برا ہو انسان کے ذہن نفع خوری کا کہ آج کل مکہ کے لوگ حاجیوں کو کاروباری نظر سے دیکھتے ہیں اور ان سے زیادہ سے زیادہ نفع کمانے کی فکر میں رہتے ہیں اسی طرح بجائے رعایت کرنے کے مکانات کے کرائے بھی زیادہ وصول کرتے ہیں۔

مساجد پر کوئی پابندی نہیں لگانی چاہیے۔ مسجد ہر آدمی کے لیے کھلی رہنی چاہیے قرآن کہتا ہے کہ:

> "اس شخص سے زیادہ کوئی اور ظالم نہیں ہو سکتا جو مساجد کی آبادی کی راہ میں حائل ہے اور لوگوں کو مساجد میں آنے سے روکے اور ادائیگی نماز کے راستہ میں رکاوٹ بنے"۔

عقیل بن ابی طالب نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد مکہ میں ان کے مکانات کو فروخت کر دیا تھا۔ فتح مکہ کے موقعہ پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس بیع کو توڑا نہیں تھا بلکہ رہائش کے متعلق سوال کے جواب میں کہا تھا کہ کیا عقیل نے کوئی مکان چھوڑا ہے کہ میں اس میں رہائش کروں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بیع کا جواز ہے اس لئے جائز اور مناسب کرایہ پر بھی مکان دیا جا سکتا ہے امام بخاریؒ بھی اسی خیال کے مؤید ہیں۔

وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ـــــ اس سے مراد کوئی خاص فعل نہیں ہے بلکہ ہر وہ کام جو ظلم کی تعریف میں آتا ہے اور وہ گناہ جو راستی سے ہٹا ہوا ہے۔ گناہ ہر حال میں برا ہے لیکن حرم کے اندر اس کا ارتکاب اور بھی شدید گناہ ہے۔ مسجد حرام کی حرمت کے احکام خاص ہیں۔

کسی آدمی کو حق نہیں ہے کہ حرم کے باہر کیئے ہوئے قتل کا حرم میں بدلہ لے۔ حرم میں پناہ لینے والوں سے تعرض نہیں کیا جا سکتا۔ اس میں جنگ و جدال حرام ہے۔ بے دینی، کفر، شرک، مصنوعی قحط کا پیدا کرنا، گرانی، شکار کرنا، گری پڑی چیز کا اٹھانا، پرندوں اور جانوروں کو مارنا، قدرتی درختوں کو کاٹنا وغیرہ ایسے کام ہیں جن کے لیے عذاب الیم کی وعید سنائی گئی ہے۔ اللہ ہم سب کو محفوظ رکھے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ جمعہ ۔۔۔ ۱۳ستمبر ۱۹۶۳ء ۔۔۔ مرتب: چودھری عبدالواحد صاحب

بیت اللہ کی طہارت و پاکیزگی

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِي جَعَلْنَاهُ لِلنَّاسِ سَوَاءً الْعَاكِفُ فِيهِ وَالْبَادِ وَمَنْ يُرِدْ فِيهِ بِإِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَنْ لَا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ۝ (سورۃ حج آیت ۲۵، ۲۶)

جو لوگ کافر ہوئے اور جو اللہ کے راستہ سے اور مسجد حرام سے روکتے ہیں جس کو ہم نے سب آدمیوں کے لیے بنایا۔ اس میں سب برابر ہیں اس میں رہنے والے اور باہر سے آنے والے اور جو کوئی اس میں خلاف دین کام ظلم سے کرے گا ہم اس کو دردناک عذاب کا مزہ چکھائیں گے اور جب ہم نے ابراہیم کو خانہ کعبہ کی جگہ بتادی (اور حکم دیا) کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانا اور میرے گھر کو طواف، قیام، رکوع اور سجود کرنے والوں کے لیے پاک رکھنا۔

اس سے قبل ایسے لوگوں کا ذکر ہو چکا ہے جو مسجد حرام سے روکتے ہیں اس ضمن میں وہ لوگ بھی آتے ہیں جو عام مساجد کی بے رونقی کا سبب بنتے ہیں مفسد، ہنگامہ پسند، شرفاء سے لڑنے جھگڑنے والے مختلف طریقوں سے مساجد کی آبادی میں حائل ہوتے ہیں ان کے لیے بھی یہی حکم ہے۔

وَمَنْ يُرِدْ فِيهِ بِإِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ۝

الحاد: بے دینی۔ دین سے بغاوت مراد ہے۔ سیدھی راہ سے ایک طرف ہو

جانا۔ دین کی راہ سے ہٹ جانا مراد ہے۔ لحد۔ اس قبر کو کہتے ہیں جس کی "ساخت" ایک طرف کو بنائی گئی ہے اسی طرح الحاد سے مراد دین سے ہٹ کر نئی راہ اختیار کرنا ہے مفسرین کرام نے گالی گلوچ بدزبانی، ذخیرہ اندوزی، شرک، فساد، ایذارسانی ہر وہ کام جو بیت اللہ کی رونق و آبادی اور حج کے راستہ میں رکاوٹ پیدا کرے ___ کو الحاد میں شمار کیا ہے۔

وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ

زمین کی پیدائش کے بعد کافی عرصہ کرہ ارض بے آباد رہا۔ اس کے بعد سب سے پہلے خانہ کعبہ والی زمین کو فرشتوں نے عبادت گاہ بنایا اس کے بعد حضرت آدم علیہ السلام یہاں اترے اور خانہ کعبہ کی تعمیر کی جس کو بعد میں حضرت آدم علیہ السلام کے بڑے بیٹے شیث نے مکمل کیا یا دوبارہ تعمیر کیا۔ یہ عمارت طوفان نوح علیہ السلام تک محفوظ رہی اور طوفان نوحؑ میں یہ عمارت معدوم ہو گئی۔ بنیادیں تک دب گئیں۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہجرت کے بعد جب فلسطین آئے اور وہاں سے حجاز آ کر حضرت اسماعیلؑ اور حضرت ہاجرہؑ کو اس مقام پر آباد کیا تو بیت اللہ کی دوبارہ تعمیر کی۔ اس وقت کے بعض آثار کے مطابق معلوم ہوتا ہے کہ ایک آندھی چلی تھی جس کے اثر سے بنیادیں ظاہر ہو گئیں۔ اور ایک اثر میں یہ بھی ہے کہ ایک سانپ نکلا۔ اور اس کے چلنے سے بنیادوں پر نشان پڑ گیا۔ جس کی مدد سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُن بنیادوں کو کھود لیا اور وہاں خانہ کعبہ تعمیر کر لیا۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے جس طرح چاہا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بنیادوں کی نشان دہی کر دی۔

أَن لَّا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ

اس میں بیت اللہ کے آداب کا تذکرہ ہے حکم ہے کہ خانہ کعبہ ایک معبد ہے ایسا نہ ہو کہ اس کو معبود بنا لیا جائے اور اس کی پرستش شروع ہو جائے۔ اس شبہ کے پیش نظر حکم دیا ہے۔ لا تشرك بي شيئاً ___ غور کا مقام تو یہ ہے کہ شرک سے بچنے کی یہ تلقین کس ہستی کو کی جا رہی ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ___ کیوں؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو ساری عمر شرک سے لڑائی کی اور اسی جرم کی پاداش میں وطن سے نکالے گئے

اسی وجہ سے جلتی آگ میں گرائے گئے۔ کیا پھر بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے شرک کا احتمال تھا؟ ایسا نہیں ہے۔ یہاں اگرچہ مخاطب حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں لیکن تنبیہ ہمیں کیا گیا ہے یہ ایسا ہی ہے کہ بعض دفعہ سنا نا تو بڑے آدمیوں کو ہوتا ہے لیکن ایک دانا شرفاء کو مخاطب کر کے بات کرتا ہے ہم سب کو حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں۔ محبت میں غلو درست نہیں لوگوں نے ادب اور محبت کے غلو سے مختلف ہستیوں کو خدائی میں شریک کر لیا۔ صحابہ کرام کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے انتہائی محبت تھی اور ہونی چاہیے کہ یہ ایمان کا جزو ہے۔ لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین ـــــ لیکن محبت میں ایسے مبالغہ سے جو شرک تک پہنچ جائے۔ منع فرمایا گیا ہے۔ ارشاد ہے کہ میری قبر کو سجدہ گاہ نہ بنانا۔

اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِیْ وَثَنًا۔

اے اللہ میری قبر کو سجدہ گاہ بننے سے بچانا۔

لوگو! تم سے پہلی امتیں ہلاک ہو گئیں کہ انہوں نے اپنے بزرگوں اور انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا تھا۔

ایک حدیث میں ہے کہ بیت المقدس اور بیت اللہ کی تعمیر میں چالیس سال کا فاصلہ ہے اس سے بعض لوگوں کو الجھن ہوئی ہے کہ یہ قرآن مجید کی اس آیت سے متصادم ہے ـــــ اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ ـــــ کیوں کہ تاریخ میں ہے، کہ بیت اللہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور بیت المقدس کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا جس میں سینکڑوں سال کا فاصلہ ہے یہ تعمیر دراصل بعد کی ہے۔ اولین تعمیر حضرت آدم علیہ السلام نے دونوں کعبوں کی کی تھی جس میں چالیس سال کا فاصلہ تھا حضرت آدمؑ نے اول بیت اللہ اور چالیس سال بعد بیت المقدس کی تعمیر کی تھی وَطَھِّرْ بَیْتِیَ لِلطَّآئِفِیْنَ وَالْقَآئِمِیْنَ وَالرُّکَّعِ السُّجُوْدِ ـــــ میرے گھر کو پاک وصاف رکھنا۔ کس لئے؟:-

(۱) طواف کرنے والوں کے لیے (۲) قیام کرنے والوں کے لیے

(۳) رکوع کرنے والوں کے لیے (۴) سجود کرنے والوں کے لیے

یہ سب حالتیں عبادت کی ہیں طواف، رکوع، قیام اور سجود۔ سجدہ کی حالت میں انسان خدا کے بے حد قریب ہو جاتا ہے اور سجدہ میں کی گئی دعا قبولیت کے قریب ہوتی ہے۔

تطہیر اور صفائی دو طرح سے ہے (۱) ظاہری (۲) باطنی

(۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کی جس عمارت کی تعمیر کی تھی اس کی چھت نہیں تھی اس لیے اس کی صفائی کی خاص ضرورت تھی۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مساجد کی صفائی انبیاء کرام کی سنت ہے یہ کوئی گھٹیا کام نہیں ہے۔ دیکھیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہی حکم ہے ارشاد ہے فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ اس لیے ہمیں مساجد کی صفائی کی طرف خاص توجہ دینی چاہیے۔

(۲) أَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللّٰهِ أَحَدًا۔ مساجد میں صرف ذکر الٰہی کرو اور اس ذکر میں کسی دوسرے کو مت شامل کرو۔ غیر اللہ کو مت پکارو۔

الوہیت کا مقام صرف اللہ تعالیٰ کا ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام رسالت ہے ایک آقا ہے اور دوسرا پیغامبر۔ مساجد میں غیر کی عبادت نہیں ہونی چاہیے۔

اس باطنی پاکیزگی کا مقام پہلے ہے کیونکہ جہاں تک بیت اللہ کی صفائی کا تعلق ہے مشرکین مکہ اس معاملہ میں پیچھے نہیں تھے لیکن ان کی یہ خدمت ان کے منہ پر مار دی گئی۔

بیت اللہ اور مساجد کی پاکیزگی مسلمان پر فرض ہے۔ اور ان کو شرک سے پاک رکھنا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس فعل قبیح سے محفوظ رکھے اور اپنی عبادت کی توفیق بخشے آمین۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ جمعہ ———————— مرتب: چودھری عبدالواحد صاحب

حج بیت اللہ اور آوازِ ابراہیم کے اثرات کی ہمہ گیری

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـًٔا وَّ طَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝ وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ۝ لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ۝ سورہ حج آیت ۲۶ تا ۲۸

اور جب ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو خانہ کعبہ کی جگہ بتادی۔ اور حکم دیا کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرنا اور میرے گھر کو طواف، قیام رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک رکھنا اور اعلان کرو لوگوں میں حج کا۔ لوگ تمہارے پاس آئیں گے پیدل اور دبلی اونٹنیوں پر دور دراز راستوں سے۔ تاکہ ان کے لیے جو فائدے ہیں وہ دیکھیں اور مقرر دنوں میں ان جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو ان کو اس نے بخشے ہیں خود بھی کھائیں اور تنگ دست محتاج کو بھی دیں۔

پچھلے خطبہ میں بتایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیت اللہ کی تعمیر اور اس کو شرک و بت پرستی اور گندگی سے پاک رکھنے کا حکم دیا۔ ظاہری اور باطنی حسی اور معنوی تمام نجاستوں سے محفوظ رکھنے کی تاکید کی۔ تاکہ طواف، رکوع، قیام، سجود کرنے والے اس میں یکسوئی کے ساتھ عبادت کرسکیں۔

"للطائفین" کعبہ کو پاک رکھنا طواف کرنے والوں کے لیے۔ طواف ایک ایسی

عبادت ہے جو صرف خانہ کعبہ کے لیے مخصوص ہے۔ کسی دوسری مسجد یا عمارت کا طواف کرنا بھی جائز نہیں جس کی فضیلت بے حد و حساب ہے۔ مسجد قباء کو بھی یہ حق نہیں جس کے متعلق کہا ہے کہ "اُسِّسَ بُنْيَانُهٗ عَلَى التَّقْوٰى" رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پابندی سے ہفتہ میں ایک مرتبہ قبا میں ضرور جاتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود اس مسجد کا بھی طواف نہیں کیا جا سکتا۔ اب آپ خود غور کریں کہ دوسری عمارتیں اور مقابر چاہے وہ کتنے بڑے اولیاء کے ہی کیوں نہ ہوں اُن کا طواف کیسے روا ہو سکتا ہے؟

عبادت کی باقی تین صورتیں عام ہیں جو ہر مسجد میں جائز ہیں ــــ قیام، رکوع اور سجود بلکہ رہائشی جگہوں پر نفل نماز کا ادا کرنا بہتر ہے حدیث میں ہے گھروں کو قبرستان نہ بنا دینا یعنی ان میں نفلی نماز پڑھنا چاہیے۔

"اَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ" ــــ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے تعمیر کعبہ کے بعد حج کے اعلان کا حکم دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواباً عرض کیا کہ میری آواز ساری دنیا میں کیسے پہنچ سکتی ہے تھوڑی دُور جا کر ختم ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ اعلان کریں آواز کو پہنچانا ہمارا کام ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اعلان کیا اور اس اعلان کو اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا میں پہنچا دیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آواز دریاؤں، جنگلوں ــــ اور سمندروں کو چیرتی ہوئی دنیا کے کونہ کونہ میں پہنچ گئی اسی آواز کا کرشمہ ہے کہ ہر سال لاکھوں کی تعداد میں لوگ وہاں پہنچ جاتے ہیں کروڑوں وہاں پہنچنے کیلئے تڑپتے رہتے ہیں۔

خانہ کعبہ کو منہدم کرنے کی متعدد بار کوشش کی گئی۔ لیکن خانہ کعبہ کی رونق میں کبھی فرق نہیں پڑا یہ سب اسی "اِذِّنْ فی الناس" کے اثر کی بنا پر ہے خانہ کعبہ کو تباہ کرنے کی پہلی کوشش رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے قریبی زمانہ میں ہوئی تھی وہ سال عام الفیل کے نام سے مشہور ہے۔ یمن کے بادشاہ ابرہہ نے مکہ پر فوج کشی کی تھی ان ایام میں خانہ کعبہ کا غلاف سال میں دو مرتبہ یمن سے آتا تھا۔ ابرہہ کے زمانہ میں بھی غلاف آتا رہا۔ لیکن اس وجہ سے ابرہہ جس تعریف و توصیف کی توقع رکھتا تھا وہ قریش نے

نہ کی اس سے اس کو خیال ہوا کہ یمن میں ہی خانہ کعبہ بنایا جائے اور غلاف مکہ روانہ کرنے کے بجائے یہیں چڑھایا جائے چنانچہ ایک عمارت بنائی گئی اور غلاف بھی چڑھایا گیا لیکن حج کے لیے کوئی نہ آیا اس پر غضب یہ ہوا کہ مکہ کا ایک قریشی اس عمارت میں پاخانہ کر گیا۔ یہ گویا جلتی پر تیل ڈالنا تھا۔ اس نے سوچا کہ جب تک کعبہ کو زمین بوس نہ کر دیا جائے گا اس سے لوگوں کی توجہ دور ہونا ممکن نہیں اس ارادہ سے وہ ایک لشکر جرار لے کر مکہ پر حملہ آور ہوا اس لشکر کے ساتھ ہاتھیوں کی بھی ایک فوج تھی مکہ بالکل خالی ہوگیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کی حفاظت کی اور ابابیل جیسے حقیر جانوروں سے پوری فوج کو تہس نہس کرا دیا۔ سورہ فیل میں اس واقعہ کا ذکر ہے۔

اس طرح شیعوں کے ایک فرقہ (باطنی) نے بھی کعبہ پر حملہ کیا تھا اور حجر اسود اکھاڑ کر لے گئے تھے کئی سال تک حجر اسود کوڑے کرکٹ کے ڈھیروں میں پڑا رہا لیکن کعبہ کی رونق میں کوئی کمی نہ ہوئی حج جاری رہا چنانچہ وہ دوبارہ لاکر نصب کر گئے یہ واقعہ ۳۱۹ ھ میں ہوا اور واپسی ۳۳۹ ھ میں ہوئی (شفاء الغرام)

اس کے بعد بھی فتنہ وفساد کے کئی دور آئے لیکن خانۂ خدا ہمیشہ آباد رہا اور "اذن فی الناس" کا اثر پورے طور پر قائم رہا۔

ماضی قریب میں جب شریف حسین مکہ اور سلطان عبدالعزیز بن سعود میں، جنگ ہوئی تھی تو ۱۹۲۶ء میں ہندوستان کے لوگوں کا ایک طبقہ لوگوں کو حج سے روکنے کے لئے بندرگاہوں پر کوشش کرتا رہا۔ لیکن لوگوں پر کوئی اثر نہ ہوا اس "اذن فی الناس" کا اثر دیکھیے کہ یہ طبقہ خود ہی آخری جہاز میں سوار ہو کر مکہ کے لیے روانہ ہوگیا۔

"یَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ" — پیدل بھی آئیں گے اور سوار بھی۔ سوار بھی ایسے جو بے سروسامان ہوں گے۔ ان لوگوں کو سامان کی کچھ پروا نہیں ہے ان اونٹنی سواروں سے موٹروں اور گاڑیوں تک اور اس کے بعد ہوائی جہاز تک لوگ آمد و رفت کے ذرائع اختیار کر کے حج کے لیے ہر سال جا رہے ہیں۔

بیت اللہ کی عمارت دنیا کی اعلیٰ ترین عمارت ہے مسلمانوں کو جو قلبی تعلق بیت اللہ سے ہے اس کا اظہار الفاظ میں نہیں کیا جا سکتا۔ حج سے فراغت کے بعد مکہ معظمہ سے واپسی کے موقع پر حاجیوں کی جو کیفیت ہوتی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ خانہ کعبہ سے مسلمانوں کا کیا دلی لگاؤ ہے۔

حج پر کسی قسم کی پابندی نہیں ہونی چاہیے اور اس راستہ میں کوئی رکاوٹ کرنا درست اور جائز نہیں بلکہ اس کے بجائے زیادہ سے زیادہ سہولتیں مہیا کرنا چاہییں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ جمعہ ـــــــ ۳ مئی ۱۹۶۳ء ـــــــ مرتبہ حافظ محمد قاسم صاحب خواجہ

قربانی اور اسکی اہمیت

وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ۝ لِيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰي مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَاۗىِٕسَ الْفَقِيْرَ ۝ (سورۃ حج آیت ۲۷-۲۸)

اور لوگوں میں حج کی منادی کر دے (اے ابراہیم) لوگ تیرے پاس پیادہ اور دبلے پتلے اونٹوں پر دور دراز کی تمام راہوں سے آجائیں گے تاکہ وہ اپنے فائدے حاصل کرنے کو آجائیں اور مقررہ دنوں میں اللہ کا نام یاد کریں ان پالتو چوپایوں پر جو اس نے انہیں دیئے ہیں پس کھاؤ اس سے آپ بھی اور بھوکے فقیروں کو بھی کھلاؤ۔

ان آیات میں حج کا ذکر فرمایا ہے مستطیع کے لیے یہ گراں قدر نعمت ہے حج کی وجہ سے ذوالحج کو بھی رمضان کی طرح بہت فضیلت حاصل ہو گئی ہے ان مہینوں کی عبادت کا بہت بڑا اجر ملتا ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا شهرا عيد لا ينقصان۔ آپ حج کے مہینہ میں روزوں کا خاص طور پر خیال رکھتے تھے علی العموم عرفہ کے دن کا ناغہ نہیں فرماتے تھے۔ اس روزہ کے متعلق مروی ہے کہ سال بھر کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں تاہم صیام رمضان کی طرح یہ فرض نہیں۔

قربانی بھی عبادت ہے عربوں کی عادت تھی آٹھویں روز اونٹوں کو پانی پلانے کے لیے گھاٹ پر لے جاتے تو اس دن کا دودھ تقسیم کر دیتے۔ رجب اور شوال میں بھی فرع اور عتیرہ جیسے ناموں سے جانوروں کو ذبح کیا جاتا تھا یہ رسمیں شرک کی آمیزش سے خالی

نہ تھیں۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے قبل از نبوت اپنی چالیس سالہ زندگی میں کسی مسئلہ سے تعرض نہیں فرمایا بذات خود آپ طاہر، بلند اخلاق اور امین تھے اس دور میں آپ نے جو کچھ کیا بلحاظ محمد رصلی اللہ علیہ وسلم، کیا نہ بلحاظ پیغمبر رسالت کے بعد آپ کی تیرہ سالہ زندگی میں جو بات فرض ہوئی وہ صرف توحید اور نماز تھی اس سے نماز کی رفعت کا پتہ چلتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کو کفر اور اسلام کے درمیان فارق بتایا ہے جب آپ مدینہ طیبہ میں ہجرت فرما ہوئے تو حج، قربانی اور دیگر احکام اترنے شروع ہوئے اور سابقہ غلط باتیں اور مشرکانہ رسوم منسوخ ہونے لگیں آپ نے ایک ہی حج فرمایا سنہ ۱۰ھ میں حجۃ الوداع آپ کا پہلا اور آخری حج تھا۔ ۹ ہجری میں حضرت ابوبکر صدیق کی امارت میں مسلمانوں نے حج کیا۔ لیکن قربانی کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر سال ثابت ہے اس کے لیے ہمیشہ اچھا جانور منتخب کرتے کوئی عمرہ کو جاتا تو اس کے ہاتھ بھی جانور بھیج دیتے۔ جب حج کو تشریف لے گئے تو سو اونٹ قربان کیا ساٹھ اونٹ اپنے ہاتھ سے ذبح فرمائے چھری چلاتے وقت آپ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ جاری ہوتے۔

(۱) إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَّمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ

بے شک میں نے متوجہ کر دیا چہرہ اپنا اس کے لیے جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا یکطرفہ ہو کر اور نہیں میں مشرکین میں سے۔ میری نماز، میری عبادتیں، میری زندگی، اور میری موت اللہ کے لیے ہے جو پروردگار ہے جہانوں کا اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اسی کا حکم ملا ہے اور میں پہلا مسلمان ہوں

(۲) بسم اللہ واللہ اکبر۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں دس سال قیام فرمایا اور ہمیشہ قربانی کی صحابہ کرام نے بھی اپنے اپنے مقام پر رہ کر قربانیاں کیں۔ تابعین نے بھی کیں۔ یہ عمل اب تک مسلسل اور متواتر چلا آ رہا ہے اس میں کبھی کسی نے رخنہ ڈالنے کی کوشش نہیں کی اب ایک سستی

شہرت کا پرستار گروہ پیدا ہو گیا ہے روز مرہ نت نئے شگوفے چھوڑ کر دین سے بے خبر لوگوں کی توجہ اپنی طرف منعطف کر لینا اس کا محبوب شیوہ ہے وہ کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قربانی حج کے سوا ثابت ہی نہیں. کتنی بڑی جہالت ہے۔

کہا جاتا ہے. قربانی اگر دینی کام ہوتا تو اس کا ذکر قرآن مجید میں مزید ملتا. میں عرض کرتا ہوں کہ قرآن کو ماننے کا جو ثبوت ہمارے پاس موجود ہے وہ تواتر امت ہی تو ہے یہی تواتر مسئلہ قربانی میں پایا جاتا ہے اگر قربانی کے تسلسل اور تواتر سے طبیعت مکدر ہوئی جاتی ہے تو کل آپ قرآن کو بھی مشکوک ٹھہرائیں گے کیونکہ اس میں بھی اسی قسم کا تواتر پایا جاتا ہے بے جانہ ہوگا اگر یہ کہا جائے کہ مسئلہ قربانی میں تواتر قرآن کے تواتر سے بھی بڑھ کر ہے کیونکہ اس میں قول کے ساتھ عملی تواتر کا بھی اضافہ ہے. معلوم ہونا چاہیے قرآن فقہ کی کتاب نہیں ہے جس میں ہر مسئلہ مذکور ہو. حدیث پیغمبر اس کی تشریح موجود ہے اس پر ایمان لانا چاہیے اسے مانے بغیر قرآن پر ایمان ناممکن ہے جیسے قرآن میں نماز کا حکم تو ہے لیکن اس میں ادائیگی ارکان کی ترتیب کا کہیں ذکر نہیں نہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رکوع و سجود اور قیام و قعدہ کا کیا طریق ہے؟

کچھ کفایت شعار یہ بھی کہتے ہیں کہ اتنی بے تحاشا قربانیوں سے گوشت ضائع ہو جاتا ہے اور یہ اسراف ہے. عام دنوں کے مقابلہ میں بے شک عید کے ایام میں گوشت کی کثرت ہوتی ہے لیکن اسے اسراف کہنا زیادتی ہے جس طرح ایک غریب کا اسراف امیر کا بخل ہوتا ہے اسی طرح دیگر ایام میں ذبح عام کر دیا جائے تو ہم اسے ناجائز کہہ سکتے ہیں لیکن اس پر قیاس کر کے سنت ابراہیمی کے احیاء کو غلط نہیں کہا جا سکتا. ایام قربانی کے سوا ہم کب کسی کو گوشت بانٹتے ہیں یہ دو چار روز محتاج بھی کھا لیں تو کسی کو کیا اعتراض ہے ؟ اگر غریب کے لقمہ کو ضائع ہونے کا نام دیا جاتا ہے تو پھر میں اس کے متعلق کیا کہہ سکتا ہوں. مکہ مکرمہ میں (جہاں سب سے زیادہ قربانیاں کی جاتی ہیں) بھی گوشت ضائع نہیں ہونے دیا جاتا. لوگ سال بھر کے لیے سکھا لیتے ہیں بے احتیاطی کی وجہ سے ممکن ہے گوشت باسی ہو جاتا ہے لیکن یہ کشادگی اور فراخی کی علامت ہے ایسا تو

شادی بیاہ کے موقع پر بھی ہو جاتا ہے۔

یہ لوگ سنت ابراہیمی کو مٹانا چاہتے ہیں وَیَأْبَى اللّٰہُ اِلَّا اَنْ یُّتِمَّ نُوْرَہٗ وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ۔ اللہ تعالیٰ اپنے نور کو پورا کر کے رہے گا اگرچہ کافر برا ہی منائیں یوں آدمی کسی وجہ سے قربانی نہ کرے تو دوسری بات ہے کیونکہ یہ بہرحال فرض تو ہے نہیں لیکن یہ کہنا کہ قربانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں یا اس سے گوشت ضائع چلا جاتا ہے عیاری ہے بعض صحابہؓ نے توفیق ہوتے ہوئے قربانی نہیں کی سمجھتے تھے فرض نہیں ہے عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن عمرؓ اس لیے قربانی نہ دیتے تھے کہ انہیں لوگوں کی نمائش پسند نہ تھی کیونکہ انہوں نے چار چار جانور ذبح کرنے شروع کر دیے تھے ان کا قربانی نہ دینا قربانی کے خلاف نہیں بلکہ نمائش کے خلاف تھا یا عدم فرضیت کی بنا پر تھا وہ قربانی کی مسنونیت اور فضیلت کے منکر نہ تھے۔

لفظ بھیمۃ الانعام میں صراحت ہے کہ قربانی کا چوپایہ جانور ہونا چاہیے یہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بھی تھا مرغی یا انڈے کی قربانی قربانی نہیں۔ جمعہ میں حاضری کے متعلق جو نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص پہلے آئے اسے اونٹ کی قربانی کا ثواب ملتا ہے پھر گائے، بھیڑ، مرغ اور انڈے کا علی الترتیب۔ اس سے مراد شریعت کی اصطلاحی قربانی نہیں بلکہ صدقہ اور عرفاً قربانی مراد ہے۔

فَکُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِیْرَ صرف سوالی کا انتظار نہیں کرنا چاہیے بلکہ اس کو غرباء کے گھروں تک پہنچانے کی کوشش کرنا چاہیے تاکہ کوئی شخص بھوکا نہ رہے دوسرے مقام پر فرمایا فَکُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ اس سے خود بھی کھاؤ اور نہ مانگنے والے مسکین اور سوالی کو بھی کھلاؤ ——— قربانی ابراہیم علیہ السلام کی یاد اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ سنت ہے جسے آپ نے کبھی ترک نہیں فرمایا بلکہ فضیلت اور تاکید فرمائی ہے استطاعت ہو تو اس میں سستی نہیں دکھانا چاہیے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ جمعہ ـــــ ۱۱ اکتوبر ۱۹۶۳ء ـــــ مرتب چودھری عبدالواحد صاحب

حج بیت اللہ اور قربانی

لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَعْلُومَاتٍ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ ۝ ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ (سورۃ حج آیت ۲۸-۲۹)

تاکہ جو فائدے ان کے لیے ہیں وہ دیکھیں اور چند مقرر دنوں میں اللہ کا نام ان چوپایوں پر لیں جو اس نے ان کو بخشے ہیں خود بھی کھائیں اور مصیبت زدہ محتاج کو بھی کھلائیں پھر اپنا میل کچیل دور کریں اور نذریں پوری کریں اور اس پرانے گھر کا طواف کریں۔

سورۂ حج میں عام اعتقادی مسائل کے بیان کے بعد حج کا تذکرہ ہو رہا ہے جیسا کہ پہلے دو خطبوں میں بیان ہو چکا ہے یہاں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو فرمایا ہے۔

"یاتوک رجالا وعلی کل ضامر یاتین من کل فج عمیق"

اس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حج کے لیے دور دراز کا سفر اور مشقت و جفاکشی اپنے اندر ایک خاص خوبی رکھتی ہے اور یہ عبادت میں داخل ہے معلوم ہے کہ حج کے ارکان چار پانچ دنوں میں پورے ہو جاتے ہیں لیکن ایک حاجی کا گھر سے روانہ ہونے سے لے کر واپسی تک کا ہر لمحہ عبادت ہے اور اجر کا مستحق یہ سفر عبادت ہے۔

اپنی ضروریات کے لیے ہم اور بھی سفر کرتے ہیں بعض ضرورتاً سفر ہوتے ہیں جیسے ایک ریلوے ملازم یا ڈرائیور کرتا ہے یہ سفر پیٹ اور کاروبار کے لیے ہوتے ہیں اگر حلال ذرائع اختیار کیے جائیں تو یہ بھی کار ثواب ہیں "یاتوک رجالا وعلی کل ضامر یاتین

من کل فج عمیق" حج کا سفر چونکہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی، فرمانبرداری اور ایک فرض کی ادائیگی کے لیے ہوتا ہے اس لیے یہ سراسر خیر اور عبادت ہے۔

دوسرا پہلو سفر حج کا یہ ہے کہ گویا سفر خالصتاً عبادت اور نیکی کا سفر ہے لیکن اس میں دنیا کے کاموں کی ممانعت نہیں ہے لیشھدوا منافع لھم کہہ کر اس غلط خیال کی تردید کر دی ہے کہ اس سفر میں دنیا کا کام کرنا گناہ اور ناجائز ہے۔ اس دوران میں جائز کاروبار جس پر کسی ملک کی طرف کوئی قانونی پابندی نہ ہو کیا جا سکتا ہے۔ حج کے ارکان پورے کر لینے کے بعد فارغ ایام و اوقات میں تجارت کرنا درست ہے۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے کہ نماز کے لیے مسجد آتے ہوئے راستہ میں خرید و فروخت کی جائے لیشھدوا منافع لھم بھی یہی تقاضا کرتا ہے۔

چھٹی صدی ہجری میں تصوف نے جو صورت اختیار کی اس وقت کے اہل تصوف نے دنیا کے مال سے بالکل بے تعلقی کا اظہار اور رویہ اختیار کر لیا یہ غلو فی الدین ہے۔

جائز ذرائع سے کمانا اور جائز طور پر خرچ کرنا چاہیے دین جو تصوف سکھاتا ہے یہ اس کی ضد نہیں بلکہ اس کے لیے ممد ہے۔

لیشھدوا منافع لھم سے عبادت، ذکر الٰہی، تجارت، خرید و فروخت سب مراد ہے تجارت جائز ہونی چاہیے۔ اپنے ملک کے قوانین کی پابندی کرنی چاہیے اور حج کے دوران میں سمگلنگ وغیرہ نہیں ہونی چاہیے۔

وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَّعْلُومَاتٍ ---- ایام مقررہ میں ذکر الٰہی کرنا چاہیے حج میں مجموعی طور پر دو چیزیں ہیں۔

۱۔ جفاکشی اور مصروفیت

ذی الحجہ کی ۸ تاریخ سے ۱۲ تک تھکا دینے والی مصروفیت اور جفاکشی ہوتی ہے مسلسل سفر ہوتا ہے اور بے حد محنت ہوتی ہے۔

۲۔ ذکر الٰہی

اس دوران میں ذکر اللہ برابر جاری رہتا ہے نماز دل کے حضور سے پڑھنی چاہیے صفائی قلب کا اس سے بہتر کوئی نسخہ

نہیں۔ إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ۔ نماز فحش اور برے کاموں سے روک دیتی ہے۔

ہم نماز کو رسماً اور عادتاً پڑھتے ہیں اس لیے مذکورہ نتائج برآمد نہیں ہوتے اگر دل کے حضور اور خشوع کے ساتھ نماز پڑھیں تو یقیناً ایسا ہی ہو نماز اللہ کے ذکر کے لیے پڑھنی چاہیے أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ۔ نماز کی تکبیر کہتے ہی دنیا کی ہر چیز سے الگ ہو جانا چاہیے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد بہت ہی دعائیں پڑھا کرتے تھے اور کافی دیر تک ذکر الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔

ذکر الٰہی سے اطمینان قلب حاصل ہوتا ہے جیسا کہ فرمان الٰہی ہے أَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔

وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ أَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْأَنْعَامِ ان الفاظ میں قربانی کا حکم دیا گیا ہے جو جانور اللہ نے تم کو دیئے ہیں ان پر اللہ کا نام لو۔ اس سے مراد اللہ کا نام لے کر ان کو ذبح کرنا ہے۔

سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم تمام مسلمانوں کے لیے عام ہے وہ دیہاتی ہوں یا شہری۔ حج کے لیے گئے ہوں یا گھر میں مقیم ہوں جانور پال رکھے ہوں یا نہ۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے بعد نو سال تک مسلسل مدینہ میں ہر سال قربانی دیتے رہے اس کے بعد حج کے موقعہ پر سو اونٹ کی قربانی مکہ میں کی۔ حضرت علیؓ کو خاص طور پر اونٹ لانے کے لیے حضرت نے یمن بھیجا۔

من بهيمة الانعام ——— بہائم اور انعام سے مراد مویشی اور چوپائے ہیں۔ اونٹ، گائے، بھیڑ، بکری، دنبہ۔ اس سے پرندے مراد لینا اور مینڈھا، مرغی وغیرہ کی قربانی کو جائز قرار دینا درست نہیں فَكُلُوْا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ۔ عید الاضحیٰ کی نماز کے لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خالی پیٹ جایا کرتے تھے اور واپسی پر قربانی کا گوشت نوش فرماتے تھے لیکن اگر کوئی شخص اس دوران کچھ کھا پی لے تو ناجائز نہیں ہے۔

یہ بات عام مشہور ہے کہ قربانی کے گوشت کے تین حصے کرنا چاہییں ایک اپنے

اور اہل خانہ کے لیے دوسرا رشتہ داروں کے لیے اور تیسرا فقراء کے لیے۔ واضح ہو کہ شریعت میں اس کا کوئی حکم نہیں ہے بلکہ اس طرح ہے کہ جس قدر ضرورت ہو اپنے لیے رکھ لے اور باقی تقسیم کر دے۔

نذر کے جانوروں میں نذر دینے والا بالکل نہیں کھا سکتا قربانی میں یہ پابندی نہیں ہے اس کے متعلق جو الفاظ اللہ تعالیٰ نے استعمال کیے ان پر غور کرنے سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ یعنی خود بھی کھاؤ اور فقراء و مساکین کو بھی کھلاؤ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ جمعہ ۔۔۔ ۱۳ مارچ ۱۹۶۴ء ۔۔۔ مرتب حافظ محمد قاسم صاحب خواجہ

کچھ بدعت کے متعلق

لِیَجْعَلَ مَا یُلْقِی الشَّیْطَانُ فِتْنَةً لِّلَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِیَةِ قُلُوْبُهُمْ وَاِنَّ الظّٰلِمِیْنَ لَفِیْ شِقَاقٍ بَعِیْدٍ ۝ وَّلِیَعْلَمَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَیُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۔۔۔

(سورۃ حج آیت ۵۳، ۵۴)

تاکہ بنا دے (اللہ تعالیٰ) اس چیز کو کہ ڈالتا ہے شیطان آزمائش ان لوگوں کے لیے جن کے دلوں میں بیماری ہے اور سخت دل ہیں اور بے شک ظالم دور کی مخالفت میں ہیں۔ اور تاکہ ذی علم جان لیں کہ وہ (وحی الٰہی) سچ ہے تیرے رب کی طرف سے پس عاجز ہو جائیں اس کے لیے دل ان کے اور بے شک اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو سیدھی راہ دکھانے والا ہے۔

انسان اپنا کام کرتے ہیں لیکن شیطان بھی خاموش نہیں رہتا وہ ان کے اثرات زائل کرنے کے لیے مختلف حربے استعمال کرنے میں مصروف رہتا ہے کبھی خلق خدا کو جرم سکھاتا ہے کہ وہ چوری ڈکیتی اور زنا پر فخر کرنے لگتی ہے کبھی شرکیہ باتوں کی تعلیم دیتا ہے اور مسلمان ایسی نامعقول حرکتیں شروع کر دیتے ہیں کہ کفار مکہ کو بھی نہ سوجھی ہوں گی انہی کی طرح توحید کا درس دینے والوں کو برا بھلا کہتے ہیں اور کبھی وہ لعین بدعات پیدا کر کے دین میں ایک نئے دین کا اجراء کر دیتا ہے پیغمبر کی مرضی کچھ اور ہوتی ہے لیکن شیطان پیغمبر کی مرضی کا روپ دے کر بھولے عقیدت مندوں کو اپنی مرضی کا تابع بنا لیتا ہے اور یہ سب کچھ اس خوبصورتی سے ہوتا ہے کہ لوگ اس کے جال میں پھنس جاتے ہیں، زُیِّنَ لَهُمْ

الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَھُمْ

اب حال یہ ہو گیا ہے کہ بدعات کو عین اسلام کہا جاتا ہے۔ حالانکہ خیر القرون میں ان کا سراغ تک نہیں ملتا۔ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین جو ہمیشہ نیکی کی تلاش میں رہے اور سنت جن کا مطمح نظر ہوتی تھی۔ کبھی ایسے فعل نہیں کرتے تھے۔ جوں جوں زمانہ دَورِ نبوت سے دور ہوتا گیا۔ تاریکیاں بڑھتی گئیں ٹھیک جس طرح شمع سے بتدریج فاصلہ بڑھنے پر روشنی کم ہونے لگتی ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خود اور آپ کی تعلیم وہ نور ہے جس کا مقابلہ نہیں ہمیں اسی روشنی میں سب کچھ تلاش کرنا چاہیئے۔ ورنہ اس روشنی سے پرے تو اندھیرا ہی اندھیرا ہے نورِ نبوت سے تجاوز نبوت کی تنقیص کو مستلزم ہے۔ مشہور صحابی عبداللہ بن مسعود کوفہ میں رہائش پذیر تھے ایک شخص نے آکر شکایت کی کہ مسجد میں کچھ لوگ حلقہ بنائے بیٹھے ہیں اور ایک آدمی کی قیادت میں بیک آواز تسبیح و تحمید وغیرہ کر رہے ہیں فرمایا اگر کل بھی یہ ماجرا دیکھو تو مجھے بتانا۔ دوسرے دن وہی شخص آیا آپ بھاگم بھاگ وہاں پہنچے اور فرمایا ——— "ابھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ ابی وامی) کے برتن نہیں ٹوٹے، کپڑے نہیں پھٹے، بیویاں بھی حیات ہیں اور تم ابھی سے یہ کام کرنے لگے ہو۔ آئندہ میں یہ مجلس نہ دیکھوں"۔

ہماری طرح کا کوئی ہوتا تو کہتا جناب کیا حرج ہے ذکرِ خدا ہی تو ہے۔ لیکن مقامِ نبوت سمجھنے والے نے اسے حکماً بند کر دیا۔

اسی طرح حضرت علیؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ قبل از نمازِ عید نفل پڑھ رہا ہے فرمایا "یہ نفل تجھے جنت میں نہیں پہنچائیں گے" گو وہ نماز ہی تھی لیکن یہ ظاہری نیکی ثواب نہیں ہو جاتی ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیوں نہ پڑھتے۔ حضرت علیؓ نے بارہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں نمازِ عید ادا کی تھی کبھی ایسا نہ دیکھا تھا۔

دنیوی معاملات اس سے مختلف ہیں۔ مثلاً اولاً لڑائی سادہ تھی۔ پھر آہستہ آہستہ فنونِ حرب کو ترقی ہوئی۔ اسلامی افواج ساحلِ سمندر پر پہنچیں تو حضرت عمرؓ نے جرنیل سے بحری سفر کے متعلق مشورہ پوچھ بھیجا اس نے لکھا "کُدٌ ودٌ علی عُوْدٍ" یعنی اتنا خطرناک ہے جیسے

لکڑی پر کپڑا، جو کسی وقت بھی نیچے گر سکتا ہے۔ پھر صورت حال بدلی قلمرو کی حفاظت کے لیے سواحل کا تحفظ بھی ضروری ہو گیا تو حضرت عثمانؓ نے بحری بیڑہ تیار کرایا۔ اسی طرح غذا، لباس، اور رہن سہن ہے حسبِ ضرورت ان میں تبدیلی ہوتی رہی ان کے متعلق از روئے شریعت ہمیں کسی خاص طریقہ کا پابند نہیں بنایا گیا یہ کام ہی دین سے نہیں دنیا سے متعلق ہیں ان پر قیاس کر کے دین میں جدتوں کا دروازہ نہیں کھول دینا چاہیے۔ یہ حماقت شیطانی اثر کے سبب سے ہوتی ہے جس سے دو قسم کے لوگ متاثر ہوتے ہیں۔ مریض القلب یعنی بدطینت لوگ۔ اور سخت دل جو دین میں اضافہ کرتے ہوئے نہیں شرماتے گویا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیحت کرتے ہیں کہ آپ کے دین میں کمی ہے تو ہم پورا کر دیں۔ حالانکہ دین مکمل ہو چکا ہے اور اب اس میں اصلاح کی گنجائش نہیں دین کو محفوظ اور پختہ کیا جا سکتا ہے لیکن اس میں کوئی نئی بات نہیں جنم لے سکتی۔ ورنہ باقی سب اعمال بھی بیکار سمجھیے۔

پھر فرمایا۔ وَاِنَّ الظّٰلِمِیْنَ لَفِیْ شِقَاقٍۭ بَعِیْدٍ۔ بدعت کا اثر بڑا دور رس ہوتا ہے۔ حدیث ہے: ما وقع فی قوم بدعة الا رفع مثلها من السنة۔ بدعت پیدا ہونے سے مثل اس کے سنت اٹھ جاتی ہے۔ اس کی ایک مثال تو آپ اکثر دیکھا کرتے ہیں اوقات نماز میں بھی جلوس نکلا کرتے ہیں۔ اذانیں ہوتی ہیں اور اِلّا ماشاء اللہ ہمارے بھائیوں کی نمازیں عشق نبوی یا یاد حسین میں کھو جاتی ہیں۔

وَلِیَعْلَمَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الآیۃ۔ شیطانی شرارتوں کا اثر موحدوں پر اس کے برعکس ہوتا ہے وہ کتاب وسنت کا اصل مفہوم سمجھنے کے عادی ہوتے ہیں جو ائمہ ھدٰی کے زمانہ تک سمجھا گیا۔ اور اسی پر قناعت کرتے ہیں کیونکہ لن یصلح آخر هذه الامة الا ما صلح به اولها۔ اگر قرون مشہود لہا بالخیر میں شریعت کی پابندی ضروری اور مفید تھی تو اب کیوں نہ ہو؟ اور اگر اس وقت بدعت نقصان دہ تھی تو اب کیسے مفید ہو گئی؟ جسے سنت کا ذوق نہیں وہ حب نبویؐ کا دعویدار نہیں ہو سکتا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک کامل ترین ہستی تھے۔ انہیں چھوڑ کر مخدوش اور مجروح لوگوں کی اتباع سے ہماری کیا اصلاح ہو سکتی ہے اہلِ حق کا یہی قصور ہے کہ وہ حق کی دعوت دیتے ہوئے اصل سنت کی طرف راغب کرتے ہیں اور کہتے ہیں علیکم بالقدیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ جمعہ ـــــــ ۲۰ مارچ ۱۹۶۴ء ـــــــ مرتب: حافظ محمد قاسم صاحب خواجہ

شک کی بیماری اور اس کا انجام

وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتَّىٰ تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً أَوْ يَأْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيمٍ ۝ الْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلَّهِ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ۚ فَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ۝ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝ سورہ حج آیت ۵۵ تا ۵۷

اور کافروں کو ہمیشہ اس میں شک رہے گا یہاں تک کہ ان کے پاس ایسے دن کا عذاب آئے جس میں خلاصی کی کوئی راہ نہیں۔ حکومت اس دن اللہ ہی کی ہوگی وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے گا تو جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے عمل کیے وہ نعمت کے باغوں میں ہوں گے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا ان کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔

شیطان کی ہمیشہ کوشش رہی ہے کہ انبیاء کی خواہشات میں اپنی خواہشات ملا کر تعلیم ربانی کو خلط ملط کر دے غلط کار لوگ اس کے دام فریب میں آکر خود اس فن کے استاد ہو جاتے ہیں حق اور باطل کی آمیزش ان ہی کے دم قدم سے ہوتی ہے۔ فرمایا۔ الذین یلبسون الحق با لباطل جو ملاتے ہیں حق کو باطل سے۔ کتب الہیہ سے شرک ثابت کیا جاتا ہے آج بھی کئی لوگ آیات قرآنی پڑھ پڑھ کے مزے سے دعوت شرک و بدعت دیتے ہیں یہ نہیں کہ آیتوں میں کچھ اشتباہ ہوتا ہے بلکہ وضاحتِ حق کے باوجود غلطی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ غلطی کے مختلف مراتب ہیں بعض فوراً مان لیتے ہیں بس سچائی کے ظاہر ہونے کی دیر ہوتی ہے مثلاً ابوبکرؓ اور خدیجہؓ وغیرھما بعض کو تسلیم کرنے میں تامل ہوتا ہے۔ جھگڑا بھی کرتے ہیں لیکن جونہی قدرت نے موقع دیا سنبھل گئے۔ حضرت عمرؓ اچانک ہمشیرہ کی زبان سے

قرآن سن کر مسلمان ہوئے۔ کچھ لوگوں کا آخر تک شبہ نہیں نکلتا ہزار نصیحت کیجئے اثر ہی نہیں وَلَا یَزَالُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِیْ مِرْیَةٍ مِّنْهُ (اور کافر ہمیشہ شک میں رہیں گے اس (قرآن) سے)۔ ہم تو خیر بے عمل اور سیاہ کار ہیں انہیں انبیاء اور اولیاء بھی متاثر نہ کر سکے۔ معاشرہ کی بگڑی ہوئی حالت دیکھ کر فوراً علماء کو مطعون قرار دے دیا جاتا ہے کہ ان میں اثر نہیں پاکبازی کا دعویٰ نہیں۔ بے شک جرم ثابت ہے لیکن نہ ماننا جن کی سرشت میں داخل ہوتا ہے۔ وہ انبیاء سے بھی نہیں مانتے حالانکہ وہ بندگان خدا ہر لحاظ سے مکمل ترین انسانی نمونہ ہوتے ہیں اہل حق کی مساعی ہمیشہ ان کو سمجھانے پر مرکوز رہیں۔ لا تزال طائفة من امتی ظاهرین علی الحق لا یضرهم من خذلهم —— میری امت میں سے کچھ لوگ ہمیشہ حق پر غالب رہیں گے کوئی رسوا کرنے والا انہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ لیکن اہل مریہ کا وجود بھی کبھی ختم نہ ہوا وہ بدستور رہے۔

حتی تاتیهم الساعة بغتة (یہاں تک کہ اچانک ان کے پاس قیامت آئے) ان کا شک قیامت ہی دور کر سکے گی۔

او یاتیهم عذاب یوم عقیم ٥ (یا ان کے پاس یوم عقیم کا عذاب آئے) عقیم بانجھ پن کو کہتے ہیں قیامت کے دن کو عقیم کہا ہے کہ اس کے بعد کوئی دن نہ ہوگا۔ ہر دن کو پہلے دن کی اولاد کہہ سکتے ہیں جس طرح ہر اگلا قدم پچھلے قدم سے پیدا ہوتا ہے۔ قیامت آخری دن ہوگا۔ ساعۃ سے موت بھی مراد ہو سکتی ہے مرنے کے وقت آنکھیں کھلیں تو کیا ہوا تا دم مرگ کفر کرتے رہے اور جب جان بلب ہوئے تو خدا یاد آیا جیسے فرعون کے متعلق کہا:

حَتّٰۤى اِذَاۤ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْۤ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِیْلَ وَ اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ٥ آٰلْـٰٔنَ وَ قَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَ كُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ٥

"یہاں تک کہ جب غرق ہونے لگا تو بولا میں ایمان لایا کہ کوئی الٰہ نہیں سوائے اس خدا کے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور میں مسلمان ہوں کیا اب؟ اور تحقیق پہلے تو نافرمانی کر چکا ہے اور فساد کرنے والوں میں سے تھا۔"

اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ - اس روز صرف اللہ کی حکومت ہوگی بادشاہی یہاں بھی اسی کی ہے تاہم اس دنیا میں کچھ انسانی نظام چلتے ہیں اور زوال پذیر ہوتے ہیں۔ تاریخ پڑھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ جہاں قوموں کا قبرستان ہے قوم کی عمر افراد کے مقابلہ میں ذرا لمبی ہوتی ہے لیکن ہے انتہا پذیر۔ انسانی حکومت کو اللہ کی حکومت سے وہی نسبت ہے جو انسان کی دیگر صفات کو صفات الٰہیہ سے۔ جیسے رحیم، خبیر، بصیر اور سمیع بندہ بھی ہے اور خدا بھی لیکن دونوں میں جو فرق ہے آپ جانتے ہیں ہماری حکومتیں کمزور اور ناتمام ہوتی ہیں عین وقت عروج سے زوال شروع ہوتا ہے اموی حکومت اندلس، خراسان اور شام تک پھیلی ہوئی تھی لیکن ایسی قوم اس کے زوال کا سبب بن گئی جو اس وقت بظاہر کمزور نظر آتی تھی۔ یہ خدائی حکومت کو زوال نہیں۔

يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ - قیامت کے دن صرف فیصلہ الٰہی ہی ناطق ہوگا۔

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (پس وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل کئے اچھے) عمل کو ایمان سے متصل بیان کیا ہے کہ اسی سے اس کی تکمیل ہے عمل کے لیے وقت نہ ملے تو فقط ایمان لے آنا بھی بارگاہ الٰہی میں مقبول ہو جاتا ہے۔ ایک شخص نے عین موقع جہاد پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا اگر میں اسلام لا کر لڑتا ہوا شہید ہو جاؤں تو کیا جنتی ہوں گا ؟ فرمایا ہاں۔ بولا اچھا یہ کھجوریں کھاؤں پھر جانے اس کے جی میں کیا آیا بکا یک دو تین کھجوریں کھا کر میدان جنگ میں کود پڑا شہادت پائی اور قبل از عمل جنت کا سرٹیفکیٹ حاصل کیا۔ ہماری بات دوسری ہے ہمیں عمل کے لیے وقت ملا ہے اور اس کی پرسش ہوگی۔

فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ (نعمت کے بہشتوں میں ہوں گے) یعنی اعلیٰ رہائش بھی اور اچھی اور معزز آسائش بھی۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا الآیۃ (اور جو لوگ کافر ہوئے اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو پس ان کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے) بعض تکلیفیں روحانی طمانینت اور عزت کا باعث ہوتی ہیں۔ برخلاف اس کے کفار دوزخ میں ہوں گے اور ذلت بھی محسوس کریں گے۔ کوئی ان کی ناگفتہ بہ حالت پر ترس بھی نہ کھائے گا۔

ایک دوسرے مقام پر مومنوں کی حالت بیان فرمائی۔ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ (ان کا نور ان کے دائیں اور بائیں دوڑتا ہوگا) منافقین کہیں گے اُنْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ (انتظار کرو ہمیں بھی اپنی روشنی لینے دو) قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ (جواب ملے گا اپنے پیچھے سے نور ڈھونڈ کے لاؤ پس ان کے درمیان دیوار حائل کر دی جائے گی) جیسے ایک شخص اپنی کامیابی پر خوش اور دوسرا اپنی ناکامی پر غمگین ہو تو ایک کی حالت دوسرے کے لیے مفید نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح اہلِ جنت بھی کفار کے کسی کام نہ آسکیں گے۔ منافق کہیں گے۔

اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ (کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے!) قالوا بلی ولکنکم فتنتم انفسکم وتربصتم وارتبتم (مومن کہیں گے کیوں نہیں لیکن تم نے اپنے آپ کو آزمائش میں ڈالا ہمارے بدخواہ ہوئے اور شک میں پڑے رہے)

جہنمی تنگ آکر کہیں گے يَا مَالِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ اے داروغہ جہنم تیرا رب ہمارا فیصلہ ہی کر دے یعنی نجات کی سبیل نہیں تو موت ہی آجائے۔ ایسا بھی نہ ہو سکے گا۔ وہ کہے گا۔ اِنَّكُمْ مَّاكِثُوْنَ۔ تم یہیں رہو گے۔

اس رسوا کن شرمندگی کے ڈر سے شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ دعا کیا کرتے تھے

"خدایا! مجھ سے پوچھ گچھ نہ کی جائے ورنہ حشر کو اندھا اٹھا دینا تاکہ لوگوں کے سامنے ندامت سے بچ جاؤں"[1]

---

[1] شیخ عبدالقادر جیلانی کی یہ دعا یا اس کا مضمون آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہمارے لیے وہی دعائیں کافی ہیں جو قرآن وحدیث میں قیامت کے دن شرمندگی سے بچنے کے لیے بتائی گئی ہیں مثلاً ربنا واتنا ما وعدتنا علی رسلک ولا تخزنا یوم القیامۃ (آل عمران) اور اس جیسی دوسری دعائیں۔ اس دعا کے درست نہ ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بہت سے لوگوں کو اندھا کر کے اٹھائیں گے مگر وہ شرمندگی سے نہ بچ سکیں گے ومن اعرض عن ذکری فان لہ معیشۃ ضنکا ونحشرہ یوم القیامۃ اعمی۔

از عبدالسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ جمعہ ـــــــ ۲۷ مارچ ۱۹۶۴ء ـــــــ مرتب حافظ محمد قاسم صاحب خواجہ

ھجرت

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ سورہ حج آیت ۵۸ تا ۵۹

اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں وطن چھوڑ دیا پھر شہید کر دیئے گئے یا مر گئے اللہ انہیں اچھا رزق دے گا اور یقیناً اللہ تعالیٰ بہتر روزی دینے والا ہے وہ انہیں ایسی جگہ داخل کرے گا جسے وہ پسند کریں گے اور بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا تحمل والا ہے۔

شیطانی آمیزش تعلیمات نبوی میں شیطانی آمیزش کئی طرح سے ہوتی ہے کبھی بدعت کی شکل میں، کبھی فسق و فجور کی صورت میں، کبھی ہلکے گناہ کو خفیف سمجھ کر اس پر دلیری کرنے میں (حالانکہ جرأت و اصرار سے صغیرہ بھی کبائر میں شمار ہونے لگتا ہے) اور کبھی امر مباح کو سنت یا واجب ٹھہرا لینے میں۔

آزمائش کے وقت پاک باز لوگ آزمائے جاتے ہیں لیکن دھوکہ میں نہیں آتے وہ ہر آن خلاف شرع رجحانات اور میلانات کو ختم کرنے کے درپے رہتے ہیں اور اس راہ میں مصائب جھیلنے کو عین سعادت سمجھتے ہیں۔ کلمہ زبان سے کہنا آسان ہے لیکن شرک کی وادئ پرخار میں قدم رکھ کر نعرۂ حق لگانا جان جوکھوں میں ڈالنے سے کم نہیں۔ عام حالت میں سنت موجب اجر و ثواب ہے اور مخالفت کے جواب میں عامل سنت کے لیے فرمایا اجر مائة شهيد اس کے لیے سو شہید کا ثواب ہوتا ہے[1]

---

[1] یہ روایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں کیونکہ اس کی سند میں (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تبلیغ اور سینما احیائے سنت کے دو ہی طریقے ہیں۔ افہام وتفہیم اور اس پر کھل کر عمل کرنا اور بدی کو ہٹانا ہو تو اس کی علانیہ مخالفت۔ کسی کو چڑانے کے لیے عمل نہیں کرنا چاہیے اس طرح خلوص نہیں رہتا۔

لوگ شاکی ہیں کہ سنیما بینی کا مرض عام ہے لیکن کہیں کس کو۔ نوے فی صد اس ام الامراض میں مبتلاء ہیں۔

تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

خود ہمارے مخاطبین جو تھوڑا بہت احساس زیاں رکھتے ہیں اس بارے میں ان کی پوزیشن بھی مشکوک ہے اسی لیے ان فحاشیوں کے خلاف جب ہمارا ردعمل شدید ہونے لگتا ہے تو کچھ مصلحت اندیش اور صلح جو درمیان میں ٹپک پڑتے ہیں۔

ہجرت کی تین قسمیں بعض مسلمانوں کو شرک کی مخالفت میں توحید کی قیمت ادا کرنا پڑتی ہے یعنی اپنے مولد ومسکن کو چھوڑ دینا پڑتا ہے کبھی طوعاً کبھی کرھاً۔ صحابہ کرام کو محض اللہ کی رضاجوئی کے لیے وطن سے ہجرت کرنا پڑی۔ پہلے حبشہ کی طرف اور پھر سوئے مدینہ۔ کفار نہیں چاہتے تھے کہ مسلمان مکہ سے چلے جائیں۔ ان کی خواہش یہ تھی کہ یہ یہیں رہیں اور ان کے ماتحت رہیں پہلے وہ حق گوئی کی پاداش میں ملنے والی سزا سے لذت وسرور پاتے رہے۔ ابو ذر غفاریؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روکنے سے نہ رکے اسلام لاتے ہی توحید کا اعلان عام کیا اور متعدد دفعہ مار کھائی آخر تنگ آکر اور حالات سے مجبور ہو کر صحابہ کو اپنے آپ نکلنا پڑا۔

اب آسام کی سرحد پر مسلمانوں کا جبری انخلا ہو رہا ہے سوائے مسلمان ہونے کے بے چاروں کا کوئی قصور نہیں شاید ہندوؤں کو خطرہ ہے کہیں عین موقعہ پر یہ پاکستان کی طرفداری نہ کر دیں۔ ﴿وَمَا نَقَمُوا مِنْهُمْ إِلَّا أَن يُؤْمِنُوا بِاللَّهِ﴾ وہ ان سے صرف اس لیے

(بقیہ حاشیہ) ایک راوی حسن بن قتیبہ خزاعی متروک الحدیث ہے اور اس کا شیخ ابن منذر غیر معروف ہے تفصیل کے لیے دیکھیے مرعاۃ المفاتیح ج ا ص ۲۸ اور سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ والموضوعہ للشیخ ناصر الدین الالبانی حدیث ۳۲۶ (از عبدالسلام)

انتقام لیتے ہیں کہ ان کا اللہ پر ایمان ہے۔

بعض دفعہ دیس تو نہیں بدلتا لیکن تبلیغ یا فتوحات کے سلسلہ میں ترک وطن ہو جاتا ہے عرب اسلامی فوجیں عراق، شام اور روم تک گئیں۔ دل میں واپسی کی نیت ہوتی لیکن اعلائے کلمہ کا جذبہ انہیں باہر ہی مصروف رکھتا یہاں تک کہ عزیزوں سے بچھڑے ہوئے یہ لوگ دور افتادہ علاقوں میں ہی شہید یا فوت ہو جاتے۔ کفن دفن کا انتظام بھی ساتھیوں کے ہاتھوں ہوتا یہ موت گھر یلو زندگی اور موت دونوں سے بدرجہا بہتر ہے۔ فرمایا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللَّهُ رِزْقًا حَسَنًا۔ راہِ خدا میں جان دینے والے عذابِ قبر اور حساب کتاب سے محفوظ رہتے ہیں گو ان کی یہاں مصائب میں کٹی لیکن عالمِ برزخ میں اللہ انہیں ناز و نعم سے رکھتا اور بہترین رزق عطا فرماتا ہے

اُخروی رزق

بعض اس سے دنیوی رزق مراد لیتے ہیں حالانکہ طبی نقطہ نگاہ کے علاوہ فقہی لحاظ سے بھی مرنے والے کی موجودہ زندگی تمام کو پہنچ جاتی ہے اور یہ دنیوی اناج اسی حیات سے مختص ہے ورنہ فوت ہونے والا خواہ شہید ہو اس کی وراثت کیونکر تقسیم ہو سکتی ہے۔

شہید کا خون

اللہ کے ہاں شہید کا مرتبہ بہت زیادہ ہے دنیا میں بھی اسے امتیازی اعزاز حاصل ہو جاتا ہے اس کا خون بالاتفاق پاک ہے اور اسے لہو سمیت دفنانے کا حکم ہے۔

ہجرت فی سبیل اللہ کرنے والا جب تک زندہ رہے رزق سے محروم نہیں رہتا فرمایا: وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِيْنَ یہ فقرہ تاکید کا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ راہ خدا میں زندگیاں وقف کرنے والے کس مپرسی کے عالم میں نہیں ہوتے۔ خود خدا ان کے اچھے رزق کا ضامن ہوتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ جمعہ ـــــ ۷ اپریل ۱۹۶۷ء ـــــــــــ مرتب: حافظ محمد قاسم صاحب خواجہ

اللہ ہی مختارِ مُطلق ہے

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ۝ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ اَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ ۝

(سورۃ حج آیت ۶۳ تا ۶۶)

"کیا تو نے دیکھا نہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی برساتا ہے تو زمین سرسبز ہو جاتی ہے بے شک اللہ تعالیٰ مہربان اور باخبر ہے آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے اسی کا ہے اور بے شک اللہ ہی بے نیاز اور تعریفوں والا ہے کیا تو نے دیکھا نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کی سب چیزیں تمہارے تابع کر دی ہیں اور کشتیاں بھی جو اس کے حکم سے سمندر میں چلتی ہیں اور آسمان کو تھامے ہوئے ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر زمین پر نہ گر پڑے بے شک اللہ تعالیٰ شفقت کرنے والا مہربان ہے۔ اور اسی نے تمہیں زندہ کیا پھر وہی تمہیں مارے گا اور پھر وہی تمہیں زندہ کرے گا بے شک انسان ناشکرا ہے"۔

اہلِ کفر کو عذاب ہوگا اور متقیوں کی اعانت ہوگی۔ سزا اور رحمت کا یہ اختیار صرف ذات وحدہٗ لاشریک کو حاصل ہے اور کسی کو اس میں دخل نہیں۔ بعض لوگوں نے یہ محکمہ خانقاہوں کے سپرد بھی کر رکھا ہے وہ ان سے مدد کے خواہاں رہتے ہیں۔ ان کے

نزدیک بزرگ ہستیاں فیصلہ الٰہی کو بدل دیا کرتی ہیں۔ وہ خدا کو واحد، مختار اور قوی مانتے ہیں تاہم ان کے لیے پیروں کو بھی راضی رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ یہ نظریہ ایسے ذہن کی پیداوار ہے جسے اللہ عزوجل پر یقین کامل نہیں خدائی کاموں میں کس کو اختیار ہے؟ وہ ایک بات چاہے اور کوئی اسے بدل دے ایسا نہیں ہوسکتا۔ کسی کام میں رکاوٹ کی مختلف نوعیتیں ہوتی ہیں کبھی طاقت سے طاقت ٹکراتی ہے جیسے حکومتیں آپس میں برسرپیکار ہوتی ہیں غنیمت ہے اس بارے میں مشرکین کی پوزیشن صاف ہے وہ اپنے خداؤں کو خدا کا حریف نہیں مانتے کبھی محبت ٹکراتی ہے یعنی جوش محبت میں آکر آدمی اپنا رویہ بدل لیتا ہے خاوند کو بیوی پر فوقیت ہے اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ لیکن اکثر اوقات اپنی مرضی کے خلاف اس کی بات مانتا ہے یہ محبت کی جیت ہوتی ہے۔ اولاد بھی مچل کر ماں باپ کو ہمنوا بنا لیتی ہے وہ ازراہ شفقت چپ ہو رہتے ہیں اور کبھی ضرورت متصادم ہوتی ہے مالک کاریگر کو نہیں رکھنا چاہتا پھر سوچتا ہے اس کے بغیر کام نہیں چلے گا۔ تو خود ہی اپنا فیصلہ تبدیل کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ طاقت، محبت یا ضرورت الغرض کوئی چیز بھی خدائے بے نیاز کو زیر نہیں کر سکتی اس کے حق میں یہ سب کمزوری کی علامات ہیں۔ وہ مختار کل ہے ــــ ان آیتوں میں یکے بعد دیگرے چھ دلائل بیان کئے ہیں۔ جو اس کے اختیارات کی وسعت پر دال ہیں :-

۱۔ دن رات کا نظام

۲۔ ماسوی اللہ کی دعوت کا بطلان (ان کا ذکر گذشتہ جمعہ میں ہو چکا ہے)

۳۔ بارش اور اس کی برکات

۴۔ زمین و آسمان کی ہر چیز کا مالک ہونا۔ کیونکہ حقوق ملکیت سے قانونی تصرف حاصل ہوتا ہے۔

۵۔ انسان کے لیے تسخیر کائنات۔ جو کچھ ہمارے تابع ہے اور جہاں جہاں عمل تسخیر کارفرما ہے درحقیقت خدا ہی کی طاقت سے ہے یہ خشکی پر چلنے والے جانور اور گاڑیاں یہ سطح سمندر پر تیرنے والے جہاز اور کشتیاں اور یہ فضا میں پرواز کرنے والے کئی ٹن وزنی طیارے خدا ہی کے عمل تسخیر کا نتیجہ ہیں اور ہمیشہ اسی کے قبضہ و اختیار میں

رہتے ہیں وہ چاہے تو کسی وقت بھی اس تسخیر کو ختم کر سکتا ہے سدھایا ہوا جانور وحشی ہو جاتا ہے گاڑیاں کنٹرول سے باہر ہو کر حادثات سے دوچار ہو جاتی ہیں کشتیاں ڈوب جاتی ہیں اور ہوائی جہاز گر کر تباہ ہو جاتے ہیں کون ہے جو امر الٰہی میں رکاوٹ پیدا کر سکے ؟ اللہ سے دعا کی جا سکتی ہے جسے وہ قبول فرماتا ہے اُدْعُونِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ لیکن وہ کسی کی خواہشوں کا پابند نہیں اللہ سے خلاف منشا بات منوا لینا غلط ہے ایسا مشرکین سوچ سکتے ہیں وہ مرضی کا مالک ہے چاہے شیطان کی مان لے۔ اَنْظِرْنِیْ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ (مجھے قیامت تک مہلت دے) قَالَ اِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ (فرمایا اللہ نے تجھے مہلت ہے) اور چاہے تو پیغمبر کی نہ مانے حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال اللہ کے دین کی خدمت کی لیکن لختِ جگر کی سفارش میں کامیاب نہ ہو سکے دہاں کسی کی دال نہیں گلتی۔ یہ روٹھ کر منوا لینے والا قصہ بس ایسا ہی ہے اس کی طاقت کا یہ عالم ہے کہ کسی ستون کے بغیر اتنی بڑی جسامت والے آسمانوں کو اٹھائے ہوئے ہے اور وہ اس قدر مضبوط ہیں کہ کوئی سوراخ اور نقص ان میں نظر نہیں آتا اور جب چاہے گا تو ان کی بھی تکا بوٹی اڑ جائے گی۔ اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ

۴ ۔ موت وحیات کا اختیار۔ بڑے بڑے ولی ہو گزرے ہیں جنہوں نے احکام الٰہی کی کی تعمیل کی اور چل دیئے انبیاء بھی موت سے ہمکنار ہو گئے امتیں انبیاء کو زندہ رکھ سکیں نہ انبیاء امتوں کو موت کے منہ سے بچا سکے۔ ان کا یہی وظیفہ تھا۔ لا نقول الا ما یرضی بہ ربنا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ جمعہ ـــــ ۲۶ جون ۱۹۷۴ء ـــــ مرتب، حافظ محمد قاسم صاحب خواجہ

جہاد کی ضرورت و اہمیت

وَجَاهِدُوا فِي اللهِ حَقَّ جِهَادِهٖ هُوَ اجْتَبٰكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ أَبِيْكُمْ إِبْرَاهِيْمَ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِي هٰذَا (سورۃ حج آیت ۷۸)

اور اللہ کی راہ میں ایسی کوشش کرو جو اس کا حق ہے اسی نے تم کو برگزیدہ کیا اور دین کے احکام میں تم پر کوئی تنگی نہیں کی (پس تم) اپنے باپ ابراہیم کا دین اختیار کرو اسی (اللہ) نے اس (کتاب) سے پہلے اور اس کتاب (قرآن) میں تمہارا نام مسلم رکھا ہے (پس تم مسلم یعنی خدا کے فرمانبردار بنے رہو)

ترجمہ مولانا ثناء اللہ صاحب مرحوم

جو صحیح الاعتقاد ہوگا وہ صحیح العمل بھی ہوگا اور پھر وہ نبوت کا قدر دان بھی ہوگا یہ نہیں ہوسکتا۔ کسی کا اعتقاد صحیح ہو اور وہ عملی لحاظ سے صفر ہو۔

وَجَاهِدُوا فِي اللهِ حَقَّ جِهَادِهٖ الآیۃ اہل دنیا تک سچی بات پہنچانے اور دین کی گاڑی آگے چلانے کے لیے کبھی مال، کبھی زبان کے ذریعہ پوری کوشش صرف کر دینے کا نام جہاد ہے۔ یہ عمل کی انتہائی منزل ہے۔ توحید و سنت سے وابستہ اور عمل صحیح رکھنے والا مومن اس سے دریغ نہیں کرتا۔

جہاد کے مختلف مواقع ہوتے ہیں کبھی کفر کے خلاف برسرپیکار ہونا پڑتا ہے جب کہ وہ اسلام اور دیانت کو دبانا چاہتا ہو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی اور اپنے ساتھیوں کی بھرپور کوششوں سے دلدادگان شرک کو توحید کا زبردست گرویدہ بنا لیا۔

کبھی حاکم حق کو دباتا ہے تو اس سے نمٹنا پڑتا ہے ارشاد نبوی ہے۔

افضل الجهاد کلمۃ حق عند سلطان جائر۔ بہترین جہاد ظالم حاکم کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے۔

اموی حاکم مروان نے قبل از نماز عید خطبہ دینا چاہا۔ ابو سعید خدریؓ نے بڑھ کر مصلی کی طرف کھینچا اور فرمایا خیر و برکت طریق پیغمبری کو اپنانے میں ہے لوگوں نے کہا۔ اما ھذا فقد قضٰی ما علیہ ـــــ ابو سعیدؓ نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔

بعض دفعہ کلمہ گو بھی مجاہدین کا ہدف بن جاتے ہیں وہ نماز، روزہ اور زکوٰۃ کے پابند کیوں نہ ہوں لیکن نظام اسلامی کی مخالفت میں ان سے دو دو ہاتھ ہونا ضروری ہوتا ہے لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا۔ خوارج مرتد نہیں تھے انہوں نے اجتماعی نظم کی مخالفت کی تھی۔ علیؓ ان سے لڑے اور انہیں قتل کیا۔ بچ رہنے والوں سے نہ صرف غلاموں کا سا سلوک نہ کیا بلکہ ان کی نماز جنازہ بھی پڑھی۔ اس انوکھے طرز پر ایک سوال کے جواب میں فرمایا۔ یہ ارتداد کی نہیں بغاوت کی سزا تھی۔ نفس اسلام کے ساتھ نظم اسلام کی حفاظت بھی ضروری ہے۔

اور اہلِ بدعت سے تو اکثر ٹھن جایا کرتی ہے۔ یہ بھی جہاد ہے یہ لوگ دین میں نئی اشیاء داخل کرتے ہیں جذبہ صالح کیوں نہ ہو، تاہم بدعتی کا کوئی عمل قابل قبول نہیں ہوتا۔

فجر کی اذان میں ''الصلوٰۃ خیر من النوم'' کہا جاتا ہے جسے تثویب کہتے ہیں عبد اللہ بن عمرؓ ایک مسجد میں داخل ہوئے تو دیکھا ایک مؤذن اذان کے بعد امراء کے نام لے لے کر تثویب کہہ رہا ہے بات معمولی تھی لیکن آپ نے فرمایا'' اخرج بنا من عند ھذا المبتدع'' ہمیں اس بدعتی کے پاس سے لے چلو اور آپ نے وہاں نماز نہ پڑھی۔

بدعت کا التزام نہیں ہونا چاہیے۔ حدیث میں ہے۔ مَنْ اَحْدَثَ فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد۔ جو ہمارے اس دین میں نئی بات پیدا کرے، رد ہوگی۔

عاشقانِ بدعت دلیل دیا کرتے ہیں کہ پھر تو موجودہ طرز کی جوتی، عینک حتی کہ تم خود بھی بدعت ہوئے جبکہ یہ چیزیں زمانۂ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں ناپید تھیں۔ دراصل انہوں نے فی امرنا ھذا پر غور نہیں کیا۔ ضروریات زندگی میں ترقی اور بڑھاؤ ہونا چاہیے جیسا کہ ہر شعبہ زندگی میں ہمیں فی الحقیقت ارتقاء نظر آرہا ہے لیکن دین میں احداث

برداشت نہیں کیا جاسکتا۔

حضرت علیؓ نے ایک شخص کو عید کے نوافل پڑھتے دیکھ کر ٹوک دیا اور فرمایا۔ ان سے تجھے رضائے الٰہی نہ ملے گی میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بارہا عیدیں پڑھیں کوئی نوافل نہیں تھے۔

بدعت کے خلاف جہاد کا میدان بڑا وسیع ہو گیا ہے یہ ہر جگہ لڑا جا سکتا ہے لوگ فرض شناسی کا ثبوت دیں تو اپنے کاروبار میں مصروف رہ کر بھی یہ فریضہ انجام دے سکتے ہیں۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔

(اے مسلمانو!) تم بہترین جماعت ہو جو لوگوں کی بھلائی کے لیے پیدا کئے گئے ہو نیک کاموں کا حکم کرتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو۔

ہر ایک کو چاہیے کہ خود کو ذمہ دار سمجھے۔ کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ
تم سب نگران ہو اور تم سب سے اپنی رعیت کے بارہ میں سوال ہو گا۔

ضرورت ہے کہ ہم سب اپنے اپنے حلقہ میں تبلیغ اسلام کیا کریں خود بھی سدھریں اور دوسروں کو سدھاریں۔ ماؤں کو چاہیے کہ اپنے بچوں کو نماز روزہ کی تلقین کریں۔ والدین اپنی اولاد کو نیک تربیت نہیں دیں گے تو اور کون دے گا؟

یہ دین اس لیے ہے کہ پہلے یہ کسی کا پرسنل معاملہ نہیں قوم کا اجتماعی مسئلہ ہے۔ فواحش ومنکرات تیزی سے عام ہو رہے ہیں شراب نوشی بڑھ رہی ہے شاعری ناپاک ہو چکی ہے۔ لٹریچر گندا ہو گیا ہے۔ سینما بینی کا مرض عروج پر ہے اور ثقافت کے نام پر زناکاری کا درس دیا جا رہا ہے نتیجۃً طرح طرح کی آزمائشیں رونما ہو رہی ہیں آئے دن ملک میں زلزلے اور طوفان آتے ہیں۔ اور ہولناک بربادیاں ہوتی ہے اور ہم ذرا بھی ٹس سے مس نہیں ہوتے ہمیں قدرت کے انتباہوں کی مطلق پروا نہیں رہی۔ کوئی اعتراض کرے تو کہتے ہیں؛ آپ کو کیا مطلب؟ یہ خاموش بیٹھنے کا وقت نہیں علماء اور عوام دونوں کو چاہیے زمانہ کی بڑھتی ہوئی بے حیائی کے خلاف صف آرا ہو کر مؤثر آواز اٹھائیں اور آنے والے مہیب

سیلاب کو روک دیں۔

وَجَاهِدُوا فِي اللهِ حَقَّ جِهَادِهٖ هُوَ اجْتَبٰكُمْ ــــــ پیغمبر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تھا تو امت مجتبیٰ ہے ـــــ یہ مقام نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر مشروط اطاعت سے حاصل ہوتا ہے جب تک اطاعت ہوتی رہی امت زمین کے کناروں تک پہنچ گئی اور جب دین پرسنل مسئلہ بن گیا تو ذلت اس کا مقدر ہو گئی۔ کہنے کو چھوٹی بڑی کئی اسلامی حکومتیں قائم ہیں لیکن سب بڑے ملکوں کے سامنے بے بسی کی زندگی گذار رہی ہیں۔ سوائے ایک آدھ کے کوئی بھی تو نہیں جس نے خود کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور خدمت اسلام کے لیے وقف کیا ہو یہ طے شدہ ہے کہ مسلمان اسلام سے ہٹ کر کہیں عزت نہیں پا سکتے۔

لوگ اخلاقی طور پر دیوالیہ ہو گئے ہیں امراء وظیفہ خوار ہیں اور علماء تنخواہ دار۔ دونوں اپنی ذمہ داریوں کو محسوس نہیں کر رہے ہے۔ حکام کو چاہیے کہ دہی دیوار سے کان لگا کر اپنے ملک کا اخلاقی جائزہ لیں۔ اور کوئی عملی قدم اٹھائیں۔

بعض لوگ سب کچھ سمجھتے ہیں لیکن کچھ کر دکھانے کی جرأت ان میں مفقود ہوتی ہے وہ سنگین حالات کے مقابلہ میں اپنے آپ کو کمزور پاتے ہیں یہ ایک بہانہ ہے کلمہ گو کے لیے مجبوریاں کیسی؟ شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے بے سروسامانی کے عالم میں ثابت کر دیا کہ انسان کچھ کرنا چاہے تو قدرت اس کی مددگار ہوتی ہے۔ جہاد کے لفظ کو سن کر گھبرانا نہیں چاہیے یہ ہماری جانی بوجھی راہ ہے۔

جعل رزق امتی تحت ظلال السیوف (حدیث)

میری امت کا رزق تلواروں کے سایہ میں رکھا گیا ہے۔

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ـ خدا نے دین کو مشکل نہیں بنایا۔ نماز، روزہ کی طرح اس نے جہاد میں بھی ہماری معذوریوں کا خوب خیال رکھا ہے لیکن مجھ جیسا چنگا بھلا اگر معذرتیں کرنے لگے تو اچھا نہیں لگتا۔

مِلَّةَ أَبِيكُمْ الآیۃ دین حق کی سربلندی کے لیے ہمیشہ مصروف عمل رہیں۔ جہاد ہوتا آیا ہے اور آئندہ بھی کیا جائے گا۔ کفار کے خلاف۔ منافقین کے خلاف ظالم حکام کے خلاف باغیوں کے خلاف۔ نئی ثقافت والوں کے خلاف۔ اور اہل بدعت کے خلاف۔ تب ہی یہ امت مسلمہ مجتبیٰ ہو سکتی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ جمعہ ۲۴ جولائی ۱۹۷۴ء ———— مرتب، حافظ محمد قاسم خواجہ صاحب

ملّت اسلامیہ

مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِن قَبْلُ وَفِي هَٰذَا

(سورۃ حج آیت ۷۸)

پس تم اپنے باپ ابراہیم کا مذہب اختیار کرو اسی (اللہ) نے اس (کتاب) سے پہلے اور اس کتاب (قرآن) میں تمہارا نام مسلم رکھا ہے (پس تم مسلم یعنی اللہ کے فرمانبردار بنے رہو۔

ذکر ہوا تھا جو دین حق کی حفاظت میں فریضہ جہاد ادا کرتے ہیں وہی مجتبیٰ ہوتے ہیں جہاد ایک نیک کوشش ہے سبھی کوشش کرتے ہیں۔ بڑی یا بھلی۔ بے کار کوئی نہیں بیٹھتا۔ اس دنیا میں کسی کو فرصت کہاں؟ کسی نہ کسی کام میں سب مصروف ہوتے ہیں۔ فرصت کا لفظ تو اضافی لحاظ سے بول دیا جاتا ہے۔ قرآن کا منشاء یہ ہے کوشش کرنا ہی ہے تو کسی نیک کام میں کیجئے۔ اس راہ میں مجبوریاں تمہارے پاؤں نہ پکڑ لیا کریں۔ یہ دین مشکل ہرگز نہیں ہے مضبوط قوت ارادی کی ضرورت ہے انسان عزم مصمم سے کسی کام کا بیڑا اٹھائے تو خدا اس کی مدد فرماتا ہے۔

مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ۔ اہل مکہ کو خبردار فرمایا تم ابراہیم علیہ السلام کا نام لیتے ہو اور مسلک حنیفیت کا دعویٰ کرتے ہو۔ اگر صدق دل سے ایسا کہتے ہو اور اس میں کوئی ہیرا پھیری نہیں تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قبول کرو۔ اصولی لحاظ سے ان کا دین بعینہٖ وہی ہے جو ابراہیم علیہ السلام لائے تھے۔ وہی نظریات اور وہی تصورات۔ حنیفیت کا دوسرا نام ہی اسلام ہے۔ نسبت ان سے اور تعلیم بت پرستی کی! یہ کیا تماشا ہے؟ ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کو توڑا اب انہی کے مذہب میں بت پجنے لگیں یہ باعث افسوس ہے۔ بت پرستی کو چھوڑنا تمہاری قوت فیصلہ

پر منحصر ہے۔ بزدلی یہاں کام نہیں دیتی۔

عزیمت اور ارادہ کی پختگی بڑی چیز ہے اس کے بغیر کسی قوم کی کایا نہیں پلٹتی۔ جو لوگ بزدلوں کی مانند اپنی مجبوریوں کو لے بیٹھتے ہیں تمام عمر کچھ کر نہیں پاتے۔

حضور علیہ السلام نے جب نعرۂ توحید بلند کیا تو سارا ماحول مخالف تھا سوائے چند ایک کے اپنے بیگانے سبھی دشمن ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی حالات سے بے خبر نہ تھے۔ ہمارے جیسا کوئی ہوتا تو کہتا کون پہاڑ سے ٹکرائے۔ لیکن آپ نے اپنی شدید مخالفت کے احساس کو اپنے اوپر غالب نہ ہونے دیا یہ ارادہ کی بات ہے۔

۸ھ میں چند برسوں کی کوشش سے مسلمانوں کے ہاتھوں مکہ کی فتح ایک عجیب بات ہوئی تھی۔ قبائل عرب ششدر رہ گئے تھے آس پاس کے لوگ تاڑ گئے تھے کہ اسلام کی طاقت میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے اور اہلِ اسلام کسی وقت بھی مکہ والوں کے لیے خطرہ ثابت ہو سکتے ہیں انہوں نے غیر جانبداری برتی۔ اور کسی قسم کے معاہدہ سے احتراز کیا کہ آئندہ نہ جانے حالات کیسے ہوں۔

خیال تھا مشرکین مکہ پر چڑھائی برداشت نہیں کریں گے اور حملہ کی صورت میں کٹ مریں گے اور جب گھنٹہ دو گھنٹہ کی معمولی پس و پیش کے بعد انہوں نے اپنی شکست تسلیم کر لی تو سارا عرب حیران تھا یہ ایک عجوبہ امر تھا۔ حقیقت یہ ہے وہ لوگ مسلمان بھی تھے اور صاحب ارادہ بھی۔ ایک صفت تو اکثر مل جاتی ہے لیکن وہ دونوں صفات کے جامع تھے۔ تبھی انہوں نے اتنے عظیم کارنامے انجام دیئے۔

هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ۔ جو خدا سے عہد کرتے ہیں ان کا نام مسلمان ہوتا ہے اللہ والوں کے اور بھی نام رہے ہیں۔ مثلاً یہود و نصاریٰ وغیرہما لیکن ان کی حیثیت جزوی ہوئی یعنی شخصیت اصول یا کسی مقام کی طرف منسوب ہوئے۔ اصل نام ان کا مسلمان ہی تھا۔ اسلام نیا مذہب نہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام بھی مسلمان تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کعبہ کے دوران یہی دعا مانگی تھی۔ ربنا واجعلنا مسلمين لك و من ذريتنا امة مسلمة لك (البقرة)

ناموں کے لحاظ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری کے بعد بھی اختلاف پایا گیا، شیعہ سنی یا علوی و عثمانی کا اختلاف سرفہرست ہے جو نہایت سنگین صورت اختیار کر گیا تھا اس اختلاف کے باوجود ان خدا کے بندوں کی باہمی محبت کیسی تھی؟ ایک مثال ملاحظہ ہو

حضرت حسنؓ جنہیں بجا طور پر نسباً علوی اور ذہناً عثمانی کہنا چاہیے۔ حضرت عثمانؓ کی نظر بندی کے دوران اُن کے پاس آئے اور کہا حکم ہو تو مظاہرین کو قوت کے ذریعہ درست کر دیا جائے اسی طرح حضرت ابوہریرہؓ بھی آ کر درخواست گذار ہوئے۔ لیکن انہوں نے فرمایا میں نہیں چاہتا میری خاطر ایک قطرہ بھی مسلمانوں کے خون کا بہے۔ فیصلہ صحیح تھا یا غلط۔ تاہم حضرت عثمانؓ کا صبر بے مثال اور اپنی نظیر آپ تھا پھر بعض لوگوں نے مسلمانوں میں جو تفریق پیدا کی ہے اس سے آپ خوب آگاہ ہیں خوارج نے بھی گڑبڑ مچائی تھی۔ نام سب مسلمان رکھتے ہیں۔

اکثر لوگ کہتے ہیں نام کی وجہ سے سلسلۂ اختلاف پڑتا ہے۔ حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے اختلاف پہلے ابھرتا ہے بعد میں کوئی پارٹی کسی نام سے موسوم ہوتی ہے نام نہ رکھے جائیں تو بھی اختلاف ختم نہیں ہوتے۔

دیانت ملحوظ رکھ کر مسائل میں اختلاف کر لیا جائے تو قباحت نہیں اور اگر اختلاف کو مترادف لڑائی کے سمجھا جاتے تو یہ ہماری ناسمجھی ہے۔

صحابہؓ کی آراء آپس میں متصادم ہو جاتی تھیں حضرت عمرؓ اور عثمانؓ حج تمتع کے قائل نہ تھے۔ جب کہ دوسروں کے نزدیک یہ سنت تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود گھٹنوں کے بیچ میں ہاتھ دے کر رکوع کیا کرتے تھے اسی طرح امامت بھی کرائی اور لوگوں نے آپ کی اقتدار میں نماز پڑھی لیکن لڑے نہیں۔ حضرت ابوذر غفاریؓ نے شام میں امیر معاویہؓ کو پریشان کر رکھا تھا وہ کہتے تھے، فالتو روپیہ رکھنا جائز نہیں کاروبار میں لگاؤ یا غریبوں کو دو۔ امیر معاویہؓ نے حضرت عثمانؓ کو شکایتی چٹھی لکھی، اگر آپ شام میں امن چاہتے ہیں تو ابوذر غفاریؓ کو بلا لیجئے۔ ابوذرؓ نے مدینہ آ کر بھی وہی تبلیغ جاری رکھی حضرت عثمانؓ نے انہیں حکماً بند کیا مگر لوگوں نے ان سے لڑائی نہیں لڑی۔ بحث ضرور کی کہ زکوٰۃ اسلام کا

رکن ہے اگر نقد پاس کچھ نہ ہو تو زکوٰۃ کیسی ؟

بس اسی طرح ان کے اختلافات چلتے تھے اور معاملہ کبھی حد سے نہیں بڑھا تھا۔ کُلٌّ یَّعۡمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِہٖ (بنی اسرائیل ۸۴)

بعد میں فقہائے امت کی زندگی بھی اسی انداز پر تھی۔ امام ابویوسفؒ ایک دفعہ مسجد سے نماز پڑھ کر نکلے تو کسی نے کہا جس پانی سے آپ نے وضو کیا ہے اس میں چوہیا گری تھی آپ کے نزدیک وہ پانی پلید تھا۔ لیکن فرمایا۔ اَلْیَوْمَ نَعْمَلُ عَمَلَ اَھْلِ الْحِجَازِ۔ آج ہم اہل حجاز کے مذہب پر عمل کرتے ہیں۔ اپنا ایک اجتہاد ہوتے ہوئے بھی وہ باقی سب کو غلط نہیں سمجھتے تھے۔ ان ائمہ کے اختلافات کو بنیاد بنا کر ان کے نام سے ایسی فروع چلائی گئی ہیں کہ اگر وہ ائمہ خود دنیا میں تشریف لے آئیں اور انہیں یہ بتایا جائے کہ یہ آپ کا مذہب ہے تو وہ اسے پہچاننے سے انکار کر دیں۔

محدثین نے فقہی اختلافات دور کرنے کی بڑی کوشش فرمائی ہے خدا بہتر جانتا ہے کہ اس میں کہاں تک کامیاب ہوئے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی عالم الغیب اور نہ جانے کیا کیا مشہور کیا جاتا ہے اور پھر سینہ زوری کے ساتھ اسے اہلِ سنت کا مسلک بتایا جاتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان تشریف فرما ہوتے تو صاف فرما دیتے۔ مجھے اس سے معاف رکھو۔

فروعی مسائل میں اختلافات جائز ہیں لیکن لڑنا ناجائز ہے اس لحاظ سے کوئی نام رکھنا مستحسن نہیں تو کم از کم بہت برا بھی نہیں بشرطیکہ دامن اسلام ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے۔

البتہ بنیادی اور اصولی مسائل میں اختلاف اسلام میں گوارا نہیں ایسا کرنے والوں کے خلاف جہاد کا حکم ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ جمعہ ــــ ۱۰ر جولائی ۱۹۶۴ء ــــ مرتب: حافظ محمد قاسم صاحب خواجہ

اللہ کی عدالت میں گواہی اور مسئلہ حاضر و ناظر

هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَ فِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَ تَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ (سورہ حج آیت ۷۸)

اسی اللہ نے اس (کتاب) میں اور اس سے پہلے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے (پس تم مسلمان یعنی خدا کے فرمانبردار بنے رہو) تاکہ رسول تم پر اور تم عام لوگوں پر گواہ ہو جاؤ۔

سچائی کی حمایت میں ممکن حد تک زور لگا دینا عین جہاد اور مقصود زندگانی ہے یہ ایسا فرض ہے جس سے منہ نہیں موڑا جا سکتا۔ جہاد لڑائی کا نام ہی نہیں نصیحت کی بات کہہ دینا بھی جہاد ہے اور حضرت آدمؑ سے لے کر آج تک یہ میدان مسلسل موجود رہا ہے۔

قوموں نے دنیائے عمل میں کیا کیا جوہر دکھائے اور اللہ کو خوش کرنے کے لیے کس کس نے اپنی زندگیاں وقف کیں؟ مرنے کے بعد اس پر غور کیا جائے گا۔ جہاد کی پرکھ ہوگی۔

کون مخلص اور نیک نیت تھا اور کون بدنیت؟ سب نکھر کر سامنے آجائے گا۔ اوروں کی طرح اللہ کے سامنے مجاہد بھی پیش ہوگا اس سے پوچھا جائے گا ہم نے تجھے اتنی نعمتیں دیں تو نے کیا کیا؟ جواب دے گا باری تعالیٰ! میں نے تیری راہ میں لڑ کر جان دے دی جواب ملے گا۔ كذبت ولكنك قاتلت لان يقال انك جرئ فقد قيل (بخاری)

تو نے جھوٹ بولا۔ تو نے اس لیے لڑائی کی کہ بہادر کہلاؤں پس تمہیں بہادر کہا گیا۔

پھر ہماری عملی زندگی پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بھی شہادت ہوگی آپ نے جن کو دیکھا اور جانا ان پر شہادت کا مفہوم تو واضح ہے یہ تفصیلاً بھی ہو سکتی ہے فرمایا:

يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا (فرقان)

خداوندمیری قوم نے (جن میں تو نے مجھے بھیجا تھا) اس قرآن کو (غلط جان کر) چھوڑ دیا تھا۔

جو ہم عصر لیکن غائب تھے یا جو وصال نبوی کے بعد پیدا ہوئے اور تا قیامت پیدا ہوتے رہیں گے ان پر شہادت کیسی؟ اہلِ حق کے نزدیک یہ شہادت اجمالاً ہو گی شخصاً نہ ہو گی آپ کو بذریعہ وحی بتا دیا گیا تھا کہ امت میں کیسے کیسے لوگ ہوں گے۔ پیشگوئیوں کی صورت میں آپ نے جن کی نشاندھی فرمائی اور روز قیامت کو بھی علم ہو گا۔

بعض نے ہر ہر فرد کیلئے تفصیلی شہادت مراد لی ہے اس سے ان کے لیے مسئلہ میں بڑی مشکل پیدا ہو گئی ہے وہ کہتے ہیں آپ ہر جگہ حاضر ناظر ہیں۔ تبھی محشر میں شہادت دے سکیں گے۔ حاضر و ناظر کا مسئلہ فقہائے متقدمین میں نہیں تھا قرآن وسنت سے اگر ثابت ہوتا تو ہم مان لیتے آخر ہم نے دیگر معجزات بھی تو مانے ہیں۔

اگر شہادت ہی کی خاطر یہ مسئلہ پیدا کیا گیا ہے تو پھر اس تکلف کی ضرورت نہ تھی یہ لوگ یہ بھی تو کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم زندگی میں بھی ما کان و ما یکون کا علم رکھتے تھے کیا شہادت کے لیے وہ علم ناکافی سمجھا گیا تھا؟

ان کا ایک استدلال سنیئے فرماتے ہیں اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ موجود نہ ہوں تو لو وارد قبر سے منکر نکیر کیسے پوچھ سکتے ہیں: ما کنت تقول فی ھذا الرجل (ترمذی) تیرا اس شخص (نبیؐ) کے متعلق کیا خیال تھا؟ یاد رہے اشارہ کے لیے ضروری نہیں کہ مشار الیہ ضرور سامنے موجود ہو جب آیت ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْہِ نازل ہوئی تھی تو سارا قرآن پورا نہ اترا تھا۔

ہرقل اور ابوسفیان کا مکالمہ مشہور ہے شاہ روم نے اپنے ترجمان کی وساطت سے کہا تھا انی سائل ھذا عن ھذا الرجل (بخاری) میں اسے اس آدمی (نبیؐ) کے متعلق سوال کرنے لگا ہوں۔ کیا خیال ہے ہرقل اور ابوسفیان اور دیگر درباری سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر ناظر سمجھتے تھے؟ مطلب یہ ہے آپ اس وقت ان کے ذھنوں میں موجود تھے اور ھذا کا اشارہ اس ذات کی طرف تھا جو زیر بحث تھی۔

سچی بات تو یہ ہے کہ ہر چیز کا علم تو آپ کو اپنے خویش واقارب کے بارے میں بھی نہ تھا۔ ورنہ واقعہ افک میں اتنی طویل اور قطعی خاموشی کیوں؟ ام المومنینؓ پر بہتان عظیم لگ رہا ہو اور آپ مصلحتاً خاموش بیٹھ رہے ہوں یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

بقول مورخ ابن سعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صحابہ نے بیاسیؒ جنگیں لڑیں کہیں کامیاب رہے اور کہیں ناکام۔ غزوہ احد میں مسلمانوں کی فتح شکست سے تبدیل ہوگئی صحابہ نے کبھی شکایت نہ کی کہ حضور! آپ ما کان و ما یکون کا علم رکھتے ہیں ہمیں پہلے کیوں مطلع نہ فرمایا؟

آیت نازل ہوئی: لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ لَا تَخَافُونَ۔ تم لوگ مسجد حرام (کعبہ شریف) میں ضرور داخل ہو گے انشاء اللہ اس حال میں کہ تم سر منڈائے اور بال ترشوائے ہوئے ہو گے کسی کا خوف تم کو نہ ہو گا۔

آپ قریباً ڈیڑھ ہزار صحابہؓ کو ہمراہ لے کر عمرہ کے لیے چلے۔ یہ حضرات منزل بہ منزل حدیبیہ پہنچے آگے دیکھا تو داخلہ بند ہے کفار مکہ سے کہا ہم لڑنے نہیں عمرہ کرنے آئے ہیں اخیر بات صلح پر ٹھہری صحابہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا، یا رسول اللہ! یہ کیا؟ فرمایا فتح یقیناً ہو گی لیکن کب؟ یہ نا معلوم ہے۔ یعنی چند دن بعد جو واقعہ ہونے والا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی تاریخ کا بھی علم نہ تھا۔

حجۃ الوداع حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قران کی شکل میں ادا کیا اور قربانی ساتھ نہ لانے والے صحابہ کو عمرہ سے فارغ ہو کر احرام کھول دینے یعنی تمتع کا مشورہ دیا انہوں نے پس و پیش کی۔ ان کے خیال میں یہ عمرہ، عمرہ ہی نہ تھا انہوں نے حج کی نیت سے احرام باندھا ہوا تھا۔ کیونکہ ایام جاہلیت میں حج کے دنوں میں عمرہ بُرا سمجھا جاتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی احرام قائم رکھے ہوئے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لو انی استقبلت من امری ما استدبرت لم اسق الھدی (مسلم) جو کچھ مجھے بعد میں معلوم ہوا ہے اگر پہلے معلوم ہوتا تو ہدی (قربانی) ساتھ نہ لاتا اور حج کو عمرہ کر لیتا۔

ان مثالوں سے ظاہر ہے کہ یہ حاضر و ناظر اور غیب دان ہونے کی باتیں سراسر لوگوں کی

اختراعات ہیں۔ ان کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔

گواہ ہونے کی حیثیت سے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کا مقام بہت اونچا ہو گیا ہے اس سے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی عظمتِ شان اور علو مرتبت کا پتہ چلتا ہے۔ گواہی وہی دے سکتا ہے جو عادل اور صادق ہو اور پھر ایسی عظیم الشان گواہی !

صحابہ نہایت نیک نفس، پاک باطن، پابند شریعت اور مجسمہ صدق وصفا تھے۔ تاہم شہادت کے معاملہ میں ان کے متعلق بھی فرمایا۔

وَّاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ (طلاق)

"اور اپنے میں سے دو صاحب عدل کو گواہ بناؤ"

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک دو پر نہیں پوری امت پر گواہ ہوں گے اور تنہا گواہ ہوں گے دوسرے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

پھر فرمایا :

وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ۔ یہ شہادت بھی اجمال اور تفصیل پر منقسم ہے ہم صرف اپنے متعلقین اور نسناساؤں پر گواہی نہ دیں گے فرمان نبوی کے مطابق گذشتہ اقوام پر بھی ہماری گواہی ہوگی اور اس زمانہ میں ہمارے غیر موجود ہونے کے باوجود معتبر ہوگی کیونکہ ہمیں قرآن وحدیث کے ذریعہ مجملاً ان کے حالات کا پتہ چل گیا ہے پھر نہ جانے ہم پر گواہی کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا موجود ہونا کیوں ضروری سمجھا گیا۔ یہ لوگ اجمال وتفصیل کے موٹے سے فرق کو بھی نہیں سمجھتے۔

اللہ تعالیٰ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ہمیں بھی شہداء کہہ کر بہت بڑا اعزاز بخشا ہے اس منصب کو قائم رکھنے کے لیے ہمیں چاہیے کہ نہایت پاکیزہ زندگی بسر کریں۔

جو شخص جھوٹ بولتا اور خلاف شرع کام کرتا ہو شہادت کے لائق نہیں رہتا لوگوں میں اس کا اعتماد اٹھ جاتا ہے اور ثقاہت ختم ہو جاتی ہے۔

اللہ کی عدالت میں شہادت دینے کے لیے انسان کو بہت ہی نیک اور بلند

اخلاق ہونا چاہیے لیکن افسوس ہے ہم لوگ چند ٹکوں کے عوض نہایت کمینہ حرکتیں کر جاتے ہیں اور دنیوی حرص وطمع کے لیے جھوٹ جیسے بدترین گناہ سے بھی پرہیز نہیں کرتے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح مسلمان بننے کی توفیق دے تاکہ اللہ کی عدالت میں ہم بھی شہادت کے قابل ہو سکیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ جمعہ ——————— مرتب حافظ محمد قاسم خواجہ

اسلام فحاشی کا سدّباب کرتا ہے

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝ (المومنون آیت ۵ تا ۷)

اور وہ لوگ جو اپنے فرجوں اور (شرم گاہوں) کی (زنا، لواطت وغیرہ سے) حفاظت کرتے ہیں کہ اپنی عورتوں اور باندیوں کے سوا کسی سے نہیں ملتے ان پر (اللہ کی طرف سے) کوئی ملامت نہیں ہاں جو لوگ اس کے سوا اور طریق اختیار کرتے ہیں (یعنی بے گانی عورتوں سے زنا یا لڑکوں سے لواطت کرتے ہیں) وہی حدود (خداوندی) سے بڑھنے والے ہیں (ترجمہ: مولانا ثناء اللہ صاحب مرحوم)

کامیاب مومنوں کی صفات بیان کرتے ہوئے نماز میں خشوع، لغو سے پرہیز اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا ذکر کر کے چوتھی صفت کا تذکرہ فرمایا جو اخلاق سے تعلق رکھتی ہے یعنی کہ مؤمن کو اپنے جذبات پر پورا پورا ضبط اور کنٹرول ہوتا ہے۔

اخلاقی تعلیم تمام اقوام کو دی گئی ہے آج اس کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے کیونکہ ماحول انتہائی ناسازگار ہو گیا ہے۔

بچہ پیدا ہو کر مختلف منزلیں طے کرتا ہے اور جب نشو و نما پا کر جوانی میں قدم رکھ دیتا ہے تو اس میں قوت بقائے نسل پیدا ہوتی ہے۔

جوانی میں سنبھل کر رہنا بڑا مشکل ہوتا ہے لیکن مومن اس منزل سے بھی کامیاب گزر جاتا ہے۔ کیونکہ اس کی زندگی خواہشات کے نہیں اللہ تعالیٰ کے تابع بسر ہوتی ہے۔

محاسن اخلاق کو اپنانا اور بے راہ روی سے محفوظ رہنا دین کی روح ہے بلکہ

صاف لفظوں میں یوں کہنا چاہیے۔ اخلاق ہی زندگی ہے۔ لیکن جو لوگ اس سے عاری ہیں ان کی زندگی کتوں اور خنزیروں سے فروتر ہوتی ہے۔

ہمارا ملک گو آزاد ہو چکا ہے لیکن ہمارے ذھن ابھی تک غلامی سے نجات نہیں پا سکے مغربی تہذیب برابر ہمیں متاثر کیے جا رہی ہے یہ الواع واقسام کی عیاشیاں ادھر ہی سے آ رہی ہیں۔ ہم باوجودیکہ ان سے متنفر ہیں لیکن انہیں قبول کرنے میں ہمیں ذرا بھی تامل نہیں ہوتا اور باتوں کو جانے دیجئے یہ ریڈیو کچھ کم مخرب الاخلاق نہیں ہے اسے الا ماشاء اللہ فحش گانے بولنے کے سوا کچھ کام ہی نہیں ہے آپ کی مائیں بہنیں اور بیٹیاں مزے لے لے کر ان کے غلیظ گانے سنتی ہیں۔ اور آپ کی غیرت ہے کہ کبھی نہیں جاگی۔

بعض لوگ بہانہ کرتے ہیں جی ہم نے تو قرآن حکیم اور خبریں وغیرہ سننے کے لیے ریڈیو رکھا ہوا ہے۔ گذارش ہے دو چار آیتیں سن بھی لیں تو کیا ہوا تمام دن جو پلید گانے نشر ہوتے رہے ان کا کیا جواز پیش کیجئے گا؟

ان آیتوں میں مذکر کے صیغے استعمال کیے گئے ہیں یعنی خصوصی طور پر مردوں کو اخلاقی تنبیہ کی گئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کا ذہن فطرتاً پاک ہوتا ہے وہ اپنی حیا کا خیال رکھتی ہے اسے اپنی عفت کا پاس ہوتا ہے اور وہ اپنی عصمت و آبرو کا لحاظ رکھتی ہے یہ مرد ہیں جو لپس پردہ اسے خراب کرتے ہیں اور پھر بعض اوقات یہ ذات اس شرمناک وادی میں ان سے بھی بڑھی ہوئی نظر آتی ہے۔

عورت کا پستی میں گرنا دیکھیے زمانہ جاہلیت میں زنا تو زنا تھا ان کے اکثر نکاح بھی بذات خود شرم ناک قسم کے زنا تھے ان میں نکاح کی سات قسمیں مروج تھیں صرف ایک شکل معقول تھی جسے اسلام نے رہنے دیا اور اس میں بھی کافی اصلاح کی باقی سب کو حرام قرار دیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت خدیجہ سے نکاح ابو طالب نے پڑھا تھا اس زمانہ میں نکاح کیا ہوتا تھا۔ مجلس نکاح میں طرفین کے لوگ اپنی اپنی شان میں قصیدے کہتے کہ ہم یہ اور ہم وہ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رسم کو خطبہ مسنونہ اور ایجاب و قبول کی پاکیزہ ہیئت

میں بدل دیا۔

اسلام نے اخلاقی لحاظ سے بھی شاندار انقلاب پیدا کیا ہے نہایت گندے لوگ اعلیٰ درجہ کے پاک باز ہو گئے سب غلاظتیں ختم ہوئیں اور زنا کا وجود قصہ ماضی بن گیا اگر کسی سے یہ جرم سرزد ہوا بھی تو خدا کا ڈر اتنا کہ اپنا قصور چھپانے کی کوشش نہیں کی ضمیر ملامت کرتا تھا اور سنگین سزا کے لیے از خود عدالت میں پیش ہوتے۔

ماعز اسلمیؓ نے اپنے گناہ کا اعتراف کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ٹالتے رہے چوتھی بار اس نے اصرار کیا تو آپ نے فرمایا:

أَبِكَ جُنُونٌ (تم پاگل تو نہیں؟)

کہا ــــــ "نہیں"

فرمایا، "احصنت" (شادی شدہ ہو؟)

کہا ــــــ "ہاں"

تب رجم کا حکم فرمایا ــــــ یعنی عدالت گناہ چھپانے کی تلقین کرتی ہے۔ لیکن مجرم اسے بیان کرنے پر بضد ہے

ایک عورت کا واقعہ بھی مشہور ہے اس نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر اپنی غلطی کا خود اقرار کیا اور ساتھ ہی کہا کہ اس کا پاؤں بھاری ہو گیا ہے۔ فرمایا: وضع حمل کے بعد آنا۔ وہ پھر آئی تو فرمایا کہ اسے جا کر ابھی دودھ پلاؤ۔ جب روٹی کھانے لگے تو پھر آنا وہ تیسری بار پھر آئی اور بن بلائے آئی اور رجم کو گوارا کیا۔ صنف نازک اور یہ حوصلہ، اللہ رے شان تیری! یہی چند ایک واقعات ہوئے جو درج کتب ہو گئے اور فضا بالکل صاف ستھری ہو گئی۔

اپنا معاشرہ بھی ہمارے سامنے ہے۔ زنا اپنی انتہا کو پہنچ گیا ہے۔ اہل مذہب سے امید تھی کہ کچھ اقدام کریں گے لیکن میلاد جیسی بدعتوں میں پڑ کر انہوں نے اس فتنہ کو اور ہوا دے دی ہے تقدس رو بہ انحطاط ہے اور یہ حضرت گڈوں پر چڑھ کر ناچ کو د رہے ہیں ٹھیک فرمایا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ــــــ جتنی بدعت پھیلتی ہے اتنی ہی سنت جگہ خالی کر دیتی ہے۔

حدیث ہے: لا یزنی الزانی حین یزنی وھو مؤمن یعنی زانی زنا کے وقت مومن نہیں رہتا۔ ایمان تو بعد کی بات ہے جائز صورتوں کے ہوتے ہوئے دائیں بائیں منہ مارنا کہاں کی انسانیت ہے؟ یہ تو معمولی اخلاق سے بھی گری ہوئی حرکت ہے۔

جو بُرے ہیں وہ تو بدنام ہیں لیکن جنہیں آپ شرفاء کہتے ہیں انہوں نے کون سی اچھی مثال قائم کی ہے کلبوں میں کیا ہوتا ہے؟ بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست۔ خاندانی منصوبہ بندی کا ایک فائدہ ضرور ہوا ہے کہ اخلاقی مجرموں کی بدمعاشی چھپ گئی ہے اور اب انہیں کھل کر گل کھلانے کا موقعہ مل گیا ہے۔ یہ اخلاقی کمی کا نتیجہ ہے کہ دیگر جرائم بھی بڑھ رہے ہیں کسی کی جان کی بھی پروا نہیں رہ گئی ان حادثات کا زیادہ تر یہی باعث ہے۔

حکومت کو چاہیے کہ زنا کے اسباب و دواعی پر غور کرے ہمارا لٹریچر سینمے تفریح گاہیں، کلبیں اور ریڈیو سب نظر ثانی کے قابل ہیں بالخصوص ریڈیو کا اثر تو بڑا ہمہ گیر ہے[ع] اس نے تو گھر گھر میں فحاشی کی آگ لگا دی ہے اس سے اخلاق تباہ ہو رہے ہیں جب دنیا یہ جانتی ہے تو پھر کیوں اس میں اصلاح نہیں کی جاتی۔

ہمیں مغرب کی کورانہ تقلید نہیں کرنی چاہیے ہماری اور ان کی راہیں جدا جدا ہیں۔

ع ریڈیو کے بعد اب ٹیلیویژن اور وی سی آر نے بے حیائی کی اس تبلیغ کو انتہاء تک پہنچا دیا ہے۔ حکومت اسے روکنے کی بجائے اس کی حوصلہ افزائی کرتی ہے فالی اللہ المشتکیٰ!

عبدالسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خطبہ جمعہ: ۴ ستمبر ۱۹۶۴ء ـــــ مرتب: حافظ محمد قاسم صاحب خواجہ

مومن نماز کی حفاظت کرتے ہیں

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوَارِثُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ (سورہ مومنون آیت ۹ تا ۱۱)

اور وہ لوگ جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں (اس طرح کہ ٹھیک وقت پر ان کو ادا کرنے کا خیال لگا رہتا ہے) (پس) یہی لوگ وارث ہیں جو جنت الفردوس کے وارث ہوں گے۔ جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

(ترجمہ مولانا ثناء اللہ صاحب مرحوم)

ایمان کا دعویٰ بہتوں کو ہوتا ہے لیکن کامیابی سے ہم کنار وہی ہوتے ہیں جن میں مومنوں کے سے اوصاف پائے جائیں۔

اسلام میں نماز خصوصی اہمیت رکھتی ہے اس میں سجدہ پایا جاتا ہے جو خشوع کا انتہائی مقام ہے اسی لیے یہاں اولاً خشوع نماز کا ذکر کیا اور آخر میں بھی نماز ہی متعلق صفت بیان فرمائی کہ وہ نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

قرآن مجید میں نماز کا ذکر بکثرت اور مختلف الفاظ میں ملتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں اقامت، دوام اور محافظت کا ہونا ضروری ہے ضرورت کی نماز، فرصت ملے کی نماز اور بلا تسلسل یا ناغہ سے پڑھی جانے والی نماز قابل قبول نہیں ایسی نمازیں کاروباری ذہن کی پیداوار ہوتی ہیں عبادت کہلانے کے مستحق نہیں نجات و فلاح کا تعلق اس نماز سے ہے جو ہمیشہ ہو روز قیامت جن نمازیوں کو عرش کا سایہ (یوم لا ظل الا ظلہ) نصیب ہوگا ان کا وصف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا: وقلبہ معلق بالمسجد (مشکوۃ)

دل مسجد سے وابستہ رہتا ہے یعنی وہ منتظر رہتے ہیں کب اذان ہو اور ہم بارگاہ الہٰی میں حاضری کو پہنچیں۔

ہم لوگ نماز سے مجرمانہ غفلت برت رہے ہیں اس کی قدر و منزلت پوری طرح محسوس نہیں کر پائے عبادات میں سب سے پہلے نماز ہی کا پوچھا جائے گا۔ شریعت میں مسلمان اور کافر میں نماز کا فرق بتلایا گیا ہے جو شخص نماز نہیں پڑھتا اس کے متعلق کفر کا فتویٰ ہے۔ کفر کے مفہوم میں بحث کی گنجائش نکالی جا سکتی ہے لیکن کفر کا لفظ نہیں تبدیل ہو سکتا۔ یعنی اسلامی دنیا میں یہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی شخص مسلمان ہو کر پابند نماز نہ ہو۔ یہ ٹھیک ہے اسلام صرف نماز میں نہیں رہ گیا مسلمان کے ذمہ اور بھی بہت سے کام ہیں لیکن جو مقام نماز کو ملا ہے اس لحاظ سے یہ تمام عبادتوں میں سرفہرست ہوگئی ہے۔

حفاظت کا مفہوم صرف یہی نہیں کہ پانچ وقت نماز پڑھ لی جائے اور بس بلکہ مزید بہت کچھ ملحوظ رکھنا پڑتا ہے۔ مثلاً

حفاظت وضوء بعض دوستوں کو بے محابا پانی گرانے کی عادت ہوتی ہے آدمی اتنا کم بھی استعمال نہ کرے کہ اعضاء خشک رہ جائیں۔ اور نہ ہی ضرورت سے زیادہ۔ حدیث کے الفاظ ہیں لا تسرف ولو کنت علی نھر جار[1]۔ بہتی نہر پر بیٹھ کر بھی اسراف نہ کرو۔ پانی دستیاب نہ ہو تو چاہیے کہ باادب ہو کر تیمم کرے۔

حفاظت وقت وقت کی پابندی جتنی مشکل ہے اسی قدر ضروری ہے اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ۝ یہ دہی

---

[1] یہ روایت مسند احمد اور ابن ماجہ میں مذکور ہے عن عبد اللہ بن عمرو قال ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم مر بسعد وھو یتوضأ فقال ما ھذا السرف یا سعد ؟ قال افی الوضوء سرف؟ قال نعم ولو کنت علی نھر جار (مشکوٰۃ صـ) حافظ ابن حجرؒ نے تلخیص میں یہ حدیث ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے "اس کی سند ضعیف ہے" اور فتح الباری میں فرمایا اس کی سند لین ہے دیکھئے مرعاۃ صـ۲۸۹ ج ا۔ عبد السلام

اختیار کر سکتے ہیں جن میں مجاہدانہ سپرٹ پائی جاتی ہو۔ اوّل وقت پیش نظر رہنا چاہیے کیونکہ رحمت ہے آخری وقت کو عفو کہا گیا ہے[1] یعنی اس وقت نماز پڑھنے والا مجرم ہونے سے بچ جاتا ہے کہ اسے معافی دے دی گئی اور کوئی فضیلت حاصل نہ کر سکا۔

حفاظت طہارت نماز کی جگہ جسم اور لباس پاک ہو کیونکہ نماز میں انسان خدا سے مناجات کرتا ہے اور فرشتے اس میں حاضر ہوتے ہیں۔

حفاظت ارکان تعدیل ارکان ایک اہم مسئلہ ہے انسان چٹاپٹ نماز سے پیچھا چھڑانے کی کوشش نہ کرے گویا بیگار میں پکڑ لیا گیا ہو۔ بے شک اطمینان کے ساتھ ادا کرے اس کے اعضاء میں سکون پیدا نہیں ہوگا تو دل میں سکون کہاں سے آسکے گا۔ ایک شخص نے جلدی جلدی نماز پڑھی تو اُسے مُسِیءُ الصلوٰۃ کا خطاب ملا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

صَلِّ فَاِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ

تو پھر نماز پڑھ کیونکہ تو نے نماز نہیں پڑھی (مشکوٰۃ)

تعدیل ارکان کے بغیر فقہائے حنفیہ نہ جانے نماز کو کیوں صحیح کہہ دیتے ہیں ایسی نماز فقہی تو ہو سکتی ہے لیکن خدا کے ہاں مقبول بھی ہوگی یہ مسئلہ الگ ہے خدا معاف کرے

---

[1] یہ روایت ترمذی میں ہے اس کے لفظ یہ ہیں "الوقت الاول من الصلوٰۃ رضوان اللہ والوقت الآخر عفو اللہ" بیہقی نے المعرفہ میں فرمایا ہے: "یہ حدیث یعقوب بن ولید سے معروف ہے جسے احمد بن حنبل اور دوسرے حفاظ نے جھوٹا قرار دیا ہے اور یہ حدیث جتنی سندوں کے ساتھ روایت ہوئی ہے سب ضعیف ہیں" دیکھئے تحفۃ الاحوذی ص ۱۵۵ ج ۱۔ حقیقت یہ ہے کہ جو نمازیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اول وقت پڑھتے تھے وہ اس وقت افضل ہیں اور جو دیر سے پڑھنے کی فضیلت بیان کی ہے وہ اس وقت افضل ہیں مثلاً عشاء کی نماز۔ عبدالسلام

تو بات دوسری ہے وہ قادر مطلق ہے لیکن جس طرح قانوناً ابلیس، منکرین نبوت اور منکرین حدیث رحمت کے مستحق نہیں اسی طرح جب آپ نے فرما دیا ہے کہ انك لم تصل تو پھر بغیر تعدیل کے نماز کیوں صحیح ہو؟

حفاظت نوافل

انسان کتنا ہی نیک اور پارسا ہوتا رہے تکمیل کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ ان اللہ لا یمل حتی تملوا (مشکوٰۃ) حسب استطاعت کوشش جاری رکھنا چاہیے صرف فرائض پر نہ رہے نوافل پر بھی توجہ دے تاکہ ان سے تلافی کا کام لیا جا سکے۔ حدیث میں ہے فرائض میں کمی رہ جائے گی تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا هَلْ لِعَبْدِيْ مِنْ تَطَوُّعٍ میرے بندے کی کوئی نفلی عبادت ہے! یعنی اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے فرائض کی کمی نوافل سے پورا فرما دیں گے۔

ربیعہ بن اسلمیؓ نے جنت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مرافقت چاہی تو فرمایا اعنی علی نفسك بکثرۃ السجود۔ خوب سجدے کرو۔

ہم نوافل سے بھاگتے ہیں کہ چلو کون سے فرض ہیں لیکن ان میں فائدہ کا پہلو نہیں دیکھتے اور نقصان میں رہتے ہیں۔

اولٰئك ھم الوارثون الآیۃ (وراثت بمعنی ملکیت) ملکیت کے متعدد ذرائع ہوتے ہیں خرید، عطیہ، موروث کی موت وغیرہ وارث کو وہی حقوق ملکیت حاصل ہو جاتے ہیں جو مورث کے لیے ہوتے ہیں یہاں موت تو کسی کی نہیں ہوگی صرف مکمل مالک ہونے کی وجہ سے اس لفظ کا اطلاق ہوا۔

ایک اور مفہوم بھی لیا گیا ہے۔ حدیث کے مطابق ہر شخص کے دو ٹھکانے ہیں جنت میں بھی اور جہنم میں بھی کفار نے اپنی کوشش کو غلط راہ پر لگایا اور جنت سے محروم ہو گئے مومنوں نے تحصیل جنت کی سعی کی ان کا جہنمی ٹھکانا دوزخیوں کے سپرد ہوا اور خود کفار کے بہشتی ٹھکانہ کے وارث اور قابض ہو گئے اس لحاظ سے یہ لفظ اپنے اصلی معنوں میں مستعمل ہوا۔

هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ عارضی خوشی سے خوشی نہیں ہوتی۔ جیسے لڑکا ہوا اور مر جائے دائمی مسرت ہی خوشی کا باعث ہے دیکھئے ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنٰفِسُوْنَ ۝

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ جمعہ ______ مرتب: چودھری عبدالواحد صاحب

اعضائے انسانی کی گواہی

اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝ یَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَیْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (سورۂ نور آیت ۲۳-۲۴)

جو لوگ پاک دامن، بے خبر، مومن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی جاتی ہے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے جس دن ان کی زبانیں، ہاتھ اور پاؤں ان کے خلاف گواہی دیں گے اس کی جو کچھ وہ کرتے تھے۔

رَمی اینٹ یا پتھر پھینکنا یا ڈھیلا مارنا۔ الفاظ کی رمی سے مراد یہ ہے کہ بلا سوچے سمجھے باتیں بنائی جائیں تہمتیں گھڑی جائیں۔ اور پھر واقعہ کی حقیقت معلوم کیے بغیر انہیں بار بار سنایا جائے۔

المحصنٰت محصن حصن سے مشتق ہے جس کے معنی قلعہ کے ہیں۔ قلعہ کے اندر پہنچ جانے والا شخص ہر قسم کے خطرات سے محفوظ ہو جاتا ہے شادی بھی ایک قلعہ ہے کیونکہ شادی شدہ شخص عموماً اخلاقی خطرات سے محفوظ ہوتا ہے۔ شادی و نکاح انسان کے اخلاق کی حفاظت کرتے، اسے بدکاری سے بچاتے اور شرم و حیا کے محافظ ہوتے ہیں پاکباز اور شادی شدہ کو محصن قرار دیا گیا ہے محصنٰت سے مراد شادی شدہ اور پاکباز عورتیں ہیں عفت اور پاکبازی عورت میں فطرتی طور پر ہوتی ہے لیکن عورتوں کے ساتھ مرد بھی محصن ہیں جیسا کہ سورۂ نساء میں فرمایا ہے محصنین غیر مسافحین۔ محصن مرد اور عورت ہر دو پر تہمت لگانا گناہ ہے۔

الغفلت: بے خبر۔ وہ جن کو کچھ خبر نہیں کہ بدکاری کیا ہوتی ہے کس طرح کی جاتی ہے

برائی کی تہمت سے بھی بے خبر ہوں۔ جیسا کہ حضرت عائشہ کا معاملہ تھا مدینہ بھر میں ان کے متعلق ہنگامہ برپا تھا لیکن ان کو اس کی کوئی خبر نہ تھی کہ ان کے متعلق کیا باتیں بنائی جا رہی ہیں۔ ان کو مسطح بن اثاثہ کی والدہ کی زبانی اس کا علم ہوا وہ حضرت عائشہؓ کے ہمراہ رفع حاجت کے لیے جا رہی تھیں کہ راستے میں ٹھوکر لگنے پر انہوں نے مسطح کے لیے بد دعا کی جس پر حضرت عائشہؓ کو اس ہنگامہ کا علم ہوا۔ تذکرہ فواحش غفلت کی عین ضد ہے۔ اسی طرح اختلاط مرد و زن بھی درست اور جائز نہیں ہے بغیر محرم مردوں کا اندرون خانہ بلا روک ٹوک آنا تقاضائے "غفلت" کے خلاف ہے۔ عورتوں کا بلا ضرورت گھروں سے باہر رہنا یا زیادہ دیر تک پھرنا بھی الغفلٰت کی صفت نہیں ہے۔ برائی سے ناآشنائی کا دوسرا نام غفلت ہے۔

المؤمنات احصان اور غفلت کے ساتھ ایمان کا بھی ذکر ہے مطلب یہ ہے کہ ایمان اور خشیت الٰہی ہی برائی سے محفوظ رکھ سکتی ہے۔

ایک مومن نہ تو زانی ہو سکتا ہے اور نہ مشرک۔ اس لیے ایک زانی کا نکاح زانیہ یا مشرکہ کے ساتھ اور ایک زانیہ کا نکاح زانی یا مشرک کے ساتھ درست ہو سکتا ہے وحرم ذلك على المومنين بدکار اور مشرک کا کردار ایک جیسا ہوتا ہے۔ مشرک کا ذہن عفیف نہیں ہوتا بالکل جیسے زانی عفیف نہیں ہوتا۔ مشرک خدا کے حق خاص میں مخلوق کو شامل کر لیتا ہے اور اسی طرح زانی مرد یا عورت ایک خاص فرد کے حق خاص میں کسی دوسرے کو شامل کر لیتے ہیں یہ قدر دونوں میں مشترک ہے جس کی بنا پر کہا گیا ہے الزانی لا ینکح الا زانیۃ او مشرکۃ ..... الخ لعنوا فی الدنیا والاخرۃ "ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی گئی ہے" اس سے قبل زنا کی تہمت لگانے والے کے لیے ۸۰ درے کی سزا کا ذکر گزر چکا ہے یہاں اس سزا کا ذکر نہیں کیا بلکہ ان پر لعنت ہے مطلب یہ ہے کہ جسمانی سزا کافی نہیں ہے ان پر پھٹکار کی گئی ہے خدا کی حمد و ثنا سے یہ لوگ محروم ہیں خدا تعالیٰ کی عبادت سے محرومی لعنت ہے اللہ تعالیٰ سے قرب زیادہ عبادت میں ہوتا ہے۔ سجدہ کی حالت میں ایک بندہ اپنے رب کے بالکل قریب ہوتا ہے۔ پاک دامن، شریف اور سیدھی سادھی عورتوں پر الزام لگانے والوں پر لعنت کی گئی ہے۔

ہمارے معاشرہ میں زنا کی تہمت وبا کی طرح پھیل چکی ہے زنا کے تذکرے عام ہوتے ہیں یہ گھروں سے لے کر دفتروں تک ہر جگہ جاری ہیں۔ بدگمانی کا مرض عام ہوتا جا رہا ہے ہمیں سوچنا چاہیے کہ اس لعنت کا مصداق کیا ہم تو نہیں بن رہے ہیں؟ تمام علماء اس امر پر متفق ہیں کہ عورت اور مرد دونوں پر تہمت لگانی حرام ہے۔

بعض مفسرین نے ان آیات کو امہات المؤمنین کے لیے خاص کہا ہے شان نزول کا ذکر قبل ازیں ہو چکا ہے جو کہ یہی ہے لیکن الفاظ آیات عام ہیں اس ضمن میں سب شامل ہیں جس میں بھی ۳ صفات ہوں گی۔

(۱) احصان (۲)۔ غفلت (۳) ایمان

اس کے خلاف بدگمانی کرنے والا لعنت کا مصداق ہو گا۔ البتہ مشہور عام بدکردار اور بداخلاق کے خلاف زبان کھولنا جرم نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی ایک عورت کے متعلق کہا تھا کہ اگر چار گواہوں کی پابندی نہ ہوتی تو میں اس عورت کو رجم کرا دیتا۔

وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ٥ ایسے لوگ جو کہ پاکباز عورتوں پر الزام لگا دیں ان کے لیے عذاب عظیم ہے۔ زبان کی خرابی بھی بہت بڑی برائی ہے عملی غلطی کوئی نہیں ہے لیکن صرف زبان کی وجہ سے آخرت کے عذاب کا مستحق ہو جائے گا۔

ایک حدیث میں ذکر آتا ہے کہ جہنم میں منہ کے بل گرنے والے زبان کی وجہ سے گریں گے۔

ایک دوسری حدیث میں ذکر ہے کہ پاک دامن عورتوں پر بہتان لگانا سو سال کے اعمال کو برباد کر دیتا ہے۔

ایک دوسری حدیث میں عفیف عورتوں پر الزام کو سات کبیرہ گناہوں میں شمار کیا گیا ہے۔

ایک حدیث میں ذکر آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو جہنم میں دیکھا کہ ساری زبان لٹک رہی ہے اور اس سے خون جاری ہے۔ استفسار پر بتایا گیا کہ یہ تہمت

لگانے والا ہے۔ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ۔

يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ۔ تہمت لگانے والے آخرت میں اپنے اس جرم سے انکار کریں گے تو ان کی زبانیں، ہاتھ، پاؤں ان کے خلاف گواہی دیں گے۔ یہ بے بسی کی شہادت ہو گی جسم کے جس حصے نے کوئی کام کیا ہو گا۔ اور عضو اٹھایا ہو گا۔ وہ اس کی شہادت دے گا زبان باتوں کی۔ ہاتھ پکڑنے کی پاؤں چل کر جانے کی۔

بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ : اس روز ان کو بالکل درست سزا ملے گی۔ ان کو یقین ہو جائے گا کہ یہی ان کا حق ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خطبہ جمعہ ــــــــــ مرتب: چوہدری عبدالواحد صاحب

پاکیزگی و خباثت کے نتائج

اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ (سورۃ النور، ایت ۲۶)

خبیث عورتیں واسطے خبیث مردوں کے ہیں اور خبیث مرد واسطے خبیث عورتوں کے ہیں اور پاک عورتیں واسطے پاک مردوں کے ہیں

اور پاک مرد واسطے پاک عورتوں کے ہیں یہ لوگ پاک ہیں

اس چیز سے کہ کہتے ہیں واسطے ان کے بخشش ہے اور روزی ہے باکرامت۔

سورۂ نور کے آغاز ہی سے اصلاح اخلاق کا تذکرہ آ رہا ہے اخلاقیات کے باب میں خاص طور پر زنا اور بدکاری کا پوری طرح سدباب کیا ہے۔ نسب اور قبائلی زندگی کی حفاظت نسل کے بقا اور تقدیس کے لیے عصمت اور پاکبازی کی ضرورت کا ذکر کیا ہے۔ بہتان تراشی اور برائی کا تذکرہ کرنے فواحش کی طرف میلان اور ترغیب دینے سے روکا ہے اور اس جرم پر سزا عائد کی ہے۔

ان عمومی احکام میں ایک خاص واقعہ جو کہ حضرت عائشہ کی ذات سے تعلق رکھتا تھا، اس کا ذکر کیا ہے یہ واقعہ منافقین نے اس لیے گھڑا تھا کہ ایک تو اس کی تشہیر سے خاندان نبوت کو داغدار کر دیا جائے۔ دوسرے حضرت ابوبکر صدیق کے خاندان کو بھی بدنام کیا جائے مسلمانوں کی اخلاقی برتری کو ختم کرنا بھی ان کے پیش نظر تھا۔ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذارسانی بھی۔ لیکن ان آیات کے نزول سے ان کی ساری کوششوں کا خاتمہ ہو گیا اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ حضرت عائشہ کی بریت کر دی۔ حضرت عائشہ فخریہ کہا کرتی تھیں کہ میری برارت

اللہ تعالیٰ نے خود آسمان سے نازل کی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کا ایک قول ہے کہ توبہ سے ہر گناہ معاف ہو جاتا ہے مگر حضرت عائشہؓ پر بدگمانی کرنے والے کی معافی نہیں ہو گی۔

تمام علماء کے نزدیک یہ امر مسلّم ہے کہ توبہ سے ہر گناہ کی معافی ہو جاتی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ حضرتِ عائشہؓ پر تہمت کو اس قدر سنگین سمجھتے تھے کہ وہ مندرجہ بالا فتویٰ دیتے تھے۔ پوری طرح غور کیا جاوے تو اس امر کی سنگینی سمجھ میں آتی ہے۔

واقعہ افک کے وقت حضرت ابن عباس کی عمر نو دس سال کی تھی انہوں نے یہ واقعہ سنا تھا۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جو واقعات پیش آئے اس وقت آپ جوان تھے۔ علمی طور پر بھی آپ کے عروج کا زمانہ تھا۔ اور ان کے علم وفضل سے بے شمار لوگ مستفید ہو رہے تھے جنگ جمل اور صفین کا واقعہ ان کے سامنے ہوا غالی شیعوں نے اس وقت دوبارہ حضرت عائشہؓ کے متعلق بدگمانی کی زبان درازی کی۔ حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ کے جھگڑے کا معاملہ ان کے سامنے ہوا تھا۔ جنگ جمل کے واقعات پر ان کی نظر تھی دوسری طرف حضرت عائشہؓ کی بے داغ اور پاک زندگی ان کے سامنے تھی۔ مزید برآں اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ براءت کی آیات بھی سامنے تھیں ان حالات میں وہ بدگمانی کرنے والے کے متعلق کہتے تھے کہ توبہ کے باوجود ان کا گناہ معاف نہیں ہو گا۔

تین چار واقعات ایسے ہیں جن میں بعض انبیاء کی بریت معجزانہ طور پر ہوئی ہے۔

۱۔ حضرت یوسف علیہ السلام پر عزیز مصر کی بیوی نے دست درازی کا الزام لگایا۔ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَھْلِکَ سُوْٓءً ___ یہاں ایک شیر خوار بچہ نے حضرت یوسفؑ کی پاکبازی کی گواہی دی تھی۔ شَہِدَ شَاھِدٌ مِّنْ اَھْلِھَا۔ زنا کا ارادہ کرنے والا پشت نہیں دکھاتا اور بھاگنے والے کا دامن آگے سے چاک نہیں ہوتا۔ حضرت یوسفؑ کا دامن پیچھے سے چاک تھا اس لیے بریت ہو گئی اِنَّہٗ مِنْ کَیْدِکُنَّ۔

۲۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر الزام کہ وہ کسی مردانہ مرض میں مبتلا ہیں۔ اس واقعہ کا ذکر حدیث میں آتا ہے۔

بنی اسرائیل حضرت موسیٰؑ کی نبوت سے قبل عام طور پر کھڑے ہو کر پیشاب کرتے تھے دوسرے لوگوں کے سامنے ننگے ہو جاتے تھے۔ رفع حاجت کے لیے عام رستوں میں بیٹھ جاتے تھے ستر پوشی ان کے نزدیک کوئی اہمیت نہ رکھتی تھی۔ لیکن حضرت موسیٰ بڑے باپردہ اور شرمیلے تھے اس لیے رفع حاجت کے وقت بنی اسرائیل کی عادت کے خلاف پردہ اور خلوت کا پورا اہتمام کرتے تھے۔ اس سے قوم کے اندر یہ مشہور ہو گیا کہ حضرت موسیٰ کسی جنسی مرض میں مبتلا ہیں۔ جنسی امراض اعصاب کو براہ راست متاثر کرتی ہیں اور چونکہ کوئی اعصاب کا مریض نبی نہیں ہو سکتا۔ اس لیے اس شک کو معجزانہ طور پر رفع کیا گیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جنگل میں گئے نہانے کے لیے کپڑے اتارے اور ایک پتھر پر رکھ دیئے پتھر نے کپڑوں سمیت لڑھکنا شروع کیا۔ اور بھاگتا ہوا بنی اسرائیل کے ایک ہجوم کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی برہنگی کی حالت میں اس کے پیچھے دوڑتے ہوئے وہاں پہنچ گئے چنانچہ ان کو دیکھ کر قوم کا شک رفع ہو گیا۔ منکرین حدیث نے اپنی عادت کے مطابق اس حدیث پر مختلف انداز سے اعتراضات کیے ہیں۔ پتھر کے بھاگنے کو اس معاملہ میں خاص طور پر ہدف بنایا گیا ہے یہ لوگ قرآن مجید میں ہی اگر کچھ غور و فکر کرتے تو اس کا جواب ان کو مل جاتا انسان کو مٹی سے بنایا گیا اور اس مٹی کے تودے کو اللہ تعالیٰ نے تمام حواس سے نوازا جو خدا تعالیٰ مٹی سے انسان بنا سکتا ہے کیا وہ اس امر پر قادر نہیں ہے کہ پتھر کو ایسی قوت عطا کر دے کہ وہ چل سکے قرآن مجید میں پتھروں کی اقسام کے ذکر میں فرمایا ہے:

وَاِنَّ مِنۡهَا لَمَا يَهۡبِطُ مِنۡ خَشۡيَةِ اللّٰهِ

اور ان میں سے البتہ وہ ہے کہ گر پڑتا ہے خوف خدا سے۔

کہاں پتھر اور کہاں خوف خدا۔ منکرین حدیث کے لیے یہ مقام غور ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں ایسے پتھروں کو جانتا ہوں جو کہ مجھے سلام کرتے ہیں کوہ احد کو مجھ سے اور مجھے کوہ احد سے محبت ہے۔

۳۔ تیسرا واقعہ حضرت مریمؑ پر بہتان کا ہے حضرت عیسیٰؑ کی ولادت کے بعد حضرت مریمؑ واپس قوم کی طرف گئیں تو انہوں نے سوال کیا تھا۔

مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ٥ فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ....
قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ......

حضرت مریمؑ نے جواب میں حضرت عیسیٰؑ کی طرف اشارہ کیا تھا اور انہوں نے شیر خوارگی میں ہی ان کی برارت کا اعلان کیا۔

۴۔ چوتھی تہمت کا واقعہ حضرت عائشہؓ کا ہے یہ معاملہ اس قدر سنگین تھا کہ آسمان لرز اٹھا۔ وحی کے ذریعہ حضرت عائشہؓ کی برارت آئی۔ خدا تعالیٰ نے ان کی پاک دامنی کی گواہی دی۔ جبرئیلؑ نے پڑھ کر سنایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو پڑھ کر سنایا اسی واقعہ کے متعلق تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ ...... کوئی پاک باز اپنے گھر میں بدکار بیوی کو نہیں رکھ سکتا۔ عام انسانوں کا یہ دستور ہے کہ نیک، نیکی اور نیکو کاروں کو پسند کرتے ہیں جب معاملہ ایک پیغمبر کا ہو تو یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ ایک بدکار عورت کو گھر میں رکھ سکے اور پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔

اس آیت کا ایک مطلب بعض مفسرین نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ بری باتیں برے لوگوں کو ہی سزاوار ہیں۔ فواحش میں اسی طرح کے لوگ مبتلا ہوتے ہیں۔ برے اعمال برے لوگوں کو ہی سجتے ہیں اور نیک اعمال نیک لوگوں کو ــــــ

امام ابن تیمیہؒ نے فرمایا ہے کہ ایک نبی کے گھر میں بدعقیدہ بیوی تو رہ سکتی ہے (حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ کی طرح) لیکن بدکار بیوی ایک نبی کے گھر میں نہیں رہ سکتی۔ مزید براں ایک بدکار بیوی اور پاکباز مرد کے درمیان جَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً "جو نکاح کا ایک فائدہ ہے مودت اور رحمت کسی طرح بھی پیدا نہیں ہو سکتی ــــــ دوسری جگہ قرآن میں لِتَسْكُنُوْا اِلَيْهَا کہا ہے لیکن ایک عفیف کے لیے ایک اخلاق باختہ عورت میں تسکین کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ اس کے برعکس ایک بدکار مرد کے لیے بدکار عورت میں یہ سب کچھ ہے اَلزَّانِیْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً ....
اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ۔ زنا کی مذمت

کے بعد مغفرت کا ذکر کیا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی رزق کا ذکر کیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ زنا کے ساتھ معاشی پریشانی لازمی ہے بدمعاش اور بدکار عام طور پر مالی لحاظ سے کمزور ہوتے ہیں۔ ان پر خدا کا غضب ہوتا ہے بدکاری رزق کا گھاٹا ہے۔ زنا قحط کی دعوت دیتا ہے! اس کے برعکس طیبات اور طیبون (نیک مرد اور عورتوں) کو رزق کی خوشخبری دی گئی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ جمعہ ——— مرتب: چودھری عبدالواحد صاحب

آداب معاشرت

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَهْلِهَا ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِیْهَاۤ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى یُؤْذَنَ لَكُمْ وَ اِنْ قِیْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ ۝ لَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِیْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا تَكْتُمُوْنَ (سورۃ النور آیت ۲۷ تا ۲۹)

اے ایمان والو تم اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل مت ہو جب تک کہ اجازت حاصل نہ کرلو اور ان کے رہنے والوں کو سلام نہ کرلو یہی تمہارے لیے بہتر ہے شاید کہ تم یاد رکھو پھر اگر نہ پاؤ تم ان میں کسی کو تو مت داخل ہو جب تک تم تمہیں اجازت نہ دی جائے اور اگر تمہیں کہا جائے کہ لوٹ جاؤ تو لوٹ جاؤ اس میں زیادہ پاکیزگی ہے تمہارے لئے اور اللہ تعالیٰ جو تم کرتے ہو جانتا ہے۔ تمہیں ایسے گھروں میں داخل ہونے کا کوئی گناہ نہیں جہاں کوئی رہائش نہیں رکھتا ان میں تمہارے لیے کوئی سامان ہو اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو۔

اللہ تعالیٰ نے بداخلاقی کو روکنے کے لیے جو ہدایات دی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ بلا اجازت کسی کے گھر میں داخل نہ ہوا جائے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ یہ سرفہرست ہے۔

ایک دوسرے کے گھروں میں بے تکلف گھس جانا کسی لحاظ سے بھی پسندیدہ نہیں

خواہ وہ قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ اس معاملہ سے ذرا سی لاپروائی معصیت کے بہت بڑے دروازے کو وا کر دیتی ہے اگر اجازت نہ ملے تو اس پر کبیدہ خاطر نہ ہونا چاہیے۔ اور نہ اجازت طلب کرنے پر اصرار کرنا چاہیے۔

فَإِنْ لَّمْ تَجِدُوا فِيهَا أَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوهَا حَتَّىٰ يُؤْذَنَ لَكُمْ۔ خالی گھروں میں داخل نہ ہونا چاہیے۔ اجازت طلب کی گئی لیکن جواب نہیں مل رہا۔ تو مکان میں داخل نہیں ہونا چاہیے۔ اجازت دینے والا اگر موجود نہ ہو تو محض قیافہ یا اندازہ سے کہ مکان میں کوئی موجود ہے داخل ہونا جائز نہیں ہے چاہے اندر سے آواز ہی کیوں نہ آ رہی ہو۔ ایسی صورت میں واپس ہو جانا چاہیے۔ اگر صاف صاف کہہ دیا جائے کہ واپس ہو جاؤ تو اس پر برا منائے بغیر اپنے گھر کو چلا جانا چاہیے۔ وَإِنْ قِيلَ لَكُمُ ارْجِعُوا فَارْجِعُوا هُوَ أَزْكَىٰ لَكُمْ۔ اس جواب پر ناراضگی بالکل غلط ہے۔

کسی کو ملاقات پر مجبور کرنا یا تن کر دروازہ پر کھڑے ہو جانا کہ مل کر ہی جانا ہے جائز نہیں ہے ایسی صورت میں واپس ہو جانا بہت بہتر ہے هُوَ أَزْكَىٰ لَكُمْ۔ اسی طرح کرنا زیادہ پاکیزہ ہے۔

حضرت عمرؓ مدینہ میں ایک مرتبہ یہ افواہ پھیل گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سب بیویوں کو طلاق دے دی ہے حضرت عمرؓ اس امر کی تحقیق کے لیے بارگاہ نبویؐ میں پہنچے۔ آپ نے اجازت مانگی اور نہ ملی۔ دوسری مرتبہ کچھ توقف سے اجازت طلب کی۔ پھر بھی اجازت نہ ملی تیسری مرتبہ ملاقات کی اجازت مل سکی۔ تو آپ نے گفتگو کی۔ آپ نے اس پر برا نہیں منایا ہماری طرح ہوتے تو روٹھ کر گھر آ بیٹھتے ہم لوگ اسلام کے اخلاقیات کو اپنے تابع کرنا چاہتے ہیں خود اسلام کی اتباع سے پہلوتہی کرتے ہیں۔

چنانچہ اکثر مسلمان ملکوں میں یہ کام ایک مہم کے طور پر ہو رہا ہے کہ اسلام کی ایسی تشریح کر دو جو حالات کے مطابق ہو یعنی اپنے آپ کو بدلنے کی بجائے قرآن کو بدل دو۔

هُوَ اَزْکٰی لَکُمْ ــــــ اگر اذن نہ ہو تو فوراً واپس ہو جانا چاہیے۔

ابنِ عباسؓ حضرت ابن عباسؓ کی یہ عادت تھی کہ آپ اجازت بھی طلب نہیں کیا کرتے تھے بلکہ مکان کے قریب ایک طرف بیٹھ جاتے تھے اور اجازت کے لیے کسی فردِ خانہ کے باہر نکلنے تک انتظار کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک انصاری کے ہاں آپ کسی مسئلہ کی دریافت کے لیے گئے۔ اور مکان کے باہر دو یا تین دن ٹھہرے رہے۔ غالباً تیسرے روز صاحب خانہ باہر آئے تو آپ کی موجودگی اور انتظار کا علم ہوا۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَاءِ الْحُجُرَاتِ۔ اس معاملہ میں آوازیں دینا بھی پسندیدہ نہیں ہے۔ کسی کے باہر آنے تک انتظار بہتر ہے البتہ جہاں کسی کی رہائش نہ ہو وہاں داخل ہونے کے لیے اجازت کی پابندی نہیں ہے۔

لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُیُوْتاً غَیْرَ مَسْکُوْنَةٍ فِیْهَا مَتَاعٌ لَّکُمْ۔

غیر مسکونہ سے تمام وہ مقامات مراد ہیں جہاں عام لوگوں کو آنے جانے کی اجازت ہو اس میں حسب ذیل مقام شامل ہیں۔

۱۔ مساجد جہاں کسی کی قیام گاہ نہیں ہے مسجد میں داخل ہوتے ہوئے سلام کہنا چاہیے لیکن یہ سلام اجازت کے لیے نہیں ہے۔

۲۔ ایک مکان میں کئی خاندان رہ رہے ہوں تو بڑے دروازے میں داخل ہونے کے لیے کسی اجازت کی ضرورت نہیں۔

۳۔ دوکانیں جہاں کاروبار ہوتا ہے یا ایسے گیراج جہاں سامان رکھا جاتا ہے۔

۴۔ کھنڈرات اور خرابات۔

۵۔ مسافر خانے اور سرائے وغیرہ

بعض احناف نے غیر مسکونہ سے مراد بیت اللہ کے مکان لیے ہیں۔ کہ یہ کسی کی ملکیت نہیں ہیں بیوت غیر مسکونہ ہیں لیکن احادیث سے مکہ کے مکانوں کی خرید و فروخت ثابت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں بھی ایسا ہوا ہے۔ اور حضرت عمرؓ نے بھی بعض مکان خرید کر حرم کی توسیع کی تھی لیکن حج کے ایام میں مکانات کے اکثر حصہ کو کھلا چھوڑ دینا چاہیے

تاکہ حاجیوں کو رہائش کی دقت نہ ہو۔ سَوَاءَنِ الْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ۔

اجازت سے کسی کے گھر میں داخل ہونا چاہیے اگر اس ہدایت پر پوری طرح عمل کیا جائے تو بہت سی خرابیاں اور برائیاں ختم ہو سکتی ہیں۔

بہت سے مسائل جو کہ سنگین صورت اختیار کر گئے ہیں از خود حل ہو جاویں گے۔ افسوس کہ ہم ایک بہتر نظام زندگی اپنے پاس رکھتے ہیں اس کو مانتے بھی ہیں لیکن عملاً اس کو معطل کر رہے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ جمعہ ——— مرتب چودھری عبدالواحد صاحب

پردہ اور اس کے متعلقات نمبر (۱)

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ سورۃ النور آیت ۲۹ تا ۳۱)

کہہ دے ایمان والوں کو نیچی رکھیں ذرا اپنی آنکھیں اور تھامتے رہیں اپنے ستر کو اس میں خوب ستھرائی ہے اُن کے لیے۔ بے شک اللہ کو خبر ہے جو کچھ کرتے ہیں۔ اور کہہ دے ایمان والیوں کو نیچی رکھیں ذرا اپنی آنکھیں اور تھامتی رہیں اپنے ستر کو اور نہ دکھلائیں اپنا سنگار مگر جو کھلی چیز ہے اس میں سے اور ڈال لیں اپنی اوڑھنی اپنے گریبان پر اور نہ کھولیں اپنا سنگار مگر اپنے خاوند کے آگے یا اپنے باپ کے یا اپنے خاوند کے بیٹے یا اپنے بھائی کے یا اپنے بھیتجوں کے یا اپنے بھانجوں کے یا اپنی عورتوں کے یا اپنے ہاتھ کے مال کے یا خدمت میں مشغول رہنے والوں کے جو مرد کہ کچھ غرض نہیں رکھتے۔ یا لڑکوں کے

جنہوں نے نہیں پہچانا ابھی عورتوں کے بھید کو اور نہ ماریں زمین پر اپنے پاؤں کو کہ جانا جائے جو چھپاتی ہیں اپنا سنگار اور توبہ کرو اللہ کے آگے سب مل کر اے ایمان والو تاکہ تم بھلائی پاؤ۔

اسلام زندگی کا ایک مکمل ضابطہ حیات ہے زندگی کے ہر شعبہ کے متعلق قرآن مجید میں ہدایات ہیں۔ اسلامی اخلاق کے متعلق سورہ نور میں واضح ہدایات ہیں اس رکوع کے شروع میں بتایا گیا ہے کہ ایک مسلمان گھر کی چار دیواری کے اندر رہتے ہوئے یا کسی کے مکان میں داخل ہوتے ہوئے کیا طریقہ اختیار کرے پچھلے دو خطبوں میں ان امور کا تفصیل سے بیان ہو چکا ہے کسی کے رہائشی مکان میں داخل ہونے کا کیا طریقہ ہے؟ اپنے مکان میں کیسے داخل ہونا چاہیے جس جگہ کسی انسان کی رہائش نہ ہو وہاں کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔ استیناس، استیذان اور بیوت غیر مسکونہ کی وضاحت ہو چکی ہے۔

اب ان آیات میں یہ بتایا گیا ہے کہ گھر سے باہر ایک مسلمان کو کس طرح رہنا چاہیے عام آمد و رفت کے آداب کیا ہیں۔

دنیا کے کسی معاشرہ میں بھی نہ تو کبھی برائی اور نہ ہی کبھی نیکی ناپید ہوئی ہے تمام انسان فرشتے کبھی نہیں بنے ہمیشہ ایسا ہوتا رہا ہے اور ہوگا کبھی شر غالب کبھی نیکی غالب، کبھی برائی عام اور کبھی نیکی عام، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل دنیا میں سب سے زیادہ اندھیرا عرب میں تھا۔ عربوں کی حالت اس وقت خاص طور پر بے حد خراب تھی۔ اخلاق کی کون سی برائی ہے جو کہ ان میں پوری طرح نہ تھی۔ اس کے باوجود نیک لوگ بالکل ناپید نہ تھے۔ اور ورقہ بن نوفل جیسے آدمی موجود تھے۔ اچھے اخلاق کے بہت لوگ موجود تھے۔ قیامت کے قریب اللہ کا نام لینا بند ہو جائے گا، صرف اسی وقت مکمل غلبۂ شر ہوگا۔

بعثت نبوی کے بعد حالات بدلے مدینہ میں اخلاقی انقلاب ہوا۔ مسلمان بدلے یہودی بدلے، عیسائیوں میں تبدیلی آئی، پاکیزگی اور نیکی کا دور دورہ ہوا اس کے باوجود زنا کے مقدمات بھی آئے۔ مقذوف بھی ملتے ہیں۔ سزا کے تازیانہ بھی دی گئی۔ اور رجم کی سزا بھی نافذ ہوتی رہی اسلام چاہتا ہے کہ معاشرہ میں برائی کا مکمل قلع قمع ہو۔ اس مقصد کے لیے مختلف احکام

دیئے ہیں جن میں سے ایک غضِ بصر ہے جس کا حکم ان آیات میں دیا گیا ہے۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ یَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ۔ آپ مسلمان مردوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں کچھ نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔

مطلب یہ کہ نظر اور ستر کے اعضاء کی حفاظت کرو۔ نظر کی حفاظت سے مراد یہ ہے کہ نظر کو جائز طور پر استعمال کیا جائے۔ نظر بازی سے بچا جائے۔ ایک حدیث میں اس کو نظر کا زنا کہا گیا ہے۔ دیدہ بازی کرنا زنا کی منزل کی پہلی سیڑھی ہے۔ ایک حدیث میں ان النظر سهم من سهام ابلیس مسموم نگاہ شیطان کے زہر سے بجھے تیروں میں سے ایک تیر ہے جو آدمی میرے خوف سے اس سے بچے گا میں اس کو اس کے بدلے میں ایسا ایمان عطا کروں گا جس کی مٹھاس وہ اپنے دل میں پائے گا۔

ایک حدیث میں حضرت علیؓ کو بتایا کہ پہلی نظر تو معاف ہے لیکن دوسری نظر پر مواخذہ ہوگا۔

عورتوں کو پردہ کی تلقین کی ہے بداخلاقی کو روکنے کے لیے ضروری ہے کہ مرد اپنی نظریں نیچی رکھیں۔ مدینہ منورہ میں غیر مسلم عورتیں کھلے منہ پھرتی تھیں اس لیے مسلمان مردوں کو حکم دیا گیا کہ وہ نگاہ بھر کر نہ دیکھیں کسی نامحرم عورت کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھنا ناجائز ہے اس کے ساتھ ساتھ عورتوں کو بھی پردہ کی سختی سے تلقین کی گئی ہے غلام اور آزاد عورت کے پردہ میں فرق ہے۔ پاؤں سے سر کے بالوں تک آزاد عورت کو پردہ کرنا چاہیے یعنی اس کو سارا جسم ڈھانپنا چاہیے۔

لونڈی کا پردہ بالغ مرد کی طرح ہے ہر قانون میں کچھ مستثنیات ہوتے ہیں اور ہونے چاہییں ایسی لچک کے بغیر قانون کا پورا احترام ممکن نہیں ہے۔ یہی صورت پردہ کے قانون واحکام کی ہے معاشرہ کے اندر کچھ لوگ ایسے ہیں جن کے لیے پورا پردہ ممکن ہی نہیں مثلاً دیہات کی غریب عورتیں ان کے علاوہ ایسی عورتیں کہ ان کے مرد ان کی مدد کے بغیر اپنے کام کاج کر ہی نہیں سکتے ایسی عورتوں پر پردہ کی ویسی پابندی نہیں ہے بلکہ شریعت نے ان کو رعایت دی ہے۔

ایک صحابی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں فوت ہو گئے ان کی بیوی آپ کی خدمت

میں حاضر ہوئی اور بتایا کہ باغ کا پھل پک چکا ہے اور بچے چھوٹے ہیں خود کھیت میں جا کر کام نہ کرے گی تو سخت نقصان ہوگا۔ آپ نے اس کو اجازت دے دی ایسے ہی اور بھی ناگزیر حالات پیدا ہو جاتے ہیں کہ پردہ کی وجہ سے مشکلات پیدا ہو جاتی ہیں۔ جیسا کہ ۱۹۴۷ء کے فسادات کے دوران بعض مواقع پر ہوا ہے ایسے مواقع پر حجاب کو مناسب حد تک رکھتے ہوئے یا اس کے بغیر بھی یہ کام کیے جا سکتے ہیں۔ جنگ کے زمانہ میں زخمیوں کی مرہم پٹی، پانی پلانا اور رسد وغیرہ کے پہنچانے میں فوج کی مدد کے سلسلہ میں بے شمار واقعات تاریخ کی کتابوں میں ملتے ہیں۔ یہ کام حضرت عائشہ اور فاطمہ جیسی باحیا، پردہ دار اور خانوادۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی افراد یا پنچے اٹھائے کرتی رہی ہیں آج کوئی موقعہ ایسا آئے تو یہ امور ایسے کرنا بالکل روا ہیں بلکہ ضروری ہیں۔

يَغُضُّوا مِنْ اَبْصَارِهِمْ۔ یہاں مِن تبعیض کے لیے استعمال ہوا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ بعض نظروں کو نیچی کر دیا پھیر لو۔ ایسا نہیں ہے کہ نظر پر پوری پابندی ہے کہ کسی چیز کو بھی نظر بھر کر نہیں دیکھ سکتے بلکہ ایک خاص حد مقرر کی گئی ہے۔ دوسرے لوگوں کی شرمگاہ کو دیکھنا، غیر محرم عورتوں کو تاکنا، بے حیائی کے دوسرے مناظر اور تصاویر دیکھنا بھی اس میں شامل ہے۔

ہمارا معاشرہ بالکل غیر شرعی ہو گیا ہے عورتیں سر عام کھلے منہ پھرتی رہتی ہیں اور مرد پوری پوری نظر بازی کرتے ہیں اسی کا نتیجہ بداخلاقی کی وبا کی شکل میں ظاہر ہو رہا ہے حکم یہ ہے عورتیں "مٹر گشت" نہ کریں اور مردوں کا سامنا جب بھی عورتوں سے ہو تو نظریں نیچی کر لی جائیں یا ایک طرف کر لی جائیں۔ ذلك ازكى لهم۔ اس طرح زندگی گذارنا پاکیزہ ہے ان الله خبير بما يصنعون جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ جمعہ ——— مرتب: چودھری عبدالواحد صاحب

پردہ اور اس کے متعلقات (۲)

دنیا میں برائی کو روکنے کے لیے تین امور سے کوشش کی جاتی ہے۔

(۱) قانون ——— (۲) اخلاق ——— (۳) شریعت

۱۔ برائی اور گناہ سے معاشرہ کو محفوظ رکھنے کے لیے قانون نافذ کیا جاتا ہے اور اس کی مدد سے بُرے لوگوں کی سرکوبی کی جاتی ہے۔

۲۔ اخلاق کی مدد سے بھی ایک انسان برائیوں سے بچتا ہے اخلاق فاضلہ انسان کو فطرت کے تقاضے پر چلاتے ہیں فطرت جس امر کا تقاضا کرتی ہے اخلاقی قوت اس کو پورا کرتی ہے

۳۔ دین اور شریعت کا بھی یہی کام ہے کہ انسان کو برائی سے روکتی ہے اور نیکی کی ترغیب دیتی ہے حدیث میں ہے الدین النصیحۃ ...... دین خیر خواہی کا نام ہے کس کی خیر خواہی ؟ اللہ، رسول، عام مسلمانوں اور ان کے پیشواؤں کی۔

انسانی قانون اور شریعت کا ایک ہی کام ہے "برائی کی روک تھام" لیکن دونوں میں ایک بنیادی فرق ہے۔ عام قانون انسان بناتے ہیں جن میں ان کی کئی مصلحتیں بھی ہوتی ہیں۔ انسان کی عقل بھی ناقص ہے اور ہمہ دان بھی نہیں ہیں۔ اس لیے انسانی قانون کی موجودگی میں بھی برائی ہوتی ہے۔

غور کیجئے ہمارے ملک کا موجودہ قانون زنا کو روکتا ہے زنا خلاف قانون ہے جرم ہے لیکن بند ہونے کی بجائے بڑھ رہا ہے اس میں انسانی علم کے نقص کا قصور ہے جس نے یہ قانون بنایا ہے اس میں بعض پہلوؤں پر قدغن لگا دی گئی ہے اور بعض کو نظر انداز کر دیا گیا ہے اس وجہ سے ملک میں زنا بند نہیں ہو رہا۔

اسی طرح شراب کا معاملہ ہے تمام بندشوں، قانونی پابندیوں کے باوجود اس کے استعمال

میں ہوش رُبا اضافہ ہو رہا ہے۔

قتل، ڈاکہ اور چوری کو دنیا کی تمام حکومتیں روکتی ہیں لیکن انسانی قانون کے نقائص اور چور دروازوں کی وجہ سے ان میں اضافہ ہی اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔

اس کے برعکس دین اور شریعت نے کوئی چور دروازہ اور رخنہ باقی نہیں رکھا بعض لوگوں نے سینہ زوری سے ہی ایسے جرائم کا ارتکاب کیا ہے۔ لیکن جب بھی قانون شریعت کا نفاذ ہوا ہے ان جرائم کا تقریباً خاتمہ ہو گیا۔

شریعت نے ایسے احکام دیئے ہیں کہ زنا پیدا ہی نہ ہو۔ اس مقصد کے لیے عورتوں کو پردہ کا حکم دیا۔ گھروں میں بلا اجازت آنے پر پابندی لگائی ہے۔ مرد و زن کا آزادانہ اختلاط روکا ہے عورتوں کو سفر و حضر میں کس طرح رہنا چاہیے اس کے متعلق بہت سے تفصیلی احکام دیئے ہیں۔

بہتان طرازی سے منع کیا۔ بلکہ اس کے لیے سخت سزا مقرر کی۔ مردوں اور عورتوں کو غض بصر اور حفاظت ستر کی تلقین کی ہے اس کے بعد اگر زنا کا کوئی واقعہ ہوتا ہے تو اس پر فوراً سخت سزا دی گئی ہے۔

مذکورہ بالا آیات میں مسلمان عورتوں کو غض بصر اور حفاظت ستر کا حکم دیا گیا ہے یہی حکم اس سے پہلے مردوں کو دیا گیا ہے جس کا بیان گذر چکا ہے مردوں کی طرح عورتوں کو بھی یہی حکم بعینہٖ ہے۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ ...... ہر معاشرہ میں نیک و بد دونوں طرح کے لوگ موجود رہے ہیں عورتیں جب گھروں سے کسی کام کی غرض سے نکلیں گی تو ہر قسم کے لوگوں سے سامنا ہو گا۔ اس لیے حکم دیا ہے کہ نظر کی حفاظت کریں۔ نظر شیطنت کا تیر ہے اس کے زہر سے بچنا ضروری ہے، شادی بیاہ اور دوسرے اجتماعات میں جہاں مرد موجود ہوں وہاں عورتوں کو خاص احتیاط کرنی چاہیے نماز کے لیے عورتیں مسجد میں آ دیں ان کو اجازت دی ہے اور مردوں کو حکم دیا " لا تمنعوا اماء الله مساجد الله " "اللہ کی بندیوں کو مسجدیں آنے سے مت روکو" لیکن اس کے ساتھ عورتوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ مسجد

میں، سادہ لباس پہن کر آدیں، زیب و زینت نہ کریں۔ اور خوشبو لگا کر آنے کی سخت مذمت فرائی ہے عید کے لیے تمام عورتوں کو حکم دیا کہ عید گاہ میں پہنچیں لیکن ان پابندیوں کا لحاظ کرتے ہوئے۔ ان تمام مواقع پر غض بصر کا خاص طور پر خیال ہونا چاہیے۔

مردوں کی طرح عورتوں کو بھی غض بصر کے ساتھ ساتھ حفاظت فرج کا حکم دیا ہے شرمگاہ کی حفاظت سے مراد یہ ہے کہ زنا سے بچیں احادیث میں مذکور ہے کہ اس کے ساتھ حفاظت ستر یہ بھی ہے کہ کسی کے ستر پر نگاہ نہ ڈالی جائے۔ ایک حدیث میں ہے کہ کوئی مرد کسی مرد کے ستر کو اور کوئی عورت کسی عورت کے ستر کو نہ دیکھے۔ مخالف صنف کے ستر کو دیکھنا اور بھی زیادہ قبیح ہے۔ اس معاملہ میں یہاں تک حکم ہے کہ تنہائی میں بھی کوئی آدمی ننگا نہ بیٹھے کیونکہ فرشتے ہر وقت ساتھ ہوتے ہیں صرف رفع حاجت اور بیویوں کے پاس جانے کے وقت الگ ہوتے ہیں۔

وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا۔ "اور نہ ظاہر کریں بناؤ اپنا مگر جو ظاہر ہے اس میں سے۔"

مرد کی زینت و خوبصورتی اس کی سادگی اور اچھی صحت و جسم ہے عورتوں کی زینت اچھا لباس اور سنگار وغیرہ ہے اور عورتوں کے لیے یہ فطرت کا ایک تقاضا ہے لیکن اس کی نمائش سے پوری سختی سے منع کیا گیا ہے۔

زینت میں کپڑے، زیور، چہرہ کے خدوخال، سر کے بال اور ان کی ساخت، پاؤں کی زینت اور بناؤ سنگار وغیرہ شامل ہیں۔ ان میں سے کسی چیز کو بھی غیر محرم کے سامنے کھولنے کی اجازت نہیں ہے۔

برقعہ اور چادر جو کہ پردہ کے لیے استعمال کی جاتی ہے وہ زینت میں شامل نہیں ہے لیکن ان کو بھی مزین نہیں کرنا چاہیے بلکہ سادہ رہنا چاہیے۔

غض بصر، حفاظت ستر اور زینت کے چھپانے پر اگر مکمل عمل کیا جائے تو زنا تقریباً ختم ہو سکتا ہے جن علاقوں میں آج بھی پردہ اور حیا کا یہ چلن باقی ہے وہاں زنا اور بداخلاقی بے حد کم ہے لیکن جن ملکوں میں ان کی پابندی کو ختم کر دیا گیا ہے وہاں بداخلاقی ایک وبا کی طرح پھیل چکی ہے امریکہ اور یورپ کے حالات اس پر شاہد ہیں۔ اب تو وہاں کا سنجیدہ طبقہ اور

اہل علم حرامی بچوں کے تناسب میں روز بروز کے اضافہ سے چیخ اٹھے ہیں اور عفیف عورتوں کی شدید کمی بلکہ فقدان ان کے لیے سوہان روح بن گیا ہے اس صورت حال کا پیدا ہونا غض بصر سے اغماض کا نتیجہ ہے اور پردہ کو ترک کرنے کی سزا۔

الا لبعولتھن ...... اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ ایک عورت کن لوگوں کے سامنے زینت کا اظہار کر سکتی ہے ان لوگوں کے علاوہ ایک مسلمان عورت کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے کے سامنے زینت کے ساتھ پھرے خواہ وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو اس معاملہ میں ہم غفلت اور چشم پوشی کا شکار ہو چکے ہیں۔ اور اس کے برے اثرات ونتائج بھی ظاہر ہوتے رہتے ہیں اس لیے ضروری ہے ہر عورت اس معاملہ کو پوری طرح سمجھے اور اس پر عمل پیرا ہو۔ وہ رشتہ دار حسب ذیل ہیں جن کے سامنے ایک عورت اظہار زینت کر سکتی ہے:

۱۔ خاوند

۲۔ باپ (دادا اور نانا)

۳۔ خاوند کا باپ اور اس کا دادا و نانا۔

۴۔ بیٹے

۵۔ خاوندوں کے بیٹے

۶۔ بھائی سگے اور سوتیلے دونوں

۷۔ بھائیوں کے بیٹے

۸۔ بہنوں کے بیٹے

۹۔ اپنی عورتیں یعنی مسلمان عورتیں۔ مردوں کی طرح غیر مسلم عورتوں سے بھی پردہ ہے البتہ وہ غیر مسلم عورتیں اس میں شامل نہیں ہیں جو کام کاج کے سلسلہ میں گھروں میں آتی جاتی ہیں

۱۰۔ لونڈی اور غلام

۱۱۔ ایسے مرد جن کے دماغ خراب ہوں بے وقوف جن کا عورتوں کی طرف میلان نہ ہو اور بری نیت کی جرأت نہ ہو۔ مخنث (ہیجڑے) اس میں شامل نہیں ہیں۔ مدینہ میں پہلے ان لوگوں کو گھروں میں جانے کی عام اجازت تھی لیکن بعد میں رسول اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم نے منع کر دیا۔

۱۲۔ نابالغ بچے

ولا یضربن .... ”اور نہ ماریں پاؤں اپنے تاکہ ظاہر ہو جائے جو کچھ کہ چھپاتی ہیں زینت اپنی سے“

ہاتھ اور پاؤں ہلا کر زیور کی جھنکار پیدا کرنا، کپڑوں کو اٹھا کر نمائش کرنا، کسی اور طریق سے مردوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرنا ناجائز ہے۔

وَتُوبُوا إِلَى اللّٰهِ جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ”اور توبہ کرو اللہ کی طرف اے مسلمانو! تاکہ تم فلاح پاؤ“

غض بصر، حفاظت ستر، اور پردہ وحجاب کے معاملہ میں جو کچھ غلطیاں ہوتی رہی ہیں ان سے توبہ کرو اور اپنے رویہ کو خدا تعالیٰ کی ہدایات کے مطابق درست کر لو اسی میں فلاح ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ جمعہ ——— مرتب: چودھری عبدالواحد صاحب

نکاح کی برکات

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ٥

(سورۃ نور آیت ۳۲)

اور نکاح کر دو رانڈوں کا اپنے اندر اور جو نیک ہوں تمہارے غلام اور لونڈیاں اگر وہ ہوں گے مفلس اللہ ان کو غنی کر دے گا اپنے فضل سے اور اللہ کشائش والا ہے سب کچھ جانتا ہے۔

بدکاری کو روکنے کے لیے اخلاقی اور تعلیمی ذمہ داریوں کا ذکر تفصیل سے ہو چکا ہے اصل احکام کا بھی ذکر ہوا ہے اور وہ راستے کون سے ہیں جن سے یہ اخلاقی برائیاں آتی ہیں ان کا بھی ذکر ہو رہا ہے، رہن سہن، آمد و رفت اور مرد و زن کی مشترکہ مجلسوں میں کیا رویہ اختیار کرنا چاہیے اس کے متعلق احکام دیئے ہیں۔ "وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ" یہاں تک کہ رفتار اور چلنے کے متعلق بھی خاص حکم دیا ہے۔ یہ تمام احکام اس مسئلہ کے سلبی پہلو یعنی برائی کے راستے میں ایک طرح کے بند باندھے گئے ہیں۔ بداخلاقی کے سامنے رکاوٹیں ہیں۔ اب مندرجہ بالا آیت سے اس معاملہ مسئلہ کی ایجابی حقیقتوں کا ذکر شروع کیا ہے یہ بتایا گیا ہے کہ وہ کون سی تدابیر ہیں جن کے اختیار کرنے سے یہ برائیاں پیدا ہی نہ ہوں۔

"کھانا" انسان کا ایک فطری جذبہ ہے آپ ایک آدمی کے سامنے حرام چیزوں کی تفصیل رکھتے ہیں۔ اس کو ان سے بچنے کی تلقین کرتے ہیں۔ اور ان کے کھانے پر حد جاری کرتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس معاملہ میں یہ امر بھی بے حد ضروری ہے کہ حلال روزی کے ذرائع کھلے ہوں اور حلال کمانے میں کوئی دقت پیش نہ آئے۔ دوسرے کا مال کھانا بے حد

بُرا ہے لیکن اصل راہ بھی بتانی چاہیے ۔

اسی طرح جنسی تعلق اور بقائے نسل کا جذبہ ایک فطری جذبہ ہے جب اس خواہش کے پورا کرنے کے فطری طریقے آسان نہ ہوں یا مسدود ہوں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ برائی پیدا نہ ہو اسلام نے جہاں زنا پر سخت سزا دی وہاں نکاح کے لیے بھی آسانی پیدا کی ہے اور حکم دیا ہے کہ کوئی شخص مجرد نہ رہے تمام بالغوں کا نکاح ہونا چاہیے ۔ ایسا اگر کسی کے معاملہ میں ممکن نہ ہو تو اس کو کس طرح زندگی گذارنی چاہیے اس کا ذکر بھی کر دیا ہے ۔

وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ ۔ اور نکاح کرو بن بیاہوں کا اپنے میں سے ۔

ایامیٰ جمع ایّم کی ہے اس سے تمام وہ مرد مراد ہیں جن کی بیوی نہ ہو بالغ مرد و زن خواہ کنوارے ہوں یا بیوہ و مطلقہ ۔

اس آیت میں لوگوں کو حکم دیا ہے کہ اے مسلمانو ! تم میں سے جو مجرد ہوں ان کا نکاح کرو ۔ ایک حدیث میں ہے کہ اگر ایک شخص نکاح کی درخواست کرے جس کے اخلاق اور دین سے تم خوش ہو تو نکاح کر دو ورنہ زمین میں فساد ہوگا ۔ " انکحوا " امر کا صیغہ ہے اس لیے اس آیت سے بعض علماء نے وجوب ثابت کیا ہے لیکن امام مالکؒ ، امام شافعیؒ ، امام ابوحنیفہؒ اس کو مستحب کہتے ہیں محدثین کرام نے کہا ہے کہ یہ قریب قریب سنت مؤکدہ ہے ۔

لڑکے لڑکی کے بالغ ہوتے ہی والدین یا سرپرستوں اور دوسرے رشتہ داروں کو فوراً توجہ کرنی چاہیے زیادہ عمر تک نکاح نہ کرنا بداخلاقی کی راہ آسان کرتا ہے بعض دفعہ مجبوری ہیں رشتوں کی دیکھ بھال میں دیر ہو جاتی ہے ۔ اس پر گرفت نہیں ہے لیکن جہیز کی وجہ سے ایسا کرنا بے حد غلط ہے یہ بیماری معاشرہ کو برائیوں میں مبتلا کرنے کا باعث بن رہی ہے جہیز کی حیثیت دین میں کچھ بھی نہیں ہے اس کو اگر کوئی اہمیت حاصل ہوتی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیٹی کو جس قدر زیادہ سے زیادہ چاہتے دے سکتے تھے لیکن دین و دنیا کے بادشاہ نے اپنی بیٹی اور وہ بھی فاطمہؓ جیسی پیاری بیٹی کو کیا جہیز دیا تھا ۔

* ـــــ ایک مٹی کا گھڑا * ـــــ دو عدد تکیہ
* ـــــ دو بستر * ـــــ ایک چکی

جہیز فرض ہے نہ واجب و سنت، صرف جائز و مباح ہے جہیز کی زیادتی اور پھر اس کا پُرزور مطالبہ نکاح کے راستہ میں زبردست رکاوٹ بن گیا ہے۔ اب تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کوئی قانون ہی اس رکاوٹ کو ختم کرے گا۔ اگر اس کا نفاذ کسی ڈھنگ طریقہ سے ہو گیا۔

- جوان عورت مطلقہ ہو یا بیوہ اس کا نکاح بھی کر دینا چاہیے نکاح ثانی کو عیب سمجھنا غلط ہے اس کے خلاف شاہ اسمٰعیل شہید نے تحریک مجاہدین کے دوران کوشش کی تھی اور ایک فتویٰ بھی جاری کیا تھا اگرچہ اس سے تحریک کو نقصان بھی ہوا اب لوگوں میں یہ غلط رسم عام طور پر ختم ہو چکی ہے لیکن بعض لوگ ابھی تک اس کے پابند ہیں۔ جو کہ بالکل غلط ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک فرمان ہے دو چیزوں میں دیر نہ کرو۔

* ـــــ (۱) نماز کا جب وقت ہو جائے فوراً ادا کرو۔
* ـــــ (۲) لڑکی جب بالغ ہو جائے تو اس کے نکاح میں دیر نہ کرو۔

والصلحین من عبادکم وامائکم۔ لونڈی اور غلام کے معاملہ میں دونوں امر ملحوظ رکھنے چاہییں اول یہ کہ وہ ایسے ہیں کہ نکاح کی ذمہ داری پوری کر سکیں۔ دوسرے یہ کہ مالک کے ساتھ بھی ان کا رویہ درست ہو اگر نیک ہوں گے تو جبھی مالک کی خدمت کو بھی ملحوظ رکھ سکیں گے۔

"انکحوا" تم ان کا نکاح کرو۔

علماء شافعیہ نے اس لفظ سے یہ بات نکالی ہے کہ بغیر ولی کے نکاح درست نہیں۔ امام احمدؒ اور امام مالکؒ نے بھی عورت کو بغیر ولی کے نکاح سے منع کیا ہے امام ابوحنیفہؒ بالغ لڑکی کو ولی کے بغیر نکاح کی اجازت دیتے ہیں۔

ناپسندیدگی کی صورت میں ولی کی ولایت ختم ہو سکتی ہے اگر ولی خیر خواہ نہ ہو بادشاہ حاکم وقت محلہ یا برادری کا چوہدری بھی ولی بن سکتا ہے نکاح میں لڑکی کے جذبات اور پسند کا خیال زیادہ ہونا چاہیے۔

اِنْ یَّکُوْنُوْا فُقَرَآءَ یُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ۝

"اگر ہوں گے فقیر غنی کرے گا ان کو اللہ اپنے فضل سے اور اللہ کشائش والا جاننے والا ہے۔"

مفلسی کی وجہ سے نکاح نہ کرنا یا غربت کی وجہ سے کسی کا رشتہ قبول نہ کرنا درست نہیں ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں برکت عورت میں ہے ہم عورتیں ہی دولت کا باعث ہیں۔

وَاِنْ خِفْتُمْ عَیْلَةً فَسَوْفَ الخ

فقر سے نہ ڈرو بلکہ نکاح کرو اللہ تعالیٰ غنا کی راہ پیدا کر دے گا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خطبہ جمعہ ———— مرتب چودھری عبدالواحد صاحب

غلاموں سے حسن سلوک اور ان کی آزادی

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّىٰ يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ وَالَّذِينَ يَبْتَغُونَ الْكِتَابَ مِمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا وَآتُوهُم مِّن مَّالِ اللَّهِ الَّذِي آتَاكُمْ (سورۃ النور آیت ۳۳)

اور پاکدامنی اختیار کریں وہ لوگ کہ نہیں مقدور رکھتے نکاح کا یہاں تک کہ غنی کر دے ان کو اللہ فضل اپنے سے اور وہ لوگ کہ چاہتے ہیں لکھت آزادی کی کچھ دے کر ان لوگوں میں سے جو مالک ہوئے داہنے ہاتھ تمہارے پس لکھ دو ان کو اگر جانو تم بیچ ان کے بھلائی اور دو ان کو مال خدا سے جو دیا ہے تم کو۔

نکاح پاکبازی کا راستہ ہے بداخلاقی اور آوارگی کا راستہ بند کرنے کا وسیلہ ہے اس سے قبل کی آیت میں نکاح کی پرزور تلقین کی گئی ہے اس آیت میں ان لوگوں کو خطاب کیا گیا ہے جو شادی کی استطاعت نہ رکھتا ہو اس کو زندگی کس طرح بسر کرنی چاہیے فرمایا گیا ہے کہ

"وہ پاکدامنی اختیار کرے" "ضبط کرے"

"وَلْيَسْتَعْفِفْ" اس کی وضاحت احادیث میں ملتی ہے جو شخص نکاح کی ضروریات پوری نہ کر سکتا ہو اس کو چاہیے کہ روزے رکھے کیونکہ روزہ انسان میں ضبط و تقویٰ پیدا کرتا ہے اور برائی سے بچنے کی صلاحیت سے بہرہ ور کرتا ہے ایک حدیث میں ہے تین آدمی ایسے ہیں جن کی مدد اللہ تعالیٰ کرتے ہیں۔

۱۔ وہ آدمی جو برائی سے محفوظ رہنے کے لیے نکاح کرے

۲۔ وہ غلام جو کتابت کی ادائیگی کی نیت رکھتا ہو۔

۳۔ وہ شخص جو جہاد کے لیے گھر سے نکلے۔

ایک حدیث میں فرمایا ہے کہ :

یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج فانہ اغض للبصر واحصن للفرج ومن لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ لہ وجاء

اے جوانو! تم میں سے جو شادی کرسکتا ہو وہ شادی کرلے کیونکہ یہ نظربازی سے بچاتی ہے اور عصمت قائم رکھنے کا ذریعہ ہے۔

لیکن جو نکاح کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو وہ روزے رکھے روزہ آدمی کا جوش کم کرتا ہے" "لَا یَجِدُوْنَ نِکَاحًا" کون آدمی نکاح کرے اور کون لا یجدون کے ضمن میں آتا ہے کس قدر مال و دولت ہو تو وہ مقدرت سمجھی جاوے کس قدر ذرائع آمدنی ہوں تو شادی کرے ورنہ پاک دامنی اختیار کرے اور روزے رکھے اس کے لیے کوئی نصاب اور پیمانہ مقرر نہیں کیا گیا، زندگی کی واجبی ضروریات فراہم کرسکتا ہو اس قدر آمدنی ہو کہ سادہ زندگی بسر ہوسکتی ہو تو وہ یجدون کے ضمن میں آتا ہے اس کی وضاحت اس واقعہ میں پوری طرح ہے کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے آپ سے نکاح کی خواہش ظاہر کی آپ کو کوئی خواہش نہ تھی اس لیے ایک صحابی نے کہا کہ اس عورت کا نکاح اُن سے کر دیا جائے۔ جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول کر لیا۔ آپ نے اس صحابی کو مہر کے لیے گھر سے کچھ لانے کا حکم دیا جب وہ گھر سے واپس آئے تو ایک حقیر سی چیز خدمت میں پیش کر کے فرمایا کہ گھر کی بس یہی کل کائنات ہے آپ نے نکاح پڑھ دیا اور وہ چیز ان کو واپس کر دی۔ کہ بازار میں فروخت کر کے کلہاڑی لے آئیں جس میں لکڑی کا دستہ آپ نے خود ڈال کر دیا تاکہ وہ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لایا کریں۔ اور گھر کی ضروریات پوری کیا کریں؎۔ غور کیجئے کہ یہاں استطاعت کا کیا حال تھا لیکن خود شارع علیہ السلام نے نکاح کر دیا لا یجدون نکاحا سے مراد یہی ہے وہ ایسے حالات

؎ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو الگ الگ واقعات ہیں جو یکجا ہو گئے ہیں نکاح کے خواہشمند کا نکاح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی چند سورتیں بیوی کو پڑھانے کے عوض کر دیا تھا اور کلہاڑی میں دستہ ایک اور صاحب کو ڈال کر دیا تھا جو سوال کے لیے آئے تھے مگر آپ نے انہیں محنت کے راستے پر لگایا۔ واللہ اعلم۔ عبدالسلام

میں ہوں کہ کفالت کر سکیں زندگی بسر کرنے کے لیے کم سے کم جو ضروریات ہیں وہ ان کو میسر ہوں۔

وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا مکاتبت: ایک غلام اگر اپنے مالک سے یہ درخواست کرے کہ وہ اس قدر مال یا معاوضہ ادا کر کے آزادی حاصل کرنا چاہتا ہے اس معاملہ میں فریقین ایک مقدار اور مدت طے کر کے تحریر کر لیتے ہیں اس کو مکاتبت کہا جاتا ہے اور اس غلام کو مکاتب۔ کوئی مالک اس کتابت کے بعد غلام کی آزادی میں رکاوٹ نہیں ڈال سکتا۔ مقررہ مال ادا کرنے کے بعد وہ غلام آزاد ہو گا۔

جب غلام اس مکاتبت کی درخواست کرے تو مالک پر یہ امر واجب ہو جاتا ہے حضرت عمرؓ کے پاس ایک غلام (سیرین) یہی شکایت لے کر گئے کہ ان کے مالک حضرت انسؓ مکاتبت نہیں کرتے تو حضرت عمرؓ ان کی طرف دُرّہ لے کر آئے تھے۔ اور کہا تھا کہ اللہ کا حکم ہے مکاتبت کر لو، تم نے ایسا کیوں نہیں کیا؟ فقہاء کا ایک گروہ اس امر کو مستحب قرار دیتا ہے۔

یہاں بعض لوگ اپنی کم علمی کی وجہ سے ایک بے معنی اعتراض کرتے ہیں وہ یہ کہ اسلام نے مکاتبت جیسے آزادی کے طریقے اختیار کرنے کے بجائے غلامی کو یکسر ختم کیوں نہ کر دیا؟ ایسا کہنے والے یہ بات اپنی جہالت کی وجہ سے کہتے ہیں میں ان لوگوں سے یہ سوال کرتا ہوں کہ اس دور میں کوئی حکومت ایسا کر سکتی ہے کہ بینکنگ کے سودی نظام کو یک دم ختم کر دے ایسا کرنے سے کیا نظام چل سکتا ہے اس کو بدلنے اور اس کی جگہ بلا سود نظام قائم کرنے کے لیے ایک مدت درکار ہے یہی صورت حال اس وقت غلامی کی تھی۔ عرب کا سارا معاشی اور معاشرتی نظام غلاموں کے ذریعہ سے چل رہا تھا۔ اس وقت تجارت و صنعت کا انحصار تنخواہ دار مزدوروں اور نوکروں کی بجائے غلاموں پر تھا۔ اگر غلامی کو ایک دم ختم کر دیا جاتا تو سارا نظام تباہ ہو جاتا اور پورا عرب سخت معاشی بحران میں مبتلا ہو جاتا پھر غلامی کی بھی کئی قسمیں تھیں۔ بعض کو تو لڑائی کے نتیجہ میں غلام بنایا گیا تھا کچھ آزاد لوگوں کو پکڑ کر غلام بنا لیا گیا تھا۔ اور ایسے لوگ بھی خاصی تعداد میں تھے۔ جو نسل در نسل غلام چلے آرہے تھے اور کچھ علم نہ تھا کہ ان کے باپ دادا کو کس طرح غلام بنا لیا گیا تھا۔

غلامی کو یکسر اور یکدم ختم کرنے کا تجربہ ماضی قریب میں ہی امریکہ میں ہوا ہے لیکن اس اقدام کا کوئی فائدہ نہیں ہوا اوّل تو اس اقدام سے امریکہ میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ دوسرے کالوں کا مسئلہ جوں کا توں باقی ہے اور سفید فام ان کو کوئی حق دینے کو تیار نہیں ہیں بلکہ اب بھی سیاہ فاموں کی زندگی کی کوئی قیمت نہیں ہے۔

اسلام نے ایک تو یہی مکاتبت کا طریقہ جاری کیا کہ اگر غلام اس امر کی درخواست کرے تو اس کو قبول کرنا مالک کے لیے ضروری ہے۔

اسلام نے غلاموں کو آزاد کرنے کی بے حد ترغیب دی اسی ترغیب کے نتیجہ میں آزادی کی ایک صورت یہ بن گئی تھی کہ مالک وصیت کرتا تھا کہ اس کی موت کے بعد غلام آزاد ہو گا۔ اسی طرح لونڈی جس سے مالک کی اولاد پیدا ہو جائے۔ وہ مالک کی فوتیدگی کے بعد آزاد ہو جاتی ہے۔

گناہوں کے کفارہ میں غلاموں کو آزاد کیا جاتا ہے غلام کو آزاد کرنے کی اس قدر ترغیب دی گئی کہ لوگوں نے بے شمار غلام آزاد کیے اس کا اندازہ صرف ایک مثال سے کیجئے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے اپنی زندگی میں ۳۰ ہزار غلام آزاد کئے تھے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ جمعہ ——— مرتب: چودھری عبدالواحد صاحب

اسلام میں غلامی

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّىٰ يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ ۗ وَالَّذِينَ يَبْتَغُونَ الْكِتَابَ مِمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا ۖ وَآتُوهُم مِّن مَّالِ اللَّهِ الَّذِي آتَاكُمْ ۚ وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوا عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَن يُكْرِههُّنَّ فَإِنَّ اللَّهَ مِن بَعْدِ إِكْرَاهِهِنَّ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (سورۃ النور آیت ۳۳)

اور ایسے لوگوں کو کہ جن کو نکاح کا مقدور نہیں ان کو چاہیے کہ اپنے نفس کو ضبط کریں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے اور تمہارے مملوکوں میں سے جو مکاتب ہونے کے خواہاں ہوں تو ان کو مکاتب بنا دیا کرو اگر ان میں بہتری کے آثار پاؤ اور اللہ کے دیئے ہوئے اس مال میں سے ان کو بھی دو جو اللہ نے تم کو دے رکھا ہے اور اپنی مملوکہ لونڈیوں کو زنا کرانے پر مجبور مت کرو بالخصوص جب وہ پاک دامن رہنا چاہیں محض اس لیے کہ دنیوی زندگی کا کچھ فائدہ یعنی مال تم کو حاصل ہو جائے اور جو شخص اُن کو مجبور کرے گا تو اللہ تعالیٰ ان کے مجبور کیے جانے کے بعد ان کے لیے بخشنے والا مہربان ہے۔

اسلامی معاشرہ میں اخلاق کی کیا اہمیت ہے؟ پاکبازی و عفت کا کیا درجہ ہے؟ فواحش اور بے حیائی سے اجتناب کیوں ضروری ہے؟ ان کا ذکر تفصیل سے ہو چکا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پوری زندگی مسلمانوں کی اخلاقی تربیت میں صرف کر دی خاص طور

پر مدینہ کے قیام کے دس سال میں اسی تربیت کے اثر سے اہل ایمان میں ایک انقلاب برپا ہو گیا تمام معاشرہ بدل گیا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مقصد میں پوری طرح کامیاب ہوئے۔ آزاد مرد و زن میں بے حیائی ختم ہو گئی اور لونڈی غلاموں کے لیے بھی خاص ہدایات دیں تاکہ زندگی کا یہ شعبہ بھی پاک و صاف ہو جائے۔

وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ۔ لونڈی اور غلاموں کے نکاح کی طرف توجہ دلائی ہے اس کے ساتھ ہی ایک دوسری ہدایت کی ہے کہ ایسا طریقہ اختیار کیا جائے کہ غلاموں کا مسئلہ ہی ختم ہو جائے مسلمانوں کو مکاتبت کا حکم دیا کہ جو غلام مال کی ایک خاص مقدار جو کہ فریقین میں طے ہو جائے ادا کر کے آزادی کے حصول کا خواہش مند ہو تو مالک کے لیے لازم ہے کہ وہ اس سے معاملہ طے کر لے۔

غلامی کے سلسلہ میں بعض عیسائی مستشرقین اور ہندوؤں نے اسلام پر بے جا حملے کئے ہیں جن کا کچھ ذکر پچھلے خطبہ میں ہو چکا ہے مغربی مصنفین کے دفاع میں کچھ لوگوں نے معذرت خواہانہ انداز اختیار کیا جس کی کوئی ضرورت نہ تھی یورپی اقوام سے دریافت کرنا چاہیے کہ انہوں نے ایشیائی قوموں اور افریقہ کے رہنے والوں سے کیا سلوک کیا ہے اور کر رہے ہیں کیا یہ بدترین قسم کی غلامی نہیں امریکہ میں سیاہ فام لوگوں سے کیا سلوک ہو رہا ہے یہ آزادی کی کون سی قسم ہے؟ کیا عیسائیت اور ہندومت دونوں نے غلامی ختم کی ہے؟ اقلیتوں کے ساتھ جو سلوک ہو رہا ہے وہ غلامی سے کسی طرح کم نہیں جنگ عظیم کے خاتمے پر جرمنی جاپان اور ترکی کے ساتھ کیا سلوک ہوا ہے ان ملکوں کے حصے بخرے ہوئے اور غلام بنا دیا گیا جن کو بظاہر آزاد کیا گیا ہے وہ اقتصادی طور پر آج بھی غلام ہیں۔ اکثر و بیشتر ملک آج بھی معاشی اور مالی لحاظ سے غلام ہیں۔ کئی ملک سیاسی طور پر آزاد نہیں ہیں غلامی کی شکلیں البتہ بدل گئی ہیں اور مستقبل کے متعلق مزید خرابی کی پوری توقع ہے یہی نہیں ہے کہ اسلام نے اس طرح کا ناجائز استحصال اور غلامی کا یہ طریقہ اختیار نہیں کیا بلکہ اس وقت کے مروجہ غلامی کے نظام کو بھی حکمت اور تدریج سے بدل دیا۔

اس وقت جنگی قیدیوں کے لیے کیمپ نہیں ہوتے تھے اور اس دور کے وسائل کے

مطابق غالباً یہ ممکن بھی نہ تھا اس لیے جنگی قیدیوں کو ایک خاص طریقہ سے تقسیم کر دیا جاتا تھا اس طریقہ کو اسلام نے قائم رکھا لیکن ساتھ ہی ان لوگوں کے ساتھ برابر کے سلوک کی تلقین کی، غلاموں کو دوسرے درجے کے شہری بنا دینے کی بجائے حکم دیا کہ "ان کو جو خود کھاؤ، کھلاؤ اور جو خود پہنو، پہناؤ" اس برابر سلوک کی تلقین کا ہی اثر تھا کہ حضرت عمرؓ جیسے خلیفہ اپنے غلام کو سفر کے دوران اونٹ پر باری سے سوار کراتے تھے اور خود ساتھ چلتے تھے صرف برابر کے سلوک کی ہی تلقین نہیں کی ہے بلکہ حسن سلوک کی تلقین کی ہے۔ اس کے علاوہ ہر ممکن اور مناسب طریقے سے غلامی کو ختم کرنے کی کوشش کی ہے بلکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بھی موقعہ پایا جنگی قیدیوں کو آزاد کرنے کی کوشش کی ہے جیسا کہ جنگ حنین کا واقعہ ہے یہ جنگ مکہ سے واپسی پر ہوئی تھی اس میں مسلمانوں نے کافی جنگی قیدی بنائے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کافی دنوں تک انتظار کیا کہ وہ قوم آکر اپنی عورتیں اور بچے اور مال لے جاویں لیکن کافی انتظار کے بعد کوئی نہ آیا تو آپ نے مال غنیمت اور قیدی بانٹ دیئے جب ان لوگوں کو اس کا علم ہوا تو ان میں سے کچھ لوگ آپ کے پاس حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ ان کی عورتیں بچے اور مال واپس کر دیا جائے آپ نے فرمایا میں نے تمہاری انتظار کی ہے اب تم یا تو عورتیں اور بچے لے جاؤ یا مال لے لو انہوں نے عورتیں اور بچے واپس کرنے کی درخواست کی جس کو آپ نے قبول کر لیا اور تقسیم کئے ہوئے غلام مسلمانوں سے واپس لے کر ان کو دے دیئے اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام نے غلامی کے مسئلہ کو ختم کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔

ایک صحابی نے غلام کو تھپڑ مار دیا ایسے ہی نہیں بلکہ غلطی پر ہی ایسا کیا تھا غالباً ایک بکری ضائع کر دی تھی۔ لیکن ایک دوسرے صحابی کے ٹوکنے پر آپ نے غلام کو آزاد کر دیا۔

غور کیجئے! ایک تو مسلمانوں کو مکاتبت کر لینے کے لیے پابند کیا گیا ہے ساتھ ہی حکم ہے کہ ان کی مالی امداد بھی کرو۔ وَآتُوهُمْ مِنْ مَالِ اللَّهِ الَّذِي آتَاكُمْ۔ حضرت انسؓ اپنے غلاموں کو کتابت کی قسط میں ایک چوتھائی رقم معاف کر دیا کرتے تھے۔

إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا "ان سے مکاتبت کر لو اگر تم کو ان میں بھلائی

معلوم ہو۔"

یہاں خَیْرًا سے کیا مراد ہے اس کے معنی مختلف بیان کیے گئے ہیں جو کہ حسبِ ذیل ہیں :۔

۱۔ یہ کہ غلام تندرست اور صحت مند ہو جو کوشش اور محنت کر سکتا ہو کما سکتا ہو ایسا نہ ہو کہ وہ معذور ہو اور کمانے کی طاقت نہ رکھتا ہو۔ اور ملت پر بوجھ بن جائے ایسا غلام آزاد نہ کرنا چاہیے۔ بلکہ اس کی ضروریات کا پورا کرنا مالک کے ذمہ ہے۔

۲۔ دوسرا مطلب خَیْرًا کا مال لیا گیا ہے یعنی اس کے پاس مال ہو اقساط ادا کر سکتا ہو لیکن یہ جچتا نہیں ہے اس سے مراد عام استعداد ہے۔

۳۔ خَیْرًا سے مراد دین ہے یہ کہ آزاد ہو کر خدمت کر سکے۔

۴۔ یہ کہ مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچا سکتا ہو۔

۵۔ خَیْرًا سے مراد حرفت ہے یہ کہ غلام ہنر مند ہو ایسا نہ ہو کہ بھیک مانگتا پھرے۔

اور اپنی لونڈیوں کو بدکاری پر مجبور نہ کرو وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ الخ

بعض لوگ لونڈیاں خریدتے تھے اور ان سے قحبہ گری کراتے تھے ان کی حرام کمائی کھاتے تھے عورت فطرتاً عفیف ہوتی ہے لیکن دنیا پرست اس کو غلط راستہ پر چلاتے ہیں حکم ہوا لَا تُكْرِهُوا برائی پر ان کو مجبور نہ کرو اس آیت کے نزول کے وقت عبداللہ بن ابی جو کہ منافقوں کا سردار تھا ایک چکلہ کھولا ہوا تھا اس میں ایک لونڈی (معاذہ) مسلمان ہو گئی اور زنا سے توبہ کر لی۔ عبداللہ بن ابی نے اس پر سختی کی۔ اس نے حضرت ابوبکرؓ سے اس امر کی شکایت کی حضرت ابوبکرؓ نے معاملہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھا۔ اس موقعہ پر یہ آیات نازل ہوئیں چنانچہ لونڈی کو آزاد کرایا گیا۔ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لونڈی کی ایسی کمائی کو حرام قرار دیا اور مسلمانوں کو اس سے سختی سے منع فرمایا۔

ایک حدیث میں ہے۔ نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن کسب الامة حتی یعلم من این ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لونڈی سے کوئی کمائی وصول کرنے سے روکا جب تک یہ معلوم نہ ہو جائے کہ یہ آمدنی اس نے کیسے حاصل کی ہے لونڈیوں کی ایسی کمائی

اور زنا کی آمدنی وصول کرنے سے منع کیا ہے۔

وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ یعنی جن کو برائی پہ مجبور کیا گیا خدا انہیں معاف کرے گا۔ جو برا کام بھی جبر سے کرایا جائے اور کرنے والے کے اختیار میں نہ ہو تو اس پر مواخذہ نہیں ہے وہ مجرم نہیں ہے بالکل ایسا ہی ہے کہ کوئی نابکار کسی کے منہ میں شراب کا گلاس انڈیل دے اس کے متعلق فرمایا ہے وہ غفور رحیم معاف کرے گا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ جمعہ ——— مرتب : چودھری عبدالواحد صاحب

نور اور اس کے مطالب

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِىْ زُجَاجَةٍ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّىٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِىْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ○ سورۃ النور آیت ۳۵

اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق میں چراغ رکھا ہوا ہو چراغ ایک فانوس میں ہو فانوس کا حال یہ ہو کہ جیسے موتی کی طرح چمکتا ہوا تارا، اور وہ چراغ زیتون کے ایک ایسے مبارک درخت کے تیل سے روشن کیا جاتا ہو جو نہ شرقی نہ غربی، جس کا تیل آپ ہی آپ بھڑکا پڑتا ہو چاہے آگ اس کو نہ لگے روشنی پر روشنی۔ اللہ اپنے نور کی طرف جس کی چاہتا ہے رہنمائی فرماتا ہے وہ لوگوں کو مثال سے بات سمجھاتا ہے وہ ہر چیز سے خوب واقف ہے۔

سورۂ نور کی ابتدا سے اس مقام تک اخلاق کے معیار کو بلند کرنے کے لیے مختلف پابندیوں کا ذکر کیا ہے یہاں سے پہلی قیود کا ذکر ایک دوسرے رنگ میں کیا ہے یہ پابندیاں بظاہر پابندیاں ہیں۔ عورتوں اور مردوں کو غض بصر کا حکم، حفاظت فرج کا حکم، عورتوں کے لیے پردہ کا حکم، لعان، قذف، حد زنا، نکاح کا حکم، حسن فروشی، بہتان تراشی، غلاموں کی آزادی کا ذکر کیا ہے یہاں ذکر یہ ہوا ہے کہ ان پابندیوں کے پیچھے ایک نور ہے ایک روشنی ہے۔

انسان جب ایک خاص کیفیت اور حالت سے متاثر ہوتا ہے تو دوسری چیزوں کو دیکھتا ہے سورج کی روشنی میں انسان نظر سے دیکھتا ہے نظر میں بھی ایک نور ہے جب تک یہ درست ہو تو اس روشنی سے فائدہ اٹھا سکتا ہے آنکھوں میں نور نہیں تو کچھ بھی نہیں دیکھ سکتا آنکھوں میں نور بھی ہو اور باہر اندھیرا ہو اس صورت میں بھی دیکھنا ممکن نہیں روشنی سے نظر متاثر ہوتی ہے اور باہر سے اس کو مدد ملتی ہے یہ سلسلہ اسی طرح قائم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس روشنی کا خالق وبانی ہے۔

بصارت وبصیرت

آنکھیں، سورج اور چاند ستارے سب خدا تعالیٰ کے پیدا کردہ ہیں روشنی نور ہے۔ انسان میں نور ہے۔ لیکن انسان سارے کا سارا نور نہیں ہے غور کیجئے آنکھیں بند ہوں تو نظر نہ آوے گا۔ انبیاء کرام تک کا معاملہ اسی طرح ہے، نظر کا نور ہے جس کو بصارت کہا جاتا ہے اور خدا تعالیٰ نے دماغ میں بھی ایک تیز روشنی و نور رکھا ہے جس کو بصیرت کہا جاتا ہے یا عقل، نظر تہ کے نیچے نہیں دیکھ سکتی۔ یہاں بصیرت کام کرتی ہے اور تہ کے نیچے تک دیکھ لیتی ہے یعنی بصیرت بصارت سے زیادہ روشن ہے اور طاقتور ہے۔ انسان آج تک اس کی حقیقت کا پتہ نہیں کر سکا، روح کیا ہے؟ اس کی حقیقت کیا ہے؟ جسم اور روح کا تعلق کس طرح ہے؟ آج تک انسان کو پتہ نہیں چل سکا۔ انسان صرف اس قدر جانتے ہیں کہ روح نکل گئی جسم بے حس ہوا اور موت واقع ہو گئی اس روح کو آج تک نہ بصارت اور نہ ہی بصیرت دیکھ سکی ہے انبیاء کرام تک اس کو نہیں دیکھ سکے ہماری اور ان کی حیثیت میں جو فرق ہے اس کے باوجود روح نہیں دیکھ سکے۔

نورِ رسالت

بعض لوگ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نور کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ نبوت کا تھا آپ اسی نور سے منوّر تھے دوسرے نور کا کام بالکل محدود ہے لیکن آپ تو نورِ ہدایت لے کر آئے تھے۔ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۙ نور سے مراد شریعت اور دین ہے نور ہدایت ہے جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے تھے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ گھر میں دیا نہیں تھا اور رسول خدا نماز پڑھ رہے تھے اور میں آگے لیٹی ہوئی تھی جب آپ سجدہ کے لیے جھکتے اور پاؤں کو ہاتھ لگاتے تو میں پاؤں

سمیٹ لیتی اور آپ سجدہ کرتے ۔حضرت موجود تھے لیکن دیا نہ ہونے کی وجہ سے روشنی نہ تھی معلوم ہوا کہ وہ نور دیئے اور چراغ کی مانند نہ تھا بلکہ نور ہدایت تھا۔

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ اس سے مراد یہ ہے کہ تمام دنیا کو روشن کرنے والا اللہ ہی ہے ۔ دینی اور دنیاوی سب روشنیاں اسی کی عطا کردہ ہیں ۔ضیاء ، بصارت، بصیرت، دین سب اسی کا عطیہ ہے ۔ انبیاء کو نور کہنا انبیاء کی شان نہیں ہے بلکہ توہین ہے ۔

نورِ نظر کی بے بسی

نظر نور ہے اور یہ اس کیفیت کا نام ہے جس سے ہم دیکھتے ہیں یہ روشنی انسانی زندگی کے لیے مفید اور ضروری ہے۔

اسی سے زندگی کا لطف ہے اور اس کا ختم ہونا یا نہ ہونا مصیبت ہے اس نور کا انسانی زندگی سے گہرا تعلق ہے ۔ خدا تعالیٰ ایسا نور نہیں ہے اس میں کمزوریاں ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے پاک ہے نظر کے راستہ میں رکاوٹ ہو تو وہ بے کار ہے اندھیرا ہو تو کام ختم لیکن نور خدا ایسا نہیں ہے اللہ سے دنیا کا کوئی حصہ پوشیدہ نہیں ہے یہ نظر ایک حد تک کام کرتی ہے کمزور ہے محدود ہے ۔جب کہ ذات حق لامحدود ہے ساری کائنات کو دیکھ رہی ہے اس سے کوئی مخفی نہیں ہے ہماری نظر کا عالم تو یہ ہے بعض چیزیں ہمارے بالکل قریب ہیں لیکن ہم ان کو دیکھ نہیں سکتے جیسے خوردبین سے نظر آنے والے جراثیم ۔ ہمیں دور سے نظر آنے والی اشیاء چھوٹی نظر آتی ہیں ۔سورج زمین سے کئی لاکھ گنا بڑا ہے لیکن ہمیں کئی لاکھ گنا چھوٹا نظر آتا ہے۔

نور سے مراد ضیاء ہے ضیاء سے دو چیزیں مراد ہیں ۔

۱۔ ایک بلب کے اندر کی آگ

۲۔ دوسرے بلب کے باہر سب طرف پھیلی ہوئی روشنی ،سب روشنیاں کم اور زیادہ ہوتی رہتی ہیں ، خدا اس معنی میں نور نہیں ہے وہ ضیاء نہیں ہے ۔

ہم خوبصورتی کو بھی نور سے تعبیر کرتے ہیں ، زینت ، خوبروئی بھی نور ہے تمام نوع انسانی اپنی اپنی جگہ زینت سے مزین ہے جانور اور پرندوں تک میں خوبصورتی ہے زینت کی جو بھی مقدار ہے وہ سب خدا کی عطا کردہ ہے اور اسی کی وجہ سے ہے ۔ ایسا کہنا درست ہے

کہ فلاں میں خدا کا نور ہے بلکہ سب میں خدا کا نور ہے۔ یہ نور مخلوق ہے خدا کا عطا کردہ ہے خدا تعالیٰ ان سب اقسام نور سے پاک ہے وہ بے مثال ہے خدا تعالیٰ بے عیب ہے۔

خدا کے نور سے کوئی ٹکڑا جدا نہیں ہوا جو " نُورٌ مِنْ نُوْرِ اللّٰهِ " ہو اللہ تعالیٰ صمد ہے۔ اس سے کوئی پیدا ہوا نہ وہ کسی سے پیدا ہوا کسی نبی کے متعلق ایسا تصور کفر ہے بلکہ ایسا کہنا چاہیے کہ خدا نے پیدا کیا اور نور عطا کیا۔

نورِ ہدایت اس آیت میں بھی آگے اس امر کی خود خدا تعالیٰ نے وضاحت کر دی ہے۔ يَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ " راہ دکھاتا ہے اللہ طرف اپنے نور کی جس کو چاہتا ہے" یعنی جس کو چاہتا ہے توفیق ہدایت عطا کرتا ہے۔

قرآن مجید اور دوسری آسمانی کتابیں بھی نور ہیں اور اس معنی میں تمام انبیاء رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سمیت نور ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت کا ذخیرہ عطا کیا، وجہ ہدایت بنایا۔

غور کیجئے کہ حضرت عمرؓ نے اسلام کی پوری طرح مخالفت کی لیکن جب نور ہدایت نے رہنمائی کی تو حلقہ بگوش اسلام ہو گئے سلمان فارسی مختلف خداؤں کو مانتے اور مسترد کرتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے یہ صرف اسی نور کی بدولت ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوموار کو دعویٰ نبوت کیا اور منگل کی صبح کو ابوبکر صدیقؓ ایمان لے آئے یہ اسی نور ہدایت کا کرشمہ تھا۔

وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ .... عَلِيْمٌ ٥

اللہ تعالیٰ نے یہ مثالیں اس لیے بیان کی ہیں کہ لوگ ہدایت حاصل کریں اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ کون ہدایت کا خواہش مند ہے اور کون دنیا کا طالب ہے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ جمعہ ——— مرتب: چودھری عبدالواحد صاحب

تسبیح وذکر کے مقام ——— مساجد

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۙ فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ۙ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۙ

اللہ نور ہے آسمانوں کا اور زمین کا اس کے نور کی مثال مانند ایک طاق کی ہے کہ اس میں چراغ ہو وہ چراغ ایک شیشہ کی قندیل میں ہو شیشہ گویا کہ تارا ہے چمکتا ہوا۔ روشن کیا جاتا ہے وہ چراغ زیتون کے مبارک درخت سے جو نہ مشرق کی طرف ہے نہ مغرب کی طرف۔ قریب ہے تیل اس کا کہ روشن ہو جائے اگرچہ نہ لگے اس کو آگ۔ روشنی پر روشنی۔ اللہ راہ دکھاتا ہے اپنی روشنی کی طرف جسے چاہتا ہے اور بیان کرتا ہے اللہ مثالیں لوگوں کے لیے اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ ان گھروں میں کہ حکم دیا اللہ نے کہ بلند کئے جائیں اور یاد کیا جائے ان میں اس کا نام۔ تسبیح کرتے ہیں اس کے لیے ان میں صبح وشام۔

سعید و بدبخت

نور کیا ہے؟ معلوم ہے کہ کائنات از سرتا پا ساری کی ساری خدا تعالیٰ کی پیدائش ہے۔ آنکھیں، زبان، عقل سب خدا

کا عطیہ ہیں جسم اور ساری دنیا کا سارا سلسلہ اسی کا بنایا ہوا ہے خدا تعالیٰ نے سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔ ان کی اولاد بعد میں مختلف حصوں میں بٹ گئی۔ مِنھُمَا شَقِیٌّ وَّ سَعِیۡدٌ بد بخت اور پاکباز و خوش قسمت بھی۔ نیک اور بد بھی، وجہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے جن کو نور ایمان اور ہدایت عطا کی وہ مومن و سعید ہو گئے دوسرے کافر و مشرک، بالکل اسی طرح کہ آنکھوں میں نور ہے تو بینا اور نہ ہونے کی صورت میں اندھا و نابینا۔ کانوں میں نور ختم ہوا تو بہرہ ہوا اور نور نطق نصیب نہیں ہوا تو گونگا ہو گیا۔

خدا کی حقیقت

ذات حق اور اس کی حقیقت آج تک سمجھی نہیں جا سکی فلاسفہ اور کچھ مسلمان صوفیا نے کچھ اصطلاحیں کچھ الفاظ بنائے اور استعمال کئے ہیں جن سے سمجھنے سمجھانے کی کوشش کی ہے لیکن یہ بھی گورکھ دھندا ہی ثابت ہوا ہے کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ یہ امر خاص طور پر ملحوظ رہے کہ خدا کے ذاتی نور میں سے کوئی بھی چیز نہیں بنی ہے ایسا سمجھنے والا جاہل مطلق ہے۔ خدا کے ذاتی نور سے فلاں بنا ہے دوسرے الفاظ میں خدا بٹ گیا۔ مخلوق بنا اور خالق بھی رہا۔ یہ دین نہیں یہ تو محض تک بازی ہے اور مضحکہ خیز ہے۔ کوئی عالم الیسی بات نہیں کہہ سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کے ذاتی نور سے پیدا ہوتے ہیں یہ خیال جاہلوں کو ہی جچتا ہے۔ نعرہ بازی سے تو مسائل حل نہیں ہوتے۔ دلائل سے یہ امر ثابت کرنا چاہیے۔ خدا بے مثل ہے صمد ہے لَمۡ یَلِدۡ وَلَمۡ یُوۡلَدۡ ہے۔ اس لیے یہ عقیدہ درست نہیں۔ البتہ خدا تعالیٰ نے انسانوں کو بھی نور دیا ہے۔ قوت گویائی، سننا، عقل، نظر سب اسی کی عطا ہے، اس نے حیوانوں کو بھی نور سے نوازا ہے ان کو کچھ شعور عطا کیا ہے۔ شعور کی کیفیت حیوانوں میں بھی ہے ان کا خاص آواز پر آنا اور رکنا، پیار اور غصہ کو سمجھنا، خوراک میں مضر اور مفید چیزوں کی پہچان کر لینا یہ اسی شعور کی وجہ سے ہے۔ یہ عقل کا نور ہی ہے جو ہرن کو شیر کی موجودگی کا احساس کرا کر بھاگنے کی راہ دکھاتا ہے۔ یہ شعور فطرت ہے۔ كَذٰلِكَ يَضۡرِبُ اللّٰهُ الۡاَمۡثَالَ اگر معاملہ خدا کا ہوتا تو مثال کی ضرورت کیا تھی؟ ۔

نور سے مراد نور ہدایت اور نور ایمان ہے اور اس لحاظ سے رسول خدا صلی اللہ

علیہ وسلم نور مجسم تھے کہ آپ از سر تا پا ہدایت ہی ہدایت تھے۔

اول تو یَهْدِی اللّٰهُ لِنُورِهٖ مَنْ یَّشَآءُ کہہ کر نور کی وضاحت کر دی ہے اگلی آیت میں اس کی مزید وضاحت کی ہے۔

فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ یُسَبِّحُ لَهٗ فِیْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ۔

وہ ایسے گھروں میں کہ حکم کیا اللہ نے یہ کہ بلند کیے جاویں اور یاد کیا جاوے بیچ ان کے نام اس کا۔ تسبیح کرتے ہیں واسطے اس کے بیچ اُن کے صبح اور شام کو۔

یہاں ان لوگوں کا ذکر ہو رہا ہے جو اس کے نور کی طرف ہدایت پانے والے ہیں، اور جہاں اس نور کی وجہ سے ذاتِ حق کے تذکرے ہوتے ہیں۔

مساجد کی غرض وغایت

یہاں بیوت سے علماء نے عام طور پر مساجد مراد لی ہیں، لیکن مسجد کی تخصیص نہیں ہے دوسرے مکان بھی اس میں شامل ہیں اسلام سے قبل بھی ہر قوم نے عبادت و ذکر کے لیے چند مقامات مقرر کر رکھے تھے تُرْفَعَ سے مراد تعمیر کرنا بھی ہے وَیُذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ اور ذکر کیا جاوے ان میں اس کا نام یہ صرف خدا کے لیے ہی خاص ہے۔ سورہ جن میں فرمایا: وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ۔ اور یہ کہ مسجدیں واسطے اللہ کے ہیں پس مت پکارو ساتھ اس کے کسی کو" مسجد وہ گھر ہے جس میں کسی اور کا نام نہ لو، ذکر صرف خدا کے نام کا ہی جائز ہے کوئی اور چاہے پیغمبر ہی کیوں نہ ہو اس کے نام کا ذکر جائز نہیں ہے افضل الذکر لا الٰہ الا اللہ ہے صرف انہی الفاظ کا ذکر کیا جاتا ہے محمد رسول اللہ کا ورد نہیں ہوتا۔

مسجدیں صرف اللہ کی یاد کے لیے ہیں ان میں ذکر و عبادت ہی ہونا چاہیے دوسرے مشاغل کے لیے استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ دنیا کے جھگڑوں اور بازار کے طور پر ان کا استعمال جائز نہیں ہے مسجدیں سونے کے لیے نہیں ہیں۔ اتفاقاً کبھی ایسا ہو جائے تو حرج نہیں ہے

اسی طرح دنیا کی تمام باتیں کرنا بالکل حرام نہیں ہیں کبھی ضرورتاً ایسا کرنا جائز ہے جیسا کہ احادیث میں ذکر آتا ہے کہ حالت اعتکاف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہؓ سے گفتگو کی تھی، اسی طرح تجارتی گفتگو کا مقام مسجدیں نہیں ہیں لیکن کبھی کوئی بات کسی سے دریافت کر لی جاوے تو جائز ہے لیکن اب ایک آدمی مسجد میں خوانچہ لگا کر ہی بیٹھ جاوے تو یہ امر درست نہیں ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ اپنے گھروں میں ہی سو جاتے تھے۔ لیکن جن لوگوں کے کوئی گھر نہ تھے اصحاب صفہ وغیرہ وہ مسجد میں بھی سو جاتے تھے۔ ایک دفعہ دو آدمی بلند آواز سے مسجد نبوی میں جھگڑ رہے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرہ سے آکر دریافت کیا تو پتہ چلا کہ روپوں کے لین دین پر جھگڑا ہے۔ آپ نے آدھی رقم پر ان کا تصفیہ کرا دیا مسجدیں ہنگاموں کے لیے نہیں ہیں یہ تو صرف ذکر الٰہی کے لیے ہیں۔ مسجدوں میں غیر اللہ کا ذکر نہیں ہونا چاہیے۔ غیر اللہ کا ذکر ویسے بھی غلط ہے لیکن مسجد میں ایسا کرنا اور بھی بُرا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایسا کبھی نہیں ہوا۔ اب تو خود ساختہ درود اور وظائف مسجدوں میں ہوتے ہیں جو کہ غلط ہے ذکر صرف خدا کا ہے باقی تذکرے کے مقام دوسرے ہیں۔

مسجدوں کے آداب سے ناواقف آدمی کبھی مسجد میں آجائے تو اس سے نرمی سے پیش آنا چاہیے۔ یہ بیماری عام ہے کہ پرانے نمازی نو واردوں سے سختی سے پیش آتے ہیں۔ اور ان کی غلطیوں پر ان کو درشت لہجہ سے ٹوکتے ہیں یہ امر سنت کے خلاف ہے سنت نبویؐ اس معاملہ میں کیا ہے؟ اس کے لیے اس واقعہ کو ذہن میں رکھنا چاہیے۔ ایک اعرابی مسجد نبوی میں آیا اور پیشاب کرنے کے لیے بیٹھ گیا صحابہ نے اس کو اٹھانا چاہا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روک دیا کہ کہیں ایسا کرنے سے کسی بیماری میں مبتلا نہ ہو جائے جب وہ پیشاب سے فارغ ہو گیا تو اس کو بلا کر فرمایا کہ مسجدیں اللہ کے ذکر کے لیے ہیں اس گندگی کے لیے نہیں ہیں مسجدیں نماز پڑھنے، قرآن پڑھنے اور اذکار مسنونہ کے لیے ہیں ذاتی جھگڑوں کے لیے نہیں ہیں۔ مسجدوں کو گھر کی طرح استعمال کرنا درست نہیں ہے اتفاقاً کبھی ایسا ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم ازواج سے ناراض ہوتے تھے تو بستر مسجد میں لے آتے تھے ـــــ مسجدوں کو راستہ کے طور پر استعمال کرنا درست نہیں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ کے مکان کے دروازہ کے سوا سب صحابہ کے دروازے مسجد نبوی کی طرف سے بند کرا دیئے تھے۔

يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ۔

صبح اور شام اس میں تسبیح کرتے ہیں۔ صبح کے لئے "غدوٌ" واحد کا صیغہ استعمال کیا ہے لیکن شام کے لیے الآصال جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے جس سے باقی چار نمازیں مراد ہیں جو کہ فجر کے علاوہ ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ جمعہ ——— مرتب: چودھری عبدالواحد صاحب

تسبیح و ذکر کے مقام ——— مساجد

فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْکَرَ فِیْہَا اسْمُہٗ یُسَبِّحُ لَہٗ فِیْہَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۝ رِجَالٌ لَّا تُلْہِیْہِمْ تِجَارَۃٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَاِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَآءِ الزَّکٰوۃِ یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْہِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ۝ لِیَجْزِیَہُمُ اللّٰہُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَیَزِیْدَہُمْ مِّنْ فَضْلِہٖ وَاللّٰہُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ۝ (سورۃ نور آیت ۳۶ تا ۳۸)

"اُن گھروں میں کہ اللہ نے حکم دیا ان کو بلند کرنے کا اور وہاں اس کا نام پڑھنے کا۔ یاد کرتے ہیں اس کی وہاں صبح اور شام۔ وہ مرد کہ نہیں غافل ہوتے سودا کرنے میں اور نہ بیچنے میں اللہ کی یاد سے اور نماز قائم رکھنے سے اور زکوٰۃ دینے سے ڈرتے رہتے ہیں اس دن سے جس میں الٹ جائیں گے دل اور آنکھیں۔ تاکہ بدلہ دے ان کو اللہ ان کے بہتر کاموں کا اور زیادتی دے ان کو اپنے فضل سے اور اللہ روزی دیتا ہے جس کو چاہے بے شمار۔"

اللہ کا نور جس سے مراد ہدایت ہے جو اس نے اپنے انبیاء کی معرفت بھیجی پچھلے خطبات میں اس امر کی وضاحت ہو چکی ہے اب ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ اس "نور" کے حصول کے مقامات کون سے ہیں کس جگہ یہ نور زیادہ ہوتا ہے اور کہاں کم۔

بیوتٍ کی تشریح

ارشاد ہوتا ہے "فی بیوتٍ" گھر۔ کونسے گھر؟ بیوت کے مختلف معانی بیان کئے گئے ہیں۔

۱۔ مساجد جہاں عام لوگ نماز کے لیے آتے ہیں۔

۲۔ اہل اسلام کے عام گھر۔

۳۔ بعض مفسرین نے "بیوت" سے مراد چار مساجد لی ہیں۔

(۱) مسجد حرام (۲) مسجد نبوی (۳) مسجد اقصیٰ (۴) مسجد قباء

لیکن یہ مطلب قرین قیاس نہیں ہے ہر مسجد نور کا منبع ہے اس لیے ان مساجد سے اس کو خاص کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ مساجد نور کا ظرف ہیں۔ اور نور کے حصول کے ذرائع کیا ہیں؟ نماز، تلاوت قرآن، دعوت وارشاد، تسبیح وتہلیل وغیرہ۔ یہاں غیر اللہ کے ذکر کی کوئی گنجائش نہیں ہے غیر کے ذکر کے علاوہ مساجد میں تذکرہ فواحش اور بری باتیں اور وہ علوم جن کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے پڑھنا بھی منع ہیں مساجد کا استعمال علوم دین کے پڑھنے پڑھانے کے لیے ہونا چاہیے عشقیہ اشعار اور جنسی ناول بھی مساجد میں نہ پڑھنے چاہییں۔ یہ تمام "ان ترفع ویذکر" کے عین مند ہیں اس معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قدر حفاظت فرمائی ہے کہ مسجد کے باہر گم ہونے والی اشیاء کا اعلان مسجد میں کرنے سے روکا ہے صرف مسجد کے اندر گم ہونے والی چیزوں کا ہی اعلان ہونا چاہیے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسجدیں جنت کے باغ ہیں جب ان میں سے گزرو تو کھاؤ پیو۔ کھانا پینا یہی ذکر وصلوۃ ہے۔ مساجد میں آنے والوں کو چاہیے کہ فضول گوئی سے بچیں اور صرف ضرورت کی گفتگو کریں۔ یہاں صرف وہ کام کرنے چاہییں جو کہ ذکر میں معاون ہوں۔ تلاوت، درود، اذکار مسنونہ وغیرہ۔

مساجد کی صفائی

مساجد کی عمارت اچھی ہونی چاہیے اس میں روشنی اور ہوا کا بہتر انتظام ہونا چاہیے۔ مسجد میں سے بدبو نہیں آنی چاہیے گندگی نہیں ہونی چاہیے صفائی کا پورا انتظام ہونا چاہیے یہ چیزیں ذکر میں معاون ہیں اسی لیے ان کا خاص خیال رکھنا ضروری ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لباس عام طور پر اونٹ کے بالوں کا ہوتا تھا اور مسجد کی چھت بھی زیادہ بلند نہ تھی اس لیے بدبو آتی تھی۔ آپ نے حکم دیا کہ جمعہ کے روز سب غسل کرکے آویں صاف کپڑے پہن کر آویں اگر کپڑے دھلے ہوئے میسر نہ ہوں تو ان کپڑوں کو کم از کم الٹ کر ہی پہنا ہو اگر کسی کو میسر ہو تو خوشبو بھی لگا دے یہ تمام امور صرف شان وشوکت

کے لیے ہی نہیں ہیں صفائی اور پاکیزگی کے لیے ہیں یہ بھی "ترفع ویذکر" کے ضمن میں آتا ہے۔

"ان ترفع ویذکر" کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ مساجد میں جو لوگ نئے آئیں ان سے دوسرے لوگ نرمی سے پیش آئیں اور ان کو جو کچھ بھی سمجھانا ہو اس میں حکمت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں آپ کا کچھ مسائل کو جان لینا غرور وتکبر اور دوسروں کے لیے سختی کا باعث نہیں بن جانا چاہیے۔

مسجد نبوی کی چھت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کھجور کے تنوں کی تھی اور بالکل نیچی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق نے اپنے دورِ خلافت میں اس میں توسیع کی لیکن چھت اسی طرح رکھی۔ اس کے بعد حضرت عمر نے مسجد میں مزید توسیع کی اور چھت کی حالت میں کوئی فرق نہ آیا، حضرت عثمان نے اپنے دورِ خلافت میں مسجد نبوی کو بالکل شہید کر کے نئے سرے سے تعمیر کروایا چھت بلند کی اور ساگوان کی لکڑی منگوا کر اس کی چھت ڈلوائی۔ اعتراض کرنے والوں کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جیسی مسجد کوئی بنائے گا آخرت میں اس کو اسی طرح کا مکان ملے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ مجھے رہائش کی بہتر جگہ عطا کرے۔

یہاں یہ امر خاص طور پر ذہن نشین کرنا چاہیے کہ مسجدوں کی صفائی کا کام صرف ملازموں کا ذمہ ہی نہیں ہے اس کام کو گھٹیا کام سمجھ کر نظر انداز کرنا درست نہیں ہے مسجدوں کی صفائی کرنا بہت نیکی اور درجہ کا کام ہے اس معاملہ میں غرور اور تکبر کو راہ نہیں دینی چاہیے اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیجیے کہ خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کو مسجد حرام کی صفائی کا حکم دیا۔ سورۃ بقرہ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَعَهِدْنَآ إِلَىٰٓ إِبْرَٰهِـۧمَ وَإِسْمَٰعِيلَ أَن طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِينَ الخ

سورۂ حج میں اس طرح فرمایا ہے:

طَهِّرْ بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِينَ وَالْعَٰكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ

جب حضرت ابراہیم جیسے باپ اور حضرت اسماعیل جیسے بیٹے کو اللہ تعالیٰ نے مسجد کی صفائی پر حکماً لگایا تو دوسرا کون ہے جو اس کام کو کمتر درجہ دے کر اپنے آپ کو اس سے الگ رکھے یہ بات درست ہے کہ ملازم بھی آپ لوگوں نے رکھے ہوئے ہیں اور ان کا معاوضہ بھی آپ لوگ

ہی ادا کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود موقعہ نکال کر کبھی کبھار اس کام کو کرنا چاہیے یہ تمام کام ایسے وسائل ہیں جو کہ ذکر میں معاون ہیں اگر مسجد میں گندگی ہوگی اور بدبو آرہی ہوگی تو ذکر میں رکاوٹ پیدا ہوگی۔

يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ

تسبیح کرتے ہیں اس میں صبح و شام ——— کون تسبیح کرتے ہیں؟ رِجَالٌ" آدمی، لوگ، کون لوگ؟ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ" جن کو نہیں غافل کرتی تجارت اور لین دین۔

تجارت سے مراد یہ ہے کہ وہ لوگ ایک جگہ سے مال خرید کر دوسری جگہ لے جاکر فروخت کرتے ہیں اور بیع سے مراد اسی جگہ کی مقامی خرید و فروخت ہے۔

خدا کے بندے

یہ لوگ جو کہ صبح و شام تسبیح میں مشغول ہوتے ہیں یہ بے کار لوگ نہیں ہیں بلکہ کاروباری لوگ ہیں تجارت پیشہ اور دکاندار ہیں مسجدوں کی رونق انہی کے دم قدم سے ہے یہ ایسے نہیں ہیں کہ انکی تجارت اور لین دین ان کو نماز، ذکر الہٰی اور ادائے زکوٰۃ سے غافل کر دے یا روک دے۔

کاروبار کی وجہ سے وہ غفلت میں نہیں پڑ گئے اور نہ ہی کاروبار ان پر سوار ہو گیا ہے یہاں یہ امر غور کے قابل ہے کہ خدا تعالیٰ نے کاروبار اور تجارت کی مذمت نہیں کی بلکہ کہا کہ یہ لوگ (تجار) ہی دراصل مساجد کی رونق ہیں تجارت پیشہ حضرات ذہن نشین کر لیں کہ وقت پر نماز پڑھنا ہی غافل نہ ہونا ہے۔ نمازوں کو اوّل وقت ادا کرنا چاہیے۔ آخری وقت میں عادتاً اور جان بوجھ کر نماز پڑھنا درست نہیں ہے دیر سے نماز پڑھنا منافقین کا شیوہ ہے اس لیے آخری وقت میں پڑھی جانے والی نماز کو صلوٰۃ المنافقین کہا گیا ہے۔

کاروباری لوگ عصر کی نماز عام طور پر دیر سے پڑھتے ہیں حالانکہ اس کے لیے خاص تاکید ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جس کی عصر کی نماز فوت ہو گئی گویا کہ" وتر اھلہ ومالہ" مال اور اولاد ہلاک ہو گئی۔ جو لوگ عمداً زیادہ دیر سے نمازیں ادا کرتے ہیں وہ عملی طور پر نفاق میں مبتلا ہیں جمعہ کی نماز کے متعلق حکم دیا کہ اِذَا نُوْدِیَ .... جب اذان جمعہ ہو جائے کام

بند کرو جمعہ کی اذان کے بعد جو کاروبار ہو وہ حلال نہیں ہے گناہ ہے۔

نور سے فائدہ اٹھانے والے وہ لوگ ہیں جن کو کاروبار نے اس طرح غافل نہیں کر دیا کہ وہ نماز، ذکر، زکوٰۃ کو فراموش کر چکے ہیں اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا ہے:

يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ

وہ اس دن سے ڈرتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں الٹ جاویں گی یعنی آخرت کی جواب دہی کا ان کو ہر آن خیال ہے نماز، ذکر اور ادائے زکوٰۃ وہ صرف خدا کے ڈر سے کرتے ہیں دکھانے کے لیے نہیں۔

ایسے اذکار جن میں خشیت پیدا نہیں ہوتی وہ اس ضمن میں نہیں آتے وہ اذکار جن سے محض نمائش مراد ہو یوم تتقلب ..... کی عین ضد ہیں۔ بلند آواز سے کسی ذکر میں خشیت پیدا نہیں ہوتی اس لیے ایسے درود جو کہ بلند آواز سے پڑھے جاویں وہ بھی اس ضمن میں نہیں آتے وہ تو محض نمود اور نمائش کے لیے ہوتے ہیں امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ:

بلند آواز میں آذان کے سوا کوئی عبادت نہیں ہے درود، نماز، تلاوت، ذکر وغیرہ کی آواز اس قدر ہونی چاہیے کہ وہ مسجد کے اندر ہی رہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت کے اظہار کے اور بہت سے طریقے ہیں مروجہ درود وسلام جو کہ آج کل بلند آواز سے جاری ہیں اس کے عین ضد ہیں۔

یخافون یوما ...... یہ کام وہ اس وجہ سے کرتے ہیں کہ انہیں خدا کا ڈر ہے اور قیامت کی جواب دہی کی فکر۔ وہ قیامت جس میں بہت سے دل اور بہت سی آنکھیں الٹ جاویں گی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ جمعہ ———— مرتب: چودھری عبدالواحد صاحب

اسلام ایک ضابطۂ حیات ہے

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ

(سورۃ نور آیت ۵۶)

اور قائم رکھو نماز اور دو زکوٰۃ اور اطاعت کرو رسول کی تاکہ تم پر رحم کیا جاوے۔

اس سے قبل آیت استخلاف کی وضاحت تین چار خطبوں میں ہو چکی ہے حکومت واقتدار بطور نعمت ملنے کا ذکر ہو چکا ہے[1]۔

مکمل نظام اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے غربت اور مسکنت میں بھی اتباع کے لیے احکام دیئے ہیں یعنی جس وقت اسلام برسر اقتدار نہ ہو۔ اس وقت ان احکام کی پیروی ضروری ہے اس کے علاوہ کچھ احکام ایسے ہیں جو صرف ایک حکومت کے قائم ہونے کی ہی صورت میں جاری ہو سکتے ہیں اسلام کا اپنا پورا اور مکمل پروگرام ہے جو مسلمان کی زندگی کے ہر شعبہ میں اس کی راہنمائی کرتا ہے بعض احکام کا تعلق صرف حکومت سے ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی اور مدنی زندگی سے ان دو حالتوں کے فرق اور اس کے اثرات کا اچھی طرح سے اندازہ ہوتا ہے مکہ کے اندر اسلام با اختیار نہ تھا۔

---

[1] آیۃ استخلاف کی تشریح پر مشتمل یہ خطبات قلم بند نہیں ہو سکے۔ قرآن مجید ہی سے واقیموا الصلوٰۃ الخ والی آیت سے پہلی آیت اور اس کا ترجمہ پڑھ لیا جائے تاکہ دونوں آیتوں کا ربط جو مولانا مرحوم نے بیان فرمایا ہے پوری طرح سمجھ آسکے جب تک دونوں آیتیں سامنے نہ ہوں اس ربط کا مکمل لطف حاصل نہیں ہو سکتا۔

عبدالسلام

دس سال کی تبلیغ سے کل ۸۲ مسلمان ہوئے تھے۔ مدینہ میں اللہ تعالیٰ نے حکومت واقتدار کی نعمت عطا کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت تک ۱۳ سال میں مسلمانوں کی تعداد سوا لاکھ کے قریب ہو چکی تھی۔ حکومت اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ جب حکومت آئے گی تو حاکم دونوں طرح کے ہو سکتے ہیں اچھے بھی اور برے بھی۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور حجاج بن یوسف بھی۔ حکومت ملنے کے بعد سرکشی ہو سکتی ہے اقتدار ہاتھ میں آنے پر اس کا غلط استعمال بھی ہو سکتا ہے اوپر کی آیت میں وہ ہدایات دی ہیں جو اس غلط استعمال کے راستہ میں رکاوٹ ثابت ہوں گی۔

اچھی حکومت

جو حاکم اور حکومت ان ہدایات پر عمل کرے گی سرکشی سے بچی رہے گی۔ ان ہدایات پر عمل کے بغیر ممکن نہیں ہے کہ اقتدار وحکومت کا صحیح استعمال ہو وہ ہدایات حسب ذیل ہیں ان کی طرف ایک اشارہ تو پچھلی آیت (استخلاف) میں ہی کر دیا ہے۔

يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا .... وَأَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ
وَآتُوا الزَّكٰوةَ وَأَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ......

۱۔ عبادت کرنا اور شرک سے بچنا

۲۔ اقامت صلوٰۃ

۳۔ ادائے زکوٰۃ

۴۔ اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

(۱) اقتدار وحکومت ملنے پر اللہ کی عبادت کرنی چاہیے۔

اور اس کی مخلوق میں سے کسی کو اس کا شریک وساتھی نہ بنانا چاہیے۔ قوت آنے پر مخلوق کے دروازہ پر گرنا بہت غلط ہے جب قوت اور اقتدار خدا نے دیا تو کسی دوسرے کے سامنے جھکنے کا کیا مطلب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد یہ دعا دہرایا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ

"یعنی اے اللہ جس کو تو دے اس کو کوئی روکنے والا نہیں ہے اور جس سے تو روک لے اسے کوئی دینے والا نہیں ہے ـــــــ یہ توحید کی اساس ہے۔"

قبولیت دعا حکمران، علماء، صلحاء، اولیاء، انبیاء سب کی دعا وہی قبول کرتا ہے سب کو خیر وہیں سے ملتی ہے ـــــ اور اگر قبول نہ کرے تو بڑے بڑے پیغمبروں کی دعا بھی قبول نہیں ہوتی وَاغْفِرْ لِاَبِیْ..... حضرت ابراہیمؑ نے اپنے والد کے لیے مغفرت کی دعا کی لیکن رد کر دی گئی۔ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ۔ حضرت ابراہیمؑ پیچھے ہٹ گئے اور دعا واپس ہو گئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں محشر میں لوگ مختلف انبیاء کی خدمت میں حاضر ہوں گے تمام انبیاء کی معذرت کے بعد میرے پاس آئیں گے میں خدا کے حضور سجدے میں گر جاؤں گا بارگاہ سے حکم ہو گا۔ اِرْفَعْ رَأْسَكَ اس کے بعد میں لوگوں کے لیے شفاعت کروں گا غور کا مقام ہے کہ مدینہ کی سفارش کا دروازہ بھی اس وقت کھلا جب آسمان کا دروازہ کھلا معلوم ہوا کہ عبادت کے لائق وہی ذات ہے دعا اسی سے مانگنی چاہیے يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا حکومت اسباب کا مجموعہ ہے۔

اور جس حاکم کے تصرف میں یہ آ جائے وہ مخلوق کے دروازہ پر گرے یہ تو اور بھی سنگین ہے ایک صاحب اختیار حاکم اور رعایا سے سوال ـ یا للعجب

۲ ـ اقامت نماز حاکم، بادشاہ کسی طرح سے بھی با اختیار ہونے پر نماز صرف پڑھے ہی نہیں بلکہ قائم کرے۔ اسلام کا تابع بھی ہو اور بے نماز بھی ہو یہ ناممکن ہے۔ حضرت عمرؓ عمال حکومت کی تقرری اور عام ملازمین کے تقرر کے معاملہ میں نماز کا خاص خیال رکھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے جو آدمی خدا کے حق (نماز) کی پروا نہیں کرتا وہ تمہارے حق کی حفاظت اور پروا کیسے کرے گا حاکم کے لیے نماز بے حد ضروری ہے با اختیار ہونے پر خدا کے حضور زیادہ سے زیادہ عجز کا اظہار اشد ضروری ہے۔ نماز کی ادائیگی اور اقامت میں فرق ہے اس کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے ایک شخص آتا ہے بے ڈھنگا وضو کرتا ہے جلدی جلدی رکوع سجود کرتا ہے اور نماز پوری کر کے اپنی راہ لیتا ہے ایسے نمازی کو رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ثم صلِّ فَاِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ نماز ادا کر تو نے نماز ادا نہیں کی۔ اس نے تین مرتبہ اسی طرح ادا کی اور ہر دفعہ بارگاہ رسالت سے یہی سنا پھر آپ نے اس کو نماز کا طریقہ بتایا کہ وضو کر اور اچھی طرح سے وضو کر اور قیام کر ایسا قیام جیسا کہ ایک غلام بادشاہ کے سامنے کرتا ہے۔ یا ایک محکوم حاکم کے سامنے پھر پورے خشوع اور اطمینان کے ساتھ رکوع سجود کر۔ پوری شرائط کو پیش نظر رکھنا۔ فرائض سنن، واجبات و مستحبات کا خاص خیال رکھنا، جگہ اور لباس کا پاک ہونا، نماز کے اول وقت سے غافل نہ ہونا یہ سب باتیں اقامت صلوۃ میں داخل ہیں۔

نماز اول وقت پڑھنی چاہیے افضل نماز اول وقت کی ہے الصلوۃ لاول وقتھا جنگ، نیند، اور سخت خطرہ کے علاوہ کوئی عذر نماز کی تاخیر کی وجہ نہ بننا چاہیے اس کے علاوہ کوئی عذر قابل قبول نہیں ہے تجارت میں زیادہ گاہکوں کی وجہ، شادی کی ہما ہمی دوستوں کی آمد کی وجہ سے نماز دل میں تاخیر کرنا بے حد غلط ہے۔

(۳) ادائیگی زکوۃ

یہاں زکوٰۃ کی ادائیگی سے مراد اس مال کی زکوٰۃ مراد ہے جو کسی حاکم کا ذاتی مال ہے۔ کوئی حاکم مسلمانوں کے خزانہ (بیت المال) میں ذاتی تصرف کا حق نہیں رکھتا۔ یہاں بیت المال کی زکوٰۃ مراد نہیں خود صاحب اقتدار کے ذاتی مال کی زکوٰۃ ادا کرنے کی تلقین کی جا رہی ہے۔ بلکہ حکم ہے۔

(۴) اطاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

جو مسلمان برسر اقتدار آئے اس کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت لازمی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت وہ صرف اپنی ذاتی زندگی میں ہی بجا نہ لاوے بلکہ حکومت کے تمام شعبوں میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات سامنے رہیں۔ اقتدار آنے پر ذمہ داریاں اور بھی بڑھ جاتی ہیں ملک میں قحط ہو اور حاکم غافل ہو یا ملک میں بدامنی ہو اور حاکم بے فکر رات کو سوتا رہے۔ ایسا کرنا ایک مومن کے لیے ممکن نہیں ہے ایسے وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے ہدایات ملتی ہیں جن پر ان کو عمل کرنا چاہیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی میں ۸۲ جنگیں لڑی ہیں جن

میں ۱۵، ۱۶، زیادہ اہم ہیں ان میں سے بعض میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف لے گئے اور بعض صحابہ کی کمان میں لڑی گئیں لیکن سب جنگوں کی آپ نے نگرانی فرمائی۔ حاکم و بادشاہ کے وقار کا سوال کوئی معنی نہیں رکھتا، اس کے برعکس ہر وقت یہ دیکھنا چاہیے کہ لوگوں کا معیار زندگی بلند ہو، عوام کو زندگی کی سہولتیں مہیا ہوں خدا پرست حاکموں کو بشارت دی گئی ہے کہ وہ ملائکہ مقربین کے ساتھ ہوں گے خدا کے ہاں مطیعِ رسول حاکم کا مرتبہ اس سے ظاہر ہے اسلام کو صرف بوقت ضرورت قبول کرنا بے حد بری بات ہے اسلام پر ہر حالت میں عمل پیرا ہونا چاہیے سیاسی پارٹیاں جب ضرورت پڑے اسلام کا نام لے لیتی ہیں اپنے مقاصد کے حصول کے لیے اسلام کو استعمال کر لیا جاتا ہے بعض حکومتوں کا بھی یہی حال ہے کہ کبھی کبھی اسلام پر عمل کچھ سودمند نہیں ہے پورے اخلاص کے ساتھ ہمیشہ اسلام پر عمل کرنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اختیار کرنے سے ہی تمام مشکلات حل ہو سکتی ہیں

یہ اطاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھی کہ بنو ہاشم، بنو امیہ اور دوسرے قریش نے بنو تیم کے حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی ورنہ ان اہم اور بڑے قبائل کے لیے بنو تیم جیسے چھوٹے قبیلہ کے ایک فرد کی سربراہی قبول کرنا ممکن نہ تھا چنانچہ حضرت ابوبکرؓ کے والد ابو قحافہ نے کہا تھا کہ بنو ہاشم اور بنو امیہ، بنو تیم کی سربراہی کیسے قبول کریں گے یہ ناممکن ہے

اطاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے۔ غیر منقسم ہند میں مغل آئے اور اس کے بعد انگریز آئے آخری دور میں اسلام آ گے آیا اور اس کی تخصیص سے ایک ملک بن گیا۔ لیکن ۳۰ سال گزرنے کے باوجود اسلام کے لیے تا حال تشنگی موجود ہے یہاں اطاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضرورت ہے خدا تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنی اطاعت اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی توفیق عطا کرے اور دنیا کے تمام مسلمانوں کو رحمت اور اطمینان سے نوازے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ جمعہ ——— مرتب: چودھری عبدالواحد صاحب

معاشرتی احکام

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيَسْتَأْذِنكُمُ الَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ وَالَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنكُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ۚ مِّن قَبْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَحِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُم مِّنَ الظَّهِيرَةِ وَمِن بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ ۚ ثَلَاثُ عَوْرَاتٍ لَّكُمْ ۚ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ ۚ طَوَّافُونَ عَلَيْكُم بَعْضُكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۚ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ سورۃ نور آیت ۵۸

اے ایمان والو! اجازت لے کر آئیں تم سے جو تمہارے ہاتھ کے مال ہیں اور جو کہ نہیں پہنچے تم میں عقل کی حد کو تین بار فجر کی نماز سے پہلے اور جب اتار رکھتے ہو اپنے کپڑے دوپہر میں اور عشاء کی نماز سے پیچھے یہ تین وقت بدن کھلنے کے ہیں تمہارے کچھ تنگی نہیں تم پر اور نہ ان پر۔ ان وقتوں کے پیچھے پھرا ہی کرتے ہو ایک دوسرے کے پاس یوں کھولتا ہے اللہ تمہارے آگے باتیں اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔

سورۂ نور کے شروع میں زنا و بدکاری کی مذمت، اس کی سزا، بہتان تراشی کی مذمت اور اس کی سزا کا ذکر ہوا تھا، معاشرہ کو پاک رکھنے کے لیے پردہ کے احکام دیئے ہیں عام معاشرت کے لیے اصول بتائے ہیں رہنے سہنے کے ڈھنگ سمجھائے ہیں جن سے برائیوں کو رد کیا جا سکتا ہے اول ایسے احکام دیئے ہیں کہ برائیاں پیدا ہی نہ ہوں اور اگر ایسا ہو جائے تو اس کا علاج تجویز کر دیا ہے ——— ان احکام کے دوران خدا کی وحدانیت کا ذکر کیا ہے یعبدوننی لا یشرکون بی شیئاً درحقیقت معاشرہ کی درستگی اخلاق کی پاکیزگی احکام

پر عمل اور مختلف سزاؤں کا اجرا، سب کا مدار ذات حق کی توحید پر ہے اور اس میں شرک کی آمیزش ہر چیز میں بگاڑ پیدا کر دیتی ہے یہ ایک ایسی غلطی ہے جو عبادات، اخلاق اور عمل کو برباد کر دیتی ہے اس لیے ان احکام کے ضمن میں توحید کا ذکر خاص طور پر کیا ہے یہاں آخرت میں اجر و ثواب کے ساتھ ساتھ۔ یہاں بھی تمکن و خلافت کی بشارت دی ہے بعض حالات میں مجبوریاں ہوتی ہیں اور علاج ہمارے بس میں نہیں ہوتا ایسے حالات میں مجبوری امر کے طور نظر انداز کیا جاتا ہے اور امید ہے خدا تعالیٰ بھی معاف کرے گا۔ بعض دفعہ غربت کی وجہ سے شریعت کے بعض احکام پر عمل نہیں ہو سکتا یا بعض حدود پوری نہیں ہوتیں یہ قابل معافی ہے۔

تین ادوار

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل ایک معاشرہ تھا جس کو ہم جاہلی دور کہتے ہیں اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد کا دور ہے اور ایک دور یہ ہمارا ہے اس طرح ہم ان کو تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ جاہلیت کے دور میں عریانی، فحاشی، ننگا پن، بے حجاب پھرنا اور اختلاط مرد و زن عام تھا اور اس کو ناپسند نہیں کیا جاتا تھا، آزاد عورتیں تک عام باہر پھرتی تھیں "تبرج الجاھلیة" عام تھا زنا اور بے حیائی عام تھی۔ اخلاقی قدریں مختلف تھیں۔

۲۔ جب سورۂ نور، احزاب اور نساء نازل ہوئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی اخلاقی تربیت کی تو حالات بدل گئے، طریقۂ زندگی بالکل بدل گیا، زندگی کی ضرورتوں کا ذمہ دار اور کفیل مرد کو بنایا، گھر کی چار دیواری کے اندر عورت کو ذمہ دار قرار دیا گیا۔ گھر کی درستگی، بچوں کی دیکھ بھال اور تربیت اور کھانا وغیرہ پکانے سب معاملوں میں عورت کو بالادستی عطا کی۔

عورتوں کو پابند کیا کہ واجب ضرورت کے بغیر گھر سے باہر نہ نکلیں، برادری کے عام گھروں میں بھی بے حجاب پھرنا بند کرایا۔ صرف محرم رشتہ داروں کے سامنے حجاب کے بغیر جانے کی اجازت دی ہے اجنبی لوگوں اور دور کے رشتہ داروں سے پورا پردہ کرنے کی ہدایت کی اور صرف خاص ضرورت کی گفتگو کی اجازت دی اور اس کا بھی ایک انداز مقرر

کیا۔ ازواج مطہرات کے پاس لوگ آتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سوال کیا کرتے تھے آپ پردہ کے پیچھے سے جواب دیا کرتی تھیں جو کہ سیدھا اور مختصر ہوتا تھا غیر مردوں سے بے تکلفی کا تصور بھی ممکن نہ تھا، اسلام نے طے کیا کہ زندگی کی ضروریات کے لیے عورت مرد پر انحصار کرے۔ عورت کا نان نفقہ مرد کے ذمہ قرار دیا عورت پردہ کی حدود کے اندر رہ کر کام کر سکتی ہے لیکن اصل ذمہ داری مرد پر ہے، یہ نظام صدیوں تک چلتا رہا اس کی برکات ظہور میں آتی رہیں مرد اور عورت دونوں کو اس کی وجہ سے عزت حاصل ہوئی۔

(۳) ایک اور انگریزی دور آیا جس نے ہماری یہ اخلاقی قدریں بدل کر رکھ دیں، ہمارے عائلی اور اخلاقی نظام کی جڑوں کو ہلا کر کھوکھلا کر دیا، بے حجابی کا شوق عورتوں میں بری طرح ابھر آیا اور مردوں نے بھی اس معاملہ میں ان کی پوری طرح ہمت افزائی کی۔ تبرج جاہلیت پھر سے شروع ہو گیا۔ عورتوں کا ایک طبقہ زینت کو بازار میں لٹانے پر تل گیا ہے۔ عزت اور عصمت کے معیار ختم ہو رہے ہیں۔ اس صورت حال کے اثرات اس قدر وسیع ہو چکے ہیں کہ پردہ دار گھرانوں میں بھی صورت حال وہ نہیں رہی ہے پورے حدود پر عمل جاری نہیں رہا۔ بعض دفعہ تو مجبوری ہوتی ہے لیکن عام طور پر آوارگی ہے۔ عورتوں کا ایک طبقہ دین سے برگشتہ ہو چکا ہے اور روز بروز یہ طبقہ بڑھ رہا ہے عورت نے زندگی کی ضرورتوں کی کفالت اپنے ذمہ لینی شروع کر دی ہے اگرچہ یہ محدود پیمانہ پر ہے لیکن روز بروز اس صورت کی توسیع ہو رہی ہے یہ کفالت ان کے لیے مزید بوجھ ثابت ہو رہی ہے پرانا جاہلی نظام اگرچہ ختم ہو چکا ہے لیکن یہ ہمارا آج کا نظام بھی جاہلیت کا نظام ہی ہے۔ اسلام نے عورتوں کو پردہ کی حدود کے اندر رہ کر کام کرنے کی اجازت دی ہے۔

حدود کار

بعض ازواج مطہرات تو امیر گھرانوں سے تعلق رکھتی تھیں مثلاً حضرت عائشہؓ اور حفصہؓ ان کی ضروریات ان کے والدین پوری کرتے تھے اور بعض خود کام کرتی تھیں حضرت زینبؓ چمڑہ رنگتی تھیں حضرت صفیہؓ سلائی کا کام کرتی تھیں کام کرنا جرم نہیں ہے۔ لیکن دفتروں میں بے حجابانہ کام، کلبوں میں داخلہ، عام مردوں سے بے تکلفی

اور اختلاط مرد و زن غلط ہے اور اس کے نتائج بے حد تلخ ثابت ہو رہے ہیں بالائی طبقے زندگی کے تقاضوں کے نام پر ان برائیوں کو لا رہے ہیں یہ اور بھی برا ہے اس سے تو بہتر یہ تھا کہ ہمارے یہ رہبران اسلام سے انکار کر دیتے اور کھلی طرح جس دین کو درست خیال کرتے اس پر عمل پیرا ہو جاتے لیکن خود بدلنے کی بجائے ہر لباس کو کھینچ تان کر اسلام پر فٹ کیا جا رہا ہے۔ اسلام میں پردہ کی کس قدر تاکید ہے اس کا اندازہ اوپر کی آیات سے کیجئے کہاں ہمارے حالات اور کہاں یہ اسلامی تعلیمات ـــــ حکم دیا ہے۔

لِيَسْتَأْذِنكُمُ الَّذِينَ ـــــ جن لوگوں سے پردہ کا حکم ہے اس کا ذکر اسی سورۂ نور میں تفصیل سے گذر چکا ہے یہاں یہ بتایا جا رہا ہے کہ جن سے پردہ نہیں ہے وہ بھی تین اوقات میں بغیر اجازت تمہارے پاس نہ آدیں ان کے ساتھ ہی بچوں کو منع کیا ہے کہ وہ بھی ان اوقات میں بلا اجازت داخل نہ ہوں۔

ثَلَاثَ مَرَّاتٍ .... یہ تین اوقات حسب ذیل ہیں

۱۔ مِن قَبْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ۔ صبح سویرے انسان نیند کی وجہ سے غفلت میں ہوتا ہے ننگا بھی ہو سکتا ہے۔

۲۔ وَحِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُم مِّنَ الظَّهِيرَةِ .... دوپہر کے وقت قیلولہ کے وقت۔ گرمی کے دنوں میں عام طور پر کپڑوں کی احتیاط اس وقت میں نہیں ہوتی اس لیے نابالغ بچے بھی اجازت سے آویں۔

۳۔ مِن بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ۔ عشاء کے بعد بھی اجازت سے داخل ہونا چاہیے۔

ان تین اوقات میں غلام، خادم اور بچوں پر استیذان (اجازت) کی پابندی عائد کر دی ہے۔ جیسے کہ دوسرے عام لوگوں کے لیے گھروں میں داخل ہونے سے قبل اجازت کی پابندی ہے اسلام چاہتا ہے کہ برائی کا راستہ بند ہو جائے برائی اس کے بعد بھی آسکتی ہے پردہ دار عورتیں بھی بدکار ہو سکتی ہیں لیکن یہ تمام پابندیاں ان امکانات کو کم سے کم کرنے کے لیے ہیں۔

اب غور کیجئے کجا یہ کہ غلام اور بچوں کو اجازت سے داخل ہونے کا حکم ہے اور کجا یہ کہ

ہمارے معاشرہ میں عورتیں گھروں میں بے روک ٹوک پھرتی ہیں اور بے حجابانہ بازاروں میں مٹرگشت کرتی ہیں۔

بعض علماء نے یہاں مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ میں مرد غلام کی تخصیص کی ہے لیکن یہ درست نہیں ہے عورتوں کے لیے ضروری ہے کہ ان اوقات میں بغیر اجازت داخل نہ ہوں جو خرابی مرد کے داخلہ میں ہے وہی عورت کے بلا اجازت داخلہ میں بھی ہے۔

سعید بن مسیبؒ نے کہا ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے وجہ یہ بیان کی ہے کہ پہلے مکانوں میں دروازے نہیں تھے اور نہ چار دیواریاں تھیں ٹاٹ وغیرہ سے پردے بنائے جاتے تھے لیکن جب مکان بن گئے اور دروازے لگ گئے تو آیت منسوخ ہے اب ضروری نہیں کہ اجازت طلب کی جاوے۔ لیکن یہ نسخ کے لیے کوئی دلیل نہیں ہے۔ تمام علماء کا اب بھی یہ خیال ہے کہ اجازت ضروری ہے نوکر اور بچے اجازت لے کر ان اوقات میں اندر آئیں باقی اوقات میں آسکتے ہیں اور باقی اوقات میں اہل خانہ کو ایسی قابل اعتراض حالت میں نہیں ہونا چاہیے ایسے وقت میں وہ آدیں تو آپ کا ڈانٹنا درست نہیں بلکہ ایسی حالت میں ہونا ہی حماقت ہے۔

ان ہدایات کے مقابلہ میں آج کل کے بے حجابانہ تبرج اور کلبوں کے نظام اور آزادانہ پھرنے پر غور کیجئے کہ ہم کس قسم کے اسلام پر عمل پیرا ہیں ہم کدھر جا رہے ہیں اور خود شارع علیہ السلام نے ہمارے لیے کیا راہ مقرر کی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ جمعہ ——————— مرتب: چودھری عبدالواحد صاحب

اسلام کا نظام عفت و عصمت

وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍ بِزِيْنَةٍ وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○ سورۃ نور آیت ۵۹ تا ۶۰

اور جب پہنچیں لڑکے تم میں کے عقل کی حد کو تو ان کو ویسی ہی اجازت لینی چاہیے جیسے لیتے رہے ہیں ان سے اگلے۔ یوں کھول کر سناتا ہے تم کو اللہ اپنی باتیں اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔ اور جو بیٹھ رہی ہیں گھروں میں تمہاری عورتوں میں سے جن کو توقع نہیں رہی نکاح کی ان پر گناہ نہیں کہ اتار رکھیں اپنے کپڑے یہ نہیں کہ دکھاتی پھریں اپنا سنگار اور اس سے بھی بچیں تو بہتر ہے ان کے لیے اور اللہ سب باتیں سنتا جانتا ہے۔

سورۃ نور میں ضمنی طور پر بے شمار مسائل کا ذکر ہے لیکن سورۃ کے اول، آخر اور درمیان میں خاص طور پر ان مسائل کا ذکر کیا گیا ہے جو ایک صالح معاشرے کی تشکیل کے لیے ضروری ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایک خاص پیرائے میں اسلامی نظام زندگی کے مکمل ڈھانچے کا ذکر فرمادیا ہے ایک فرد کا دوسرے فرد سے تعلق و معاملہ، ایک کنبہ و قبیلہ کا دوسرے کنبہ و قبیلہ سے اختلاط اور میل ملاپ اور مختلف قوموں کا آپس میں کس طرح تعلق ہونا چاہیے ان تینوں صورتوں کے متعلق واضح طور پر رہنمائی کی ہے۔ غلام، خادم، بچے، جوان، بوڑھے، مرد اور عورت سب معاشرے کے جزو ہیں ان کے آپس میں تعلقات کی کیا نوعیت ہو اس کا ذکر بھی تفصیل سے

سے اس سورۃ میں کر دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے افراد سے کنبہ اور کنبے سے اقوام تک کے تعلقات کے بارے میں تمام ہدایات دی ہیں۔ اور دس سال کی قلیل مدت میں ایک مکمل اسلامی معاشرہ انہی خطوط پر تشکیل دے کر دنیا پر اس کی حقانیت کو پوری طرح واضح کر دیا۔

تربیت اطفال

وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ ------- یہ آیت سورۂ نور کے آخری حصہ کی آیت ہے۔ اس سے قبل جو آیت ہے اس میں بچوں اور غلاموں کے لیے تین اوقات میں گھروں میں اجازت سے داخل ہونے کا ذکر ہے اس آیت میں یہ ذکر کیا ہے کہ جب یہ بچے جن کو کہ ان تین اوقات کے علاوہ دوسرے اوقات میں گھروں میں آنے پر کوئی پابندی نہیں ہے جوان ہو جائیں تو یہ اجازت کے بغیر کسی وقت بھی گھروں میں داخل نہ ہوں۔ بلوغت سے قبل بچہ بے ضرر ہوتا ہے جنسی تعلقات سے بے خبر ہوتا ہے اس لیے بچوں کو گھروں میں بے روک ٹوک آنے کی اجازت ہے۔ بچوں کی تربیت اچھے طریقے سے کرنی چاہیے نہ تو ہر وقت مار پیٹ اور ڈانٹ ڈپٹ ہی مناسب ہے اور نہ ہی بالکل کھلا چھوڑ دینا چاہیے۔ حضرت انسؓ ۱۰ سال کی عمر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور وفات تک جب کہ ان کی عمر بیس سال ہو چکی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتے رہے۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ اس دس سال کی مدت میں " مَا ضَرَبَنِیْ وَلَا نَهَرَنِیْ " رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو کبھی مجھے مارا نہ ہی جھڑکا۔ اوسط طریقے کی تربیت فرماتے تھے۔ بہر حال یہ تو ایک ضمنی سی بات تھی بچوں کے گھروں میں آنے پر کوئی پابندی نہیں ہے غلاموں پر کھلی چھٹی ہے۔ واضح رہے کہ غلام اور خادم کا ایک حکم نہیں۔ غلام یا تو خریدا جاتا ہے یا جنگ میں حصے کے طور پر آتا ہے اس لیے جب تک اس کو فروخت نہ کیا جائے یا آزاد نہ کر دیا جائے اس کا مالک سے خدمت کا تعلق ختم نہیں ہوتا اس کے مقابلے میں ایک خادم کے ساتھ وقتی معاہدہ ہوتا ہے معاہدہ ختم ہوا تو خدمت کا تعلق بھی ختم اس لیے خادم کا حکم بھی دوسرے عام لوگوں جیسا ہے صرف بچوں اور غلاموں کو ہی بلا روک ٹوک گھروں میں آنے کی اجازت دی ہے ان پر بھی نماز فجر سے

قبل، ظہر کے وقت اور عشاء کے بعد گھروں میں داخلہ کے لیے اجازت طلب کرنے کی پابندی عائد کی ہے۔ یہ پابندی اور عام لوگوں کے لیے استیذان کی پابندی ایک صالح اور محمود معاشرے کے لیے انتہائی اہم اور ضروری امر ہے۔

پھر جب یہ بچے بالغ ہو جائیں یعنی جنسی تعلقات کا شعور ہو جائے۔ شادی اور اس کے متعلقات کو سمجھ جائیں تو ان کا حکم بھی دوسرے بالغوں کی طرح ہوگا۔ یعنی ان کا بغیر اجازت داخلہ بند ہو جائے گا۔ اب ان کے لئے بھی ضروری ہے کہ گھروں میں آنے کے لیے اجازت طلب کیا کریں۔

كَمَا اسْتَأْذَنَ الَّذِيْنَ ...... جیسا کہ تم سے پہلے دوسرے بالغ افراد اجازت لیا کرتے تھے بعض ائمہ نے اس آیت پر نسخ کا حکم لگایا ہے لیکن جیسا کہ اس سے قبل وضاحت ہو چکی ہے کہ یہ درست نہیں ہے بغیر اجازت کسی بالغ کو بھی رہائشی مکان میں داخل نہیں ہونا چاہیے بلکہ دروازوں کے سوراخوں سے تاکنا جھانکنا بھی سخت ممنوع ہے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ ہے کہ آپ نے دوشاخہ لکڑی سے جس سے آپ بدن کو کھجا رہے تھے اس طرح جھانکنے والے کو ماری تھی اور فرمایا تھا کہ اس طرح اس آدمی کا اگر کوئی نقصان ہو جاتا تو کوئی قصاص نہ دیا جاتا۔

وَالْقَوَاعِدُ ...... جو عورتیں گھریلو زندگی سے دست بردار ہو چکی ہیں "قواعد" اس کو کہتے ہیں جو کاروبار سے رہ جائے۔ اور بیٹھ جاوے۔ وہ عورتیں کہ ان کی خواہشات نفسانی مر چکی ہوں۔ مردوں کے لیے ان کو کوئی جاذبیت نہ رہی ہو۔ اولاد پیدا کرنے کی عمر ختم ہو چکی ہو۔ ایام حیض ختم ہو گئے ہوں۔

یہ عورتیں اگر گھروں میں اپنی اوپر کی چادریں اتار کر رکھ دیں تو ان پر گناہ نہیں ہے۔

تین ادوار

انسان کی زندگی کے تین مراحل ہوتے ہیں۔ بچپن، جوانی، بڑھاپا۔ ہر ایک بچہ اپنے اندر ایک خاص جاذبیت رکھتا ہے جس کا محرک کوئی جنسی جذبہ نہیں ہوتا بلکہ ایک جذبۂ رحم ہوتا ہے۔ بچہ کسی رنگ اور شکل وصورت کا ہو ہر آدمی کا اس سے تعلق خاطر ہوتا ہے اور بچے کے معاملے میں سختی سے عام طور پر ہر آدمی پرہیز کرتا ہے۔

دراصل بچپن خود دعوت رحم ہے اور ہر آدمی کا رویہ نرم ہی ہوتا ہے۔ یہ ایک فطری تقاضا ہے اسلام نے بھی اس کی پوری حوصلہ افزائی کی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بچوں سے بڑا پیار تھا۔ جب بھی نیا پھل آتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود چکھنے سے قبل بچوں کو دے دیتے تھے آپ بچوں کو مارنا جھڑکنا پسند نہیں کرتے تھے۔

عمر کا دوسرا حصہ جوانی ہے جوانی کے اندر بھی جاذبیت ہے لیکن یہ بچپن سے مختلف ہے خون کا جوش اور گرمی جاذبیت کے لیے ایک دعوت ہوتی ہے رنگ اور شکل و وضع چاہے معیاری نہ ہو پھر بھی چال ڈھال میں جاذبیت ہوتی ہے اس عمر میں جنسی تعلق کے لیے خاص جاذبیت ہوتی ہے اسی لیے ہی جوانی کی عمر کو نکاح کی عمر کہا جاتا ہے۔

حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ یعنی اس عمر میں نکاح کیا جاوے کہ دونوں فریق نکاح کی غرض و غایت کو سمجھتے ہوں۔ واضح رہے کہ بچپن کا نکاح اسلام نے حرام نہیں قرار دیا بعض واقعی ضرورتوں کی وجہ سے اس کو جائز قرار دیا ہے لیکن پسندیدہ نہیں ہے نکاح کا اصل وقت جوانی ہے لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا......... بچپن سے اس کیفیت تسکین کا کوئی تعلق نہیں ہے اس کا تعلق تو جوانی سے ہی ہے۔

خوش رنگ و خوش شکل نسلوں اور قوموں میں ہی جاذبیت نہیں ہوتی ہے بلکہ افریقہ کے سیاہ فام جوان جوڑوں کے درمیان بھی (جَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً) ہوتی ہے۔

جوانی کی عمر پر ہی زیادہ جنسی پابندیاں لگائی گئی ہیں کیونکہ برائیاں زیادہ اسی حصۂ عمر میں ہوتی ہیں۔ بچپن اس سے خالی اور بڑھاپا از کار رفتہ ہوتا ہے تمام جنسی جرائم اسی عمر میں سرزد ہوتے ہیں اس لیے جنسی، اخلاقی اور عائلی پابندیاں بھی تمام کی تمام اسی عمر پر ہیں۔ ۱۵، ۱۶ سال کی عمر سے ۴۵، ۵۰ سال کی عمر کا حصہ ایک ہنگامہ خیز دور ہوتا ہے جوانی کی جاذبیت سیاہ رنگت سے کم نہیں ہو جاتی۔ اس لیے ساری دنیا کے لیے یہ پابندیاں یکساں ہیں حبشہ تک کے لیے یہی پابندیاں ہیں ان کا بھی اپنا ایک معیار خوبصورتی ہے جو خود ان کے لیے حشر بداماں ہی ہوتا ہے۔

بلوغت اِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ عورت فطرتاً نیک ہوتی ہے مرد کے مقابلہ میں عورت میں بدی کا جذبہ کم ہوتا ہے اس لیے یہاں اطفال (مذکر) بچوں کا ذکر کیا۔ اس زمانہ میں بھی نظر کا پھیلاؤ اور ذہنی پراگندگی مردوں میں زیادہ ہے عورت اب بھی از سر تا پا حیاء ہے یہ عورت کی فطرت ہے اور یہ تمام پابندیاں اسی فطرت کو کامل کرنے کے لیے ہیں۔

بعض عمر رسیدہ بھی بدکار ہو سکتے ہیں اور ہوتے ہیں لیکن ان کا تناسب بہت کم ہوتا ہے کیونکہ زیادہ عمر کے آدمی میں شہوانی جذبات کم ہو جاتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بدکاری سب کے لیے جرم ہے جوان اور بوڑھے دونوں کے لیے۔ آپ نے مزید فرمایا کہ قیامت کے دن جن لوگوں کو سایہ رحمت نصیب نہیں ہوگا۔ ان میں بوڑھا زانی بھی شامل ہے۔ گویا بوڑھا زانی جوان سے زیادہ مجرم ہے کہ اس عمر میں زنا کے محرکات کم ہوتے ہیں اسی طرح بوڑھی عورتوں کا معاملہ ہے ان پر پردہ کی پابندیاں نہیں ہیں جو کہ مستورات کے لیے ہیں اس امر کو یہاں واضح کیا ہے وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا ...... یعنی وہ عورتیں جو بوڑھی ہو چکی ہوں حیض بند ہو چکا ہے چہرے کی جاذبیت ختم ہو گئی گھر کا انتظام اگرچہ ان کے ہی ہاتھ میں ہے لیکن اس کے پیچھے کوئی جنسی جذبہ نہیں ہے۔ بچوں کی پیدائش ختم ہو چکی ہے عمر کے اس حصہ میں پہنچ چکی ہیں جس کا ذکر حضرت زکریا علیہ السلام نے ان الفاظ میں کیا تھا۔

رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا

اے پروردگار ہڈیاں گھل گئی ہیں سر بڑھاپے سے بھڑک اٹھا ہے ...... یعنی میری خواہشات تو ختم ہو چکی ہیں اب اولاد صرف تیرے کرم سے ہی ملے گی۔

عورت کی عفت لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا یعنی جب عمر کے اس حصہ میں پہنچ جاویں تو اس وقت ان پر گھر میں پردہ کی وہ پابندیاں نہیں ہیں جو کہ جوانی کے عالم میں تھیں۔

فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ أَنْ يَضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ یہ عورتیں اگر چادریں نہ لیں تو کوئی حرج نہیں ہے یعنی یہ عورتیں يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ سے مستثنیٰ ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی ایک شرط عائد کر دی غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍ بِزِيْنَةٍ کہ وہ زینت کی نمائش کرنے والی نہ ہوں اس حصہ عمر میں بھی اگر وہ بناؤ سنگار کرتی ہیں تو ضروری ہے کہ چادر نہ اتاریں اس زینت کو نمایاں اور ظاہر نہ کریں۔

وَأَنْ يَسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ "اور اگر وہ بچیں تو ان کے لیے بہتر ہے" یعنی اگر عمر رسیدہ ہونے کے باوجود پورا پردہ کرتی رہیں اور چادر تک نہ اتاریں جس کے متعلق کہ اوپر اجازت کا ذکر گذر چکا ہے تو یہ اور بھی بہتر ہے۔ یہ دراصل عزیمت کی راہ ہے۔ کوئی خطرہ نہیں ہے لیکن اس کے باوجود ایسا کریں تو بہتر ہے۔ یہ اخلاقی پابندی ہے۔

ایسا کیوں ہے؟ اس کا مقصد یہ ہے کہ گھر ہر بچے کے لیے پہلا مدرسہ ہے اور ماں پہلا استاد۔ بچہ وہی کچھ کرے گا اور سیکھے گا جو کہ اس گھر میں ہوگا۔ اور اس کی ماں کرے گی بچوں پر ماں کی تربیت اور اس کے اخلاق کے اثرات زیادہ ہوتے ہیں۔ ہر گھر کے اندر ہی ایک کچہری ہے جیل ہے مقدمات پیش ہوتے ہیں اور سزائیں نافذ ہوتی ہیں اور ہر ماں اس کی ذمہ دار افسر ہے جب بچے اپنی ماں کو ہر طرح حیادار پائیں گے تو وہ بھی یقیناً ایسے ہی بن جاویں گے۔ لیکن جب وہ دیکھیں گے کہ بڑی بوڑھی ہی سر کھولے بیٹھی ہے تو اس کا اثر ان پر بھی ایسا ہی ہوگا۔ اور پردہ کی اہمیت ان کے ذہن میں سے ختم ہو جائے گی۔ جب ایک بیٹی دیکھے گی کہ اماں جی سر کھولے دروازے میں براجمان ہیں تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ پردہ کی حدود کا ہر طرح خیال رکھے اس لیے بہتر ہے کہ زیادہ عمر کی عورتیں بھی گھروں کے اندر بھی جوانی کی عمر کا سا پردہ کا اہتمام رکھیں۔

ان پابندیوں کے باوجود برائی ہو سکتی ہے اس کے امکان کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔ اب کوئی یہ کہے کہ پھر ان پابندیوں کا فائدہ؟ دراصل برائی اور نیکی کا معاملہ ہر آدمی کے ضمیر سے تعلق رکھتا ہے۔ مکانوں اور دکانوں کو تالے لگائے جاتے ہیں اس کے باوجود چوریاں ہو جاتی ہیں تو اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ تالے لگانے چھوڑ دیئے جائیں۔ یا ایک آدمی مکان

کا تالا لگاتا ہے تو اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ وہ اپنے پڑوسیوں پر بدگمانی کر رہا ہے اسی طرح یہ کہنا کہ اسلام کو عورتوں پر اعتبار نہیں ہے کہ اس نے ایسی پابندیاں عائد کی ہیں بالکل ایسا ہی کہ اپنی دکان کو تالا لگانے پر کوئی پڑوسی چیخ اٹھے کہ تم میرے متعلق سوء ظن کا اظہار کر رہے ہو اور یہ تالا اس کا مظہر ہے پردہ عورتوں پر بدگمانی کا مظہر نہیں ہے بلکہ یہ بعینہٖ تالے کی طرح ہے جو کہ چوروں کی حفاظت کے لیے لگایا جاتا ہے تالے اور پہرہ دار کے باوجود چوریاں ہوتی ہیں اور ہوں گی اسی طرح ان تمام پابندیوں کے باوجود بدکاری ہو سکتی ہے یہ سب حفظ ماتقدم ہے بچاؤ ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں رجم اور زنا کے واقعات ملتے ہیں۔

بادشاہوں اور ان کی اولاد کو تربیت اور اخلاقی حفاظت کے بہتر مواقع ملتے ہیں لیکن اس کے باوجود بادشاہوں میں زانی بھی ہوئے قمار باز بھی ہوئے اس صورت حال کے متعلق فرمایا:

وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ اور اللہ سب سنتا اور جانتا ہے۔ یعنی دروازوں پر پردے لگانے کے باوجود اندر برائی ہے تو اس کا علم ہے۔ نمازیں پڑھنے کے باوجود تم گناہ سے آلودہ ہو تو یہ اس کے علم سے باہر نہیں ہے وہ سنتا بھی ہے اور جانتا بھی ہے چھپی برائی اس کے لیے بالکل ظاہر ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ جمعہ ——— مرتب: چودھری عبدالواحد صاحب

کھانے کے آداب

لَیْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ؕ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ سورۃ نور آیت ۶۱

نہیں اندھے پر کچھ تکلیف اور نہ لنگڑے اور نہ بیمار پر تکلیف اور نہیں تکلیف تم لوگوں پر کہ کھاؤ اپنے گھروں سے یا اپنے باپ کے گھر سے یا اپنی ماں کے گھر سے یا اپنے بھائی کے گھر سے یا اپنی بہن کے گھر سے یا اپنے چچا کے گھر سے یا اپنی پھوپھی کے گھر سے یا جس گھر کی کنجیوں کے تم مالک ہو یا اپنے دوست کے گھر سے۔ نہیں گناہ تم پر کہ کھاؤ آپس میں مل کر یا جدا ہو کر پھر جب کبھی جانے لگو گھروں میں تو سلام کہو اپنے لوگوں پر نیک دعا اللہ کے یہاں سے برکت والی ستھری، یوں کھولتا ہے اللہ تمہارے آگے اپنی باتیں تاکہ تم سمجھ لو۔

اس سے قبل اس پورے رکوع میں رہنے سہنے کے آداب گھروں میں آمدورفت کے آداب اور پردے کے احکام کا ذکر ہو چکا ہے اس آیت میں جس مسئلے کا ذکر کیا ہے یہ بھی ان ہی احکام سے تعلق رکھتا ہے۔

اندھا، لنگڑا اور مریض ان پر کوئی پابندی نہیں یہ جس گھر میں بھی جائیں کھانا کھا سکتے ہیں یہ ایک عام اخلاقی چیز ہے اس کی اس طرح تلقین کی کیا ضرورت تھی۔ اس آیت کو پڑھنے ہی یہ الجھن ذہن میں آتی ہے۔ دراصل معاملہ یہ تھا پردے کے احکام کے نازل ہونے کے بعد مسلمان اس پر سختی سے عمل پیرا ہوئے۔ ضرورت تھی کہ معذور افراد کے متعلق وضاحت ہو ان آیات میں ان لوگوں کا ایک طرح سے حق مانا گیا ہے کہ وہ ہر گھر سے کھانا کھا سکتے ہیں۔ مدینے کی آبادی مختصر تھی۔ ہزار یا بارہ سو نفوس پر مشتمل تھی مسلمانوں پر مدینے کی حفاظت کا بوجھ تھا اگرچہ یہودیوں اور عیسائیوں کے ساتھ شہر کی حفاظت کے معاہدات موجود تھے لیکن آپ نے ان پر کبھی بوجھ نہیں ڈالا بلکہ اس بوجھ کو خود ہی اٹھایا نہ ہی اعتماد کیا کہ وہ اس قابل نہ تھے۔ جنگ کے دوران جب کہ تمام بالغ مرد جنگ کے لیے چلے جاتے تھے بعد میں گھروں کے انتظام کے لیے ضروری تھا کہ کچھ بند و بست کیا جاتا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پسند نہیں فرمایا کہ اس کام کو غیر مسلموں کے ذمہ لگایا جاوے یہودیوں اور عیسائیوں کو یہ سپردگی نہ کی بلکہ اس کام کے لیے آپ نے معذور افراد پر بھروسہ کیا اور ان لوگوں کے ذمہ جنگ کے موقع پر گھروں کی نگہداشت اور خورد و نوش کے سامان کا انتظام سپرد کیا اب ضروری تھا ان لوگوں کو گھروں میں آنے کی اجازت ہو ان آیات میں اس کا ذکر کیا۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی واضح رہے کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقوں سے نہ کھاؤ تمام مسلمان بے حد محتاط ہو گئے تھے کھانے پینے کے معاملہ میں بے حد احتیاط رکھتے تھے۔ بغیر اجازت کسی کے ہاں سے کھانے کا تو سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ اس تنگی اور سختی کو ختم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل کیں اور بتایا کہ تم ان رشتہ داروں کے ہاں سے بلا تکلف کھا سکتے ہو۔ اور یہ ضروری نہیں ہے ان گھروں میں باقاعدہ اجازت سے ہی کھا سکتے ہو اور اگر اجازت نہ ہو تو یہ چوری سمجھی جاوے۔

أَن تَأْكُلُوا مِن بُيُوتِكُمْ کے ساتھ دوسرے رشتہ داروں اور دوستوں کا ذکر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ اپنے گھر میں کھاویں یا ان رشتہ داروں کے گھروں

میں کھانا کھالیں یہ برابر ہی ہے۔

باپ، دادا، ماں، بھائی بہن چچا پھوپھی ماموں خالہ ان رشتہ داروں کے ہاں سے کھانے پر کوئی پابندی نہیں ہے اس کے ساتھ ہی او ما مَلَكْتُمْ مَفَاتِحَهُ، وہ گھر جن کو مالک آپ کے سپرد کر گئے ہیں وہاں سے بھی کھا سکتے ہیں جنگ کے دوران عام طور پر ایسا ہوتا ہے۔

اَوْ صَدِيقِكُمْ دوستوں کے ہاں سے بھی کھا سکتے ہو۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَأْكُلُوا جَمِيعًا اَوْ اَشْتَاتًا تم مل کر کھاؤ یا الگ الگ کوئی حرج نہیں ہے ایک نابینا آدمی کھانا کھاتے وقت بالکل ویسی احتیاط نہیں برت سکتا جیسی کہ آنکھوں والا۔ اسی طرح بچوں کا معاملہ ہے اور دوسرے معذور افراد کا بھی معاملہ ایسا ہی ہے کہ وہ مجبور ہیں یہ قدرتی مجبوریاں ہیں ان کو گوارا کرنا چاہیے نفرت کی بجائے ہمدردی کا جذبہ ہونا چاہیے۔ اگر کبھی اکٹھا کھانے کا موقعہ ہو تو برداشت کرنا چاہیے ہندوؤں کی طرح ضروری نہیں ہے کہ کسی کے ساتھ کھانے کو برا سمجھا جائے اور نہ ہی ان عربوں کی طرح کہ جو اگر کوئی ساتھ کھانے والا نہ ہوتا تھا تو کھانے سے ہی دست کش ہو کر فاقہ کر لیتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا الگ بھی کھایا ہے اور مل کر بھی کھایا ہے مہمانوں کے ساتھ بھی کھایا بیویوں کے ساتھ بھی اور بچوں کے ساتھ بھی۔

ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا اور دو دن سے فاقہ سے تھا کہ دودھ کا ایک پیالہ آگیا میں نے دل میں سوچا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود نوش کریں گے اور باقی مجھے دے دیں گے۔ میں خوب سیر ہو کر پی لوں گا آپ نے فرمایا کہ اصحاب صفہ کو بلا کر لاؤ ان کو بلانے کے لیے چلا تو سوچا اب بیس پچیس آدمیوں میں میرے حصہ کیا آئے گا۔ کاش میری باری پہلے آجاوے۔ جب اصحاب صفہ آگئے تو آپ نے پیالہ ان کو دینے کے لیے کہا سب نے پیا اور آخر میں میری باری آئی۔ میں نے پی کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دینا چاہا کہ آپ نے دو مرتبہ اور پینے کا حکم

دیا۔ اس کے بعد آپ نے خود نوش فرمایا حضرت زینب کے ولیمہ کے موقعہ پر آپ نے دس دس اصحاب کو اکٹھے بٹھا کر کھانا کھلایا اسی طرح - آپ نے معاشرہ کی تنگی اور وقت کو دور کیا۔ یہاں یہی فرمایا ہے کہ یہ کوئی خاص بات نہیں ہے کہ کس طرح کھاؤ۔ اکٹھے یا الگ الگ، بلکہ ضروری بات یہ ہے فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُیُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِكُمْ تَحِیَّةً۔۔ ۔۔۔ جب گھروں میں داخل ہو یہ گھر اپنا ہو یا دوسرے رشتہ داروں کا داخل ہوتے وقت السلام علیکم کہو۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ جمعہ ———— مرتب: چودھری عبدالواحد صاحب

سلام اور اس کے آداب

فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ، كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ٥

سورۃ نور آیت ۶۱

پس جب داخل ہو تم گھروں میں تو سلام کہو اپنے لوگوں پر نیک دعا اللہ کے یہاں سے برکت والی ستھری، یوں کھولتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے آگے اپنی باتیں تاکہ تم سمجھ لو"

گھروں میں آمد ورفت کی پابندیوں کا ذکر کیا ہے کہ جب کسی گھر میں داخل ہو تو سَلِّمُوا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ (اپنے عزیزوں) کو سلام کرو۔ قریبی رشتہ داروں کو سلام کرنا اپنے آپ کو سلام کرنا ہے انفسکم سے مراد اپنے لوگ ہیں۔ احباب رشتہ دار بمنزلہ ایک جان کے ہیں مکان کے اندر اگر کوئی موجود نہ ہو تو بھی اپنے اوپر سلام کہنا چاہیے۔

سلام کی حیثیت واہمیت

سلام کہنا فرض کفایہ ہے۔ فرض کفایہ کا معنی یہ ہے کہ جماعت میں سے کسی ایک نے سلام کا جواب دے دیا تو دوسروں کی طرف سے فرض ادا ہو گیا مثلاً آپ مسجد میں آتے ہیں اور وہاں دس آدمی موجود ہوتے ہیں۔ جواب میں ایک فرد سلام کا جواب دے دیتا ہے اسی طرح اگر دس بیس آدمی اکٹھے وارد ہوں تو ان میں سے چند کے سلام کر لینے سے فرض ادا ہو جائے گا۔ لیکن ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو سلام کرے تو اس پر واجب ہے کہ جواب دے اور پھر جواب بھی کس طرح دے باری تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَا اَوْ رُدُّوْهَا (نساء)

اور جب تمہیں کوئی سلام کہے تو اس سے اچھے الفاظ میں جواباً سلام کہو یا انہی الفاظ میں جواب دے دو۔

پسندیدہ یہ ہے کہ مسلمان کے سلام کے جواب میں بہتر لفظ استعمال کئے جائیں اگر اس نے السلام علیکم کہا ہو تو جواب میں وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ کہنا چاہیے یا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'۔

السلام علیکم کہنے والے کے لیے دس ورحمۃ اللہ ساتھ کہنے والے کے لیے بیس اور برکاتہ' بڑھانے والے کے لیے تیس نیکیاں نامۂ اعمال میں لکھی جاویں گی۔

غیر مسلموں کے سلام کا بھی جواب دینا چاہیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہتر الفاظ میں جواب دیا کرتے تھے جس وقت بعض لوگوں نے السام علیکم (تم پر موت ہو) کے الفاظ آپ کے متعلق استعمال کئے تو اس کے بعد آپ نے صرف وعلیکم پر اکتفاء کیا۔

تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ـــــ اللہ کی طرف سے بابرکت تحفہ ـــ السلام علیکم "تم پر سلامتی ہو" خدا تعالیٰ کی مقرر کردہ دعا ہے جو کہ بابرکت اور پاکیزہ ہے یہ اسلامی اخلاق ہے کہ جب ایک بھائی دوسرے بھائی کو ملے تو اس کے لیے سب سے پہلے دعا کرے اور وہ اس سے بھی بہتر الفاظ میں اس کے لیے دعائیہ کلمات زبان سے ادا کرے۔ السلام علیکم کہنا اپنے مسلمان ہونے کا اعلان ہوتا ہے۔ پہلی مرتبہ سلام کرنے سے دوسرے مسلمان سے تعلق قائم ہوتا ہے اس کے بعد اس تعلق کی تجدید ہوتی ہے اور بار بار سلام کرنے سے یہ تعلق محبت و الفت میں بدلتا چلا جاتا ہے۔

سلام ایک حق

سلام کا جواب دینا ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق ہے چنانچہ فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ حق المسلم علی المسلم خمس۔ رد السلام وعیادۃ المریض واتباع الجنائز واجابۃ الدعوۃ وتشمیت العاطس۔

مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق ہیں۔

۱۔ سلام کا جواب دینا

۲۔ بیمار کی مزاج پرسی کرنا

۳۔ جنازہ کے ساتھ جانا

۴۔ دعوت کو قبول کرنا

۵۔ چھینک کا جواب دینا

سلام کی فضیلت

ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اسلام میں سب سے بہتر عمل کیا ہے جواب میں آپ نے فرمایا "سلام علی من عرفت و من لم تعرف" ہر شخص کو سلام کہو خواہ تم اسے جانتے ہو یا اسے نہیں جانتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف جاننے والے کو ہی سلام نہیں کرنا چاہیے۔

ایک حدیث میں آپ نے فرمایا:

"افشوا السلام واطعموا الطعام وصلوا باللیل والناس نیام تدخلوا الجنۃ بسلام"

"سلام کو خوب پھیلاؤ۔ محتاجوں کو کھانا کھلاؤ ایک دوسرے سے صلہ رحمی کرو اور جب رات کو لوگ سوئے ہوئے ہوں تو اس وقت تم نمازیں پڑھو اس طرح تم جنت میں سلامتی سے داخل ہو جاؤ گے"

ایک حدیث میں آپ نے فرمایا ہے:

ان اولی الناس باللہ من بدأھم بالسلام

لوگوں میں اللہ کے نزدیک زیادہ مقرب وہ شخص ہے جو سلام کہنے میں پہل کرتا ہے

سلام کہنے میں کون پہل کرے

پیدل چلنے والا بیٹھنے والے آدمیوں کو سلام کہے، سوار پیدل چلنے والے کو سلام کہے۔ تھوڑے آدمی اپنے سے زیادہ لوگوں کو سلام کہیں۔ کم عمر زیادہ عمر والے کو سلام کہے۔

گھر میں

گھر میں داخل ہونے والا گھر والوں کو سلام کہنے میں پہل کرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو فرمایا تھا۔

یا بنی اذا دخلت علی اھلك فسلم یکن برکۃ علیك وعلی اھل بیتك ۔

پیارے بیٹے جب اپنے گھر میں داخل ہو تو سلام کہا کرو یہ سلام تمہارے اور تمہارے اہلِ خانہ کے لیے برکت کا باعث ہو گا ۔

چھوٹوں کو سلام کہنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کو بھی سلام کہا کرتے تھے اور اگر بچے گھر میں سلام کئے بغیر داخل ہو جاتے تو ان کو واپس ہو کر سلام کرنے کا حکم دیا کرتے تھے ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں کو بھی سلام کیا کرتے تھے ۔ سب سے پہلا مدرسہ گھر ہوتا ہے اس لیے اسلام نے چار دیواری میں مسلمان بچوں کی تربیت کے لیے خاص انتظامات کیے ہیں انہیں یہیں سے سلام کہنے کی عادت ڈلوائی ہے ۔

مجلس میں

مجلس میں جب کوئی آدمی داخل ہو تو سلام کہے اور جب وہاں سے اٹھے اور کچھ لوگ ابھی وہاں موجود ہوں تو سلام کہہ کے جاوے خاموشی سے اٹھ کر چلے جانا درست نہیں ہے ۔

قبرستان میں مردوں کو بھی سلام کہنا چاہیے جب قبرستان میں جاویں تو یہ الفاظ کہیں :-

السَّلَامُ علیکم یَا اَھْلَ الْقُبُوْرِ یَغْفِرُ اللّٰہُ لَنَا وَلَکُمْ اَنْتُمْ سَلَفُنَا وَنَحْنُ بِالْاَثَرِ وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰہُ بِکُمْ لَلَاحِقُوْنَ ۔

اے قبروں والو ! تم پر خدا کی سلامتی اور رحمت ہو تم پہلے چلے آئے اور ہم تمہارے پیچھے آنے والے ہیں اور اگر اللہ چاہے گا تو تمہیں آ ملیں گے ۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

بعض لوگ سلام سے سماعِ موتی ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں یہ کسی طرح درست نہیں کیونکہ قرآن مجید میں رب قدوس نے واضح طور پر فرما دیا ہے ۔

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى الآیۃ (تو مُردوں کو نہیں سنا سکتا)

مردوں پر سلام کہنے کا مطلب ان کے لیے دعا کرنا ہے جیسے کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے، تحیۃ من عند اللہ مبارکۃ طیبۃ سلام تو ایک دعا ہے اور غیر حاضر کے لیے دعا کرنے کا ثبوت خود قرآن پاک میں ہے۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْإِيْمَانِ (حشر)

"اے رب ہمیں بھی بخش دے اور ہمارے ان مومن بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ہو چکے"۔

حدیث میں ہے جب ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لیے اس کی عدم موجودگی میں دعا کرتا ہے تو فرشتہ آمین کہتا ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ کلمہ بھی کہتا ہے وَلَكَ بِمِثْلِهٖ تیرے لیے بھی ایسا ہی ہو سلام خیر و برکت کی دعا ہے اس کے لیے ضروری نہیں ہے کہ جس کے لیے یہ دعا کی جاوے وہ بھی اس کو ضرور سنے اور قرآن پاک میں اس کی بیسیوں مثالیں موجود ہیں چنانچہ ارشاد ہے۔

وَسَلَامٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا (مریم)

اور سلام اس پر جس روز کہ پیدا ہوا اور جس دن وہ مرا اور جس روز وہ زندہ کر کے اٹھایا جائے۔

یہاں حضرت یحییٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا ہے کہ اس پر سلام ہو حضرت یحییٰ پر ولادت کے وقت سلام کا اور موت اور زندگی بعد موت کے وقت سلام کا اکٹھا تذکرہ کیا ہے۔ اس آیت سے بھی اس مسئلہ کی وضاحت ہوتی ہے کہ جس پر سلام کہا جائے اس کا سننا ضروری نہیں بلکہ غائب کے لیے بھی سلامتی کی دعا کی جا سکتی ہے۔

سورۂ مریم میں ہی دوسری جگہ بزبان حضرت عیسیٰ علیہ السلام ارشاد ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ أَمُوْتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا۔ ولادت، موت اور اخروی زندگی کا یکجا ذکر کیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مردوں کو السلام علیکم کہنے سے ان کی زندگی اور سماع کی دلیل نہیں لی جا سکتی بعض روایات میں مردوں کے سننے کا ذکر موجود ہے لیکن یہ روایات اس قدر ضعیف ہیں کہ قابل احتجاج نہیں آپ مردوں کے لیے سلام و

دعا کریں اور بحث میں نہ پڑیں کہ وہ سنتے ہیں یا نہیں۔

السلام علیکم ایک دعائیہ فقرہ ہے اس کا خداتعالیٰ کو سنانا ضروری ہے کسی اور سنانا ضروری نہیں ہے۔

سلام کا جواب

ہر سلام کہنے والے کو سلام کا جواب دینا چاہیے جیسے سلام کہنا واجب ہے اسی طرح اس کا جواب دینا بھی ضروری ہے

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتے آئے تھے انہوں نے آپ کو سلام کہا آپ نے بھی جواب میں سلامٌ قومٌ منکرون فرمایا۔ سلام کہنے والے کے جواب میں ضروری نہیں ہے کہ پہلے ترازو لے کر اس کا ایمان تولا جائے اور بعد میں جواب دیا جائے یہ مسلمانوں کی بدقسمتی ہے کہ اب ایسے لوگ بھی پیدا ہو گئے ہیں جو کہ سلام کے جواب میں پہلے عقیدہ دریافت کرتے ہیں اب اگر عقیدہ ان کے منشار کے مطابق ہو تو ان کے سلام کا جواب دیتے ہیں ورنہ خاموشی۔ اور عقیدہ بھی کیا ؟ اسماعیل دہلوی کافر تھے یا نہیں ؟ یہ تنگ ظرفی کی انتہا ہے۔ خداتعالیٰ نے تو یہاں تک فرمایا ہے کہ اگر کوئی دارالکفر تک میں بھی سلام کہے تو اس کا جواب ضرور دینا چاہیے۔ وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا (نساء) اس آیت پر ان لوگوں کو غور کرنا چاہیے اور سوچنا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو کافروں تک کے سلام کا جواب دے دیا کرتے تھے اور ایک یہ ہیں منبرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر کھڑے ہونے والے کہ کلمہ گو مسلمانوں کے ایمان کو بھی سلام کے جواب سے پہلے ناپنا ضروری سمجھتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر میں، مجلس میں، زندہ کو، مُردہ کو، واقف اور ناواقف کو سب کو سلام کہا ہے اور سب کے سلاموں کا جواب دیا ہے۔

کھڑے ہو کر سلام کہنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی یہ پسند کرے کہ لوگ اس کے لیے کھڑے ہوں تو وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنائے گا۔ اس زمانہ میں دستور تھا کہ لوگ بڑے آدمیوں کو اٹھ کر سلام کیا کرتے اور جواب دیتے وقت بھی کھڑے ہو جایا کرتے بادشاہوں کے درباروں میں

لوگ بادشاہوں کے لیے بار بار کھڑے ہوا کرتے، ذرا جہاں پناہ نے جنبش کی اور سارے درباری اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ نے ایسا کرنے سے منع فرما دیا البتہ مہمان کو اٹھ کر ملنا جائز ہے۔

سلام کس آواز میں کہنا چاہیے

سلام کے لیے ضروری نہیں ہے کہ بہت بلند آواز سے کہی جاوے۔ برکات اس میں اللہ تعالیٰ نے ڈالنی ہیں۔ بعض دفعہ چلتے ہوئے ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو سلام کہتا ہے لیکن وہ سن نہیں پاتا تو اسی پر لوگ غصہ مناتے ہیں ناراض نہیں ہونا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد صحابہ کرام سخت رنج وغم میں تھے اکثر صحابہ کرامؓ پر بیہوشی کا سا عالم طاری تھا حضرت عثمانؓ اسی حالت میں بیٹھے تھے کہ حضرت عمرؓ وہاں سے گذرے اور آپ نے ان کو سلام کہا۔ حضرت عثمانؓ نے کوئی جواب نہ دیا۔ حضرت عمرؓ حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے اور حضرت عثمانؓ کی خاموشی کا شکوہ کیا کہ انہوں نے سلام کا جواب نہیں دیا چنانچہ فاروقؓ وصدیقؓ عثمان غنیؓ کے پاس جاتے ہیں۔ ابوبکر صدیقؓ حضرت عثمانؓ سے پوچھتے ہیں کہ عثمان! تمہارے بھائی عمرؓ نے آپ کو سلام کہا تو آپ نے جواب کیوں نہیں دیا؟ حضرت عثمان فرمانے لگے ایسا تو نہیں ہوا بلکہ مجھے تو خبر ہی نہیں عمرؓ نے مجھے سلام کیا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض دفعہ آدمی ذہنی طور پر ایسی حالت میں ہوتا ہے کہ سلام کی آواز نہیں سنتا ہے۔ اگر کبھی ایسا ہو تو اس کو ظن المؤمنین خیرا پر محمول کر کے نظر انداز کر دینا چاہیے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ جمعہ ———— مرتب: چودھری عبدالواحد صاحب

آدابِ مجلس

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔ سورۃ نور آیت ۶۲ -

مومن صرف وہی لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں اور جب وہ رسول کے ساتھ کسی ایسے کام پر ہوتے ہیں جس کے لیے لوگ اکٹھے کئے گئے ہیں تو اس وقت تک وہاں سے نہیں جاتے جب تک آپ سے اجازت نہ لیں وہ لوگ جو آپ سے (اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اجازت لے کر جاتے ہیں وہی لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھنے والے ہوتے ہیں۔ پس جب یہ (مومن) آپ سے کسی ضروری کام کی خاطر اجازت طلب کریں۔ تو آپ جسے چاہیں اجازت مرحمت فرمادیا کریں۔ اور ان کے لیے اللہ سے بخشش بھی مانگ لیا کریں بلاشبہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

سورۂ نور میں اوّل سے لے کر آخر تک معاشرہ کی اصلاح کے لیے مختلف احکام بیان کیے گئے ہیں۔ پہلے جن کا تذکرہ ہو چکا ہے وہ عموماً گھریلو زندگی سے تعلق رکھتے تھے۔ سورۃ کی ان آخری آیات میں مجلسی زندگی کے چند آداب کا ذکر کیا گیا ہے۔ چنانچہ مومن کے اوصاف بتلائے گئے ہیں کہ مومن وہ ہے۔

۱۔ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ ———— جو اللہ پر ایمان رکھتا ہو۔

۲۔ ورسولہ ـــــ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہو۔

۳۔ وَاِذَا کَانُوْا مَعَہٗ عَلٰۤی اَمْرٍ جَامِعٍ ـــــ اور اجتماعی کام کے موقع پر رسول کے ساتھ ہوں تو اجازت لیے بغیر نہ جائیں۔

تیسری چیز یعنی کسی اجتماعی کام میں شریک مسلمان صدر مجلس کی اجازت کے بغیر مجلس سے اٹھ کر نہ جاوے ۔یہ ضابطہ اجتماعیات کا بہت بڑا قانون ہے کوئی نظم اس پابندی کے بغیر چل نہیں سکتا۔کسی اجتماع کو اس پابندی کے بغیر کامیاب نہیں بنایا جاسکتا۔

غزوہ احزاب کے موقع پر مدینہ کی حفاظت کے لیے ایک خندق کھودی جارہی تھی۔ اس کام میں تمام مسلمان شریک تھے حضرت بھی وہاں نہ صرف موجود رہتے تھے بلکہ پوری تندھی سے کام کرتے تھے۔لیکن منافقین بغیر اجازت وہاں سے کھسک جاتے ۔ان آیات میں فرمایا کہ آپ سے اجازت وہی لوگ مانگتے ہیں جو ایمان دار ہیں۔

امر جامع ـــــ اس میں جمعہ کے اجتماع بھی شامل ہیں نماز کے اوقات بھی جامع امور میں سے ہیں۔

جمعہ اور اس کا اجتماع

جمعہ کے لیے آنے والوں کو اس کے مختلف آداب بتائے ہیں بیٹھنے کے آداب،خطبہ کے لیے آنے والے کس طرح اس مجلس میں بیٹھیں جو امام کے قریب بیٹھنا چاہتا ہے پہلے آوے بعد میں آنے والے پہلے سے بیٹھے ہوئے لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر آگے آنے کی کوشش نہ کریں۔جو لوگ پہلے سے آئے ہوئے ہوں ان کو چاہیے کہ اس طرح بیٹھیں کہ درمیان میں کوئی جگہ باقی نہ رہے کانا پھوسی سے منع فرمایا۔اشارے بھی نہ کریں البتہ کسی کو شور سے منع کرنے کے لیے اشارے کر سکتے ہیں آپ نے حکم دیا کہ خطبہ پوری توجہ سے سنا جائے ہمہ تن گوش ہو کر وہاں بیٹھنا چاہیے۔خطبہ کے وقت اس طرح گوش برآواز ہو کہ کسی اور طرف بالکل دھیان نہ جاوے آپ نے خطبہ کے دوران تنکوں کے ساتھ کھیلنے سے بھی منع فرمایا۔اس کو لغو کام قرار دیا۔ من مس الحصیٰ فقد لغیٰ ۔یعنی اس طرح سے اس اسبوعی اجتماع کے لیے مختلف ہدایات دیں۔یہ مسلمانوں کا ہفتہ وار اجتماع ہے۔اس

سے ان کو اپنے اور دنیا کے حالات کا علم ہوتا رہتا ہے تمام ائمہ کے نزدیک یہ ضروری ہے کہ ایک شہر میں جمعہ کے کم سے کم اجتماع ہوں ہر مسجد میں جمعہ کے لیے لوگوں کو بلانا جمعہ کے ساتھ ایک مذاق ہے۔ اس معاملہ میں ہمیشہ ضرورت ملحوظ رہنی چاہیے۔ ضرورت بھی خطیب کی اپنی ذاتی ضرورت نہیں بلکہ عام مسلمانوں کی ضرورت مراد ہے۔

امر جامع میں عیدین کے اجتماع بھی شامل ہیں یہ سالانہ اجتماع ہیں ان کی اہمیت جمعہ کے اجتماعوں سے بہت زیادہ ہے اسی لیے آپ نے حکم دیا کہ عیدین میں عورتیں بھی حاضر ہوں عورتیں سادہ لباس میں جاویں اور باپردہ ہوں عیدین کے لیے اگر ممکن ہو تو آنے اور جانے کے لیے الگ الگ راستے اختیار کیے جائیں۔ خطبہ کے وقت صرف خطیب کی ہی آواز سنی جاوے مجمع میں سے کوئی آواز نہ اٹھے۔ وقار کو پوری طرح ملحوظ نظر رکھا جاوے اجتماع گاہ میں کوئی شور وغوغا اور ہنگامہ نہ ہو بلکہ ایک اعلیٰ درجہ کا نظم ہو، آنے جانے بیٹھنے اور اٹھنے میں نظم ہی نظم کا اظہار ہو۔ باتیں اور شور کی بجائے تکبیریں کہی جاویں۔ ان تمام آداب کے مطابق اگر یہ تہوار منایا جائے تو کسی قسم کی بے ہودگی اور اخلاقی گندگی پیدا نہیں ہو سکتی۔

اَمْرٍ جَامِعٍ بعض اوقات مشورہ کے لیے اجتماع کیا جاتا ہے یہ کسی عمومی مسئلہ کے متعلق ہوتا ہے اس کے ساری قوم پر اثرات پڑنے والے ہوتے ہیں یہی وجہ اس مجلس میں آنے والوں کے لیے لازم ہے کہ وہ اگر اجلاس کے خاتمہ سے پہلے کسی کام کے لیے جانا چاہیں تو صدر مجلس سے اجازت لیں وہاں سے بلا اجازت جانا غلط ہے۔

یہاں مجلس کے سربراہ کو بھی ہدایت کی ہے۔

فَاِذَا اسْتَأْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ۔ یعنی جس وقت کوئی مسلمان اپنے کسی ذاتی کام کے لیے اجازت مانگے تو جس کو آپ مناسب سمجھیں اجازت دے دیں۔ اب اگر امیر مجلس اس فرد کی اجتماع میں حاضری کو ضروری سمجھے تو وہ اجازت سے انکار کر سکتا ہے اس معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے بعد آپ کے جانشینوں کو اختیار دیا گیا ہے فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ۔ آپ جس کو چاہیں اجازت دیں۔ اگر ذمہ دار

سربراہ یہ سمجھے کہ اجازت طلب کرنے والے کی ذاتی ضرورت سے اجتماعی مفاد زیادہ اہم ہے تو اس کو پورا حق ہے کہ اجازت نہ دے اگر ایسی صورت پیش آئے تو ایک مومن اور مسلمان کے لیے بے حد ضروری امر ہے کہ اس انکار اجازت سے رنجیدہ خاطر نہ ہو۔

وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللهَ بخشش مانگ واسطے ان کے اللہ سے ـــــ اس کے معنی یہ ہیں کہ حقیقی اور واقعی ضروریات کے لیے اجازت مانگنا تو درست ہے۔ لیکن حقیقی ضرورت کے بغیر اجازت لینا گناہ ہے اور اگر کوئی مسلمانوں کے اجتماعی فائدہ کے مقابلہ میں اپنے ذاتی معاملہ کو ترجیح دے یا ذاتی مفاد کی خاطر ایسا کر رہا ہو تو یہ قابل مؤاخذہ ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنے کی ضرورت ہے۔

امرِ جامع میں بعض لوگوں نے میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جلوسوں کو بھی شامل کرنے کی کوشش کی ہے یہ بالکل غلط ہے ان ہنگامہ خیز جلوسوں کا امر جامع سے دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں ہے علم اور حیا کا آپس میں گہرا تعلق ہے امر جامع میں ان جلوسوں کو شامل کرنا حیا سے آنکھیں بند کر لینا ہے۔ ایسے لوگوں سے صرف نظر ہی بہتر ہے کہ ان سے بحث کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خطبہ میں کوئی نہ بولے تنکوں تک سے بھی نہ کھیلا جاوے کسی شور کرنے والے کو چپ کرانے والا بھی زبان استعمال کرے گا تو گناہ گار ہوگا اشارہ سے منع کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ کے لیے کھڑے ہوتے تو آپ کی آواز بلند اور گرجدار ہو جاتی چہرے پر غصہ کے آثار ظاہر ہوتے اور ہیبت کا سماں بندھ جاتا۔ ایسا معلوم ہوتا کہ کوئی عذاب جلد آنے والا ہے سارا مجمع پروقار اور باادب ہوتا اس کے مقابلہ میں یہ جلوس بھی ملاحظہ ہوں کوئی چیز بھی ان میں اس وقار اور ادب میں سے ایسی نہیں ہے جو اس سے کچھ تعلق رکھتی ہو ان جلوسوں کو امر جامع کہنا اللہ کے دین پر ظلم ہے۔

لَمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ـــــ استیذان ایمان کی نشانی ہے کیونکہ کوئی منافق اجازت نہ لیتا تھا۔ مجمع کے آداب کو ملحوظ رکھنا چاہیے وہاں

سے بغیر اجازت نہیں جانا چاہیے مجلس مشاورت سے امیر کی اجازت کے بغیر جانا اخلاق سے گری ہوئی عادت ہے۔ کسی کی صدارت و امارت قبول کرنے کے بعد مجلس سے اس اجازت کے بغیر جانا ایمان کے تقاضوں کے منافی ہے یہ ایمان میں خلل کی نشانی ہے۔ مجلس کے دوران نجویٰ سے پرہیز کرنا چاہیے۔ کانا پھوسی اور سرگوشی سخت معیوب اور آداب مجلس کے خلاف ہے مجلس کے اندر آپس میں باتیں نہ کرنی چاہئیں جمعہ کے لئے آنے والے وہاں اگر باتیں کریں تو ان کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یہ ایسے ہی ہیں کہ گویا کہ وہ جمعہ میں آئے ہی نہیں۔ بے ضرورت چلنا پھرنا بھی منع ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں صحابہ ہمہ تن توجہ، ہمہ تن گوش ہوتے۔ مجلس میں پوری طرح سناٹا اور خاموشی کہ گویا سروں پر پرندے بیٹھے ہیں کہ تھوڑی سی آواز انہیں اڑا دے گی۔

میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جلوسوں کے علاوہ دوسرے سیاسی جلوس بھی امر جامع میں شامل نہیں ہیں یہ سیاسی مقاصد کے لیے ہوتے ہیں اور حکومت کے خلاف اجتماع ان کا مقصد ہوتا ہے یا حکومت کے حق میں مظاہرہ۔

لم يذهبوا حتى يستاذنوه ـــــ حکم ہے کہ جنگ کے لیے جو اجتماع ہوں ان میں سے کوئی آدمی امیر یا جرنیل کی اجازت کے بغیر کوئی حرکت نہ کرے بغیر نظم کے چلنا بغیر نظم کے ٹھہرنا دین سے مذاق ہے۔

لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ اجازت کسی حقیقی ضرورت کے لیے طلب کرنی چاہیے جیسے بھوک پیاس، بول و براز یا کوئی اور ضرورت یہ اجتماعی زندگی کے آداب ہیں محلہ کے اندر کوئی اجتماع ہو تو وہاں جانا چاہیے۔ انسانیت کا تقاضا ہے کہ بات سنی جائے۔

ملک میں صوبائی اور مرکزی اسمبلیاں ہیں عوام نے ان کے لیے چند لوگوں کو ممبر چنا ہوا ہے ان اسمبلیوں کا ایک طریق کار ہے لاکھوں روپے ان اداروں پر خرچ

ہوتے ہیں ممبران کے فرائض بالکل متعین اور واضح ہیں۔ ممبروں کا فرض ہے کہ وہاں حاضر رہیں اور سپیکر کی اجازت کے بغیر اسمبلی ہال سے نہ جائیں لیکن افسوس کہ اس اہم ادارہ کا کورم بار بار ٹوٹتا ہے اور اجلاس معطل ہوتے ہیں اجلاس کے وقت کسی حقیقی ضرورت کے بغیر اٹھنا گناہ ہے ممبران کو چاہیے کہ اپنے فرائض کا خیال رکھیں۔ ان کی کوتاہی سے ملک کو بے حد نقصان ہوتا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خطبہ جمعہ ———— مرتب: چودھری عبدالواحد صاحب

آداب رسول صلی اللہ علیہ وسلم

لَا تَجْعَلُوا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ط قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط قَدْ يَعْلَمُ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ ط وَيَوْمَ يُرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ط وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ سورۃ النور آیت ۶۳ تا ۶۴

تم لوگ رسول کے بلانے کو ایسا معمولی بلانا مت سمجھو جیسا تم میں ایک دوسرے کو بلا لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو دوسرے کی آڑ میں ہو کر تم میں سے کھسک جاتے ہیں سو جو لوگ اس کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں ان کو اس سے ڈرنا چاہیے کہ ان پر کوئی فتنہ نہ آن پڑے یا ان پر کوئی دردناک عذاب نازل نہ ہو جائے اور یہ بھی یاد رکھو کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں موجود ہے سب اللہ کا ہے اللہ تعالیٰ اس حالت کو بھی جانتا ہے جس پر تم اب ہو اور جب اس کے پاس دوبارہ زندہ کر کے لائے جاویں گے پھر وہ ان سب کو جتلا دے گا جو جو کچھ انہوں نے کیا تھا اور اللہ تعالیٰ تو سب کچھ جانتا ہے۔

اس آیت کے معنی و مفہوم اور اس کے احتمالات کا ذکر ہو چکا ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب کیا ہیں ؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بلانے اور آپ کو

مخاطب کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ پچھلے خطبہ میں اس کا ذکر ہو چکا ہے۔ آج دعا کے ایک اور احتمال و معنی کی طرف توجہ کرانا ہے دعا بمعنی دعوت۔

دنیا میں اس وقت بے شمار دعوتیں موجود ہیں اور رہی ہیں۔ ان کے مقابل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی ایک دعوت ہے یہاں یہ فرمایا جا رہا ہے کہ آپ کی دعوت کو دنیا کے لوگوں کی دعوتوں پر قیاس نہ کرو۔ لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ ایک دعوت دنیا کے بادشاہوں اور وقت کی حکومتوں کی ہے۔ ان کا تقاضا ہے کہ تمام لوگ ان کی سلطنت کو قبول کریں جس قدر احکام و فرامین ان کی طرف سے جاری و نافذ کیے جاویں وہ قبول کیے جاویں ایک مسلمان پابند نہیں ہے کہ ان تمام احکام و قوانین کو قبول کرے ہر وہ حکم جو شریعت کے خلاف ہو۔ رد کیا جانا چاہیے حکومتیں اور حکام ناراض ہوں یا راضی اس معاملہ میں راہ عزیمت اختیار کرنی چاہیے قوت کو ترجیح دینے کی بجائے اور اس کے آگے جھکنے کی بجائے دین کو ترجیح دینی چاہیے۔ یہ معاملہ تاریخ کے ہر دور میں ہوتا رہا ہے علماء حق ہمیشہ اپنا حق ادا کرتے رہے ہیں۔ ان علماء حق اور بندگان دین نے جزوی امور تک میں حکومتوں پر تنقیدیں کی ہیں اور دعاء الرسول کی اہمیت کو کبھی بھی کم نہیں ہونے دیا۔ ان سے بعض حکومتیں ان کی تنقید کو برداشت ہی نہیں قبول بھی کرتی رہی ہیں۔ حضرت عمرؓ نے طے کیا کہ لوگوں کو بہت زیادہ مہر باندھنے سے روکنے کے لیے ۵۰۰ درہم مہر کی حد مقرر کر دی جائے۔ اس امر کے فیصلہ کا اعلان آپ نے جمعہ کے خطبہ میں کر دیا۔ ایک عورت نے تنقید کی کہ خدا تعالیٰ نے تو قرآن مجید میں فرمایا ہے۔

وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا

اگر تم نے عورت کو مہر میں ایک خزانہ بھی دیا ہو تو اس میں سے کچھ واپس نہ لو۔

ع دعاء الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ان معانی پر مشتمل خطبہ قلمبند نہیں ہو سکا یہ معانی تفاسیر کی کتابوں میں مل جائیں گے البتہ زیر نظر خطبہ میں دعاء الرسول کا جو معنی بیان کیا گیا ہے اس کی تفصیل و تشریح صرف مولانا مرحوم ہی کا حصہ ہے عام تفاسیر میں شاید یہ تفصیل نہ مل سکے۔ عبدالسلام

آپ کس طرح مہر کی حد مقرر کر رہے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے کوئی حد مقرر نہیں کی ایسا کرنا سنت کے خلاف ہے۔ خلیفہ نے اس تنقید کو قبول کیا اور اعلان واپس لے لیا بلکہ نقاد کی حوصلہ افزائی بھی کی۔ آپ نے فرمایا عورتیں عمر سے زیادہ قرآن کو سمجھتی ہیں۔ حضرت عمر دعاء الرسول کے مفہوم کو خوب سمجھتے تھے اس لیے لا تجعلوا کا تقاضا پورا کیا۔ صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو جزاً اور کلاً ہمیشہ قبول کیا اس کے مقابلہ میں دنیوی دعوتوں کا معاملہ بالکل مختلف ہے دعوت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کسی دعوت کو قبول نہیں کیا جا سکتا۔ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ ۔۔۔ خدا رسول اور اولی الامر تینوں کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے تینوں کے احکام ماننے کو کہا گیا ہے خدا اور رسول کی اطاعت غیر مشروط ہے لیکن اولی الامر کی اطاعت مشروط ہے اس کے متعلق کہا کہ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ اگر اس کے احکام خدا اور رسول کے خلاف ہوں تو وہ واجب الاطاعت نہیں ہے احکام کا شریعت کے مطابق ہونا حکومت کے احکام کے لیے شرط تعاون قرار دیا گیا ہے حکومت کی دعوت کلی یا جزوی کسی طرح بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے خلاف نہ ہو۔ اگر خلاف نہ ہو تو واجب الاطاعت ہے۔

ایک دعوت علماء کی ہے۔ فقہاء محدثین، ائمہ کرام سب نے ایک دعوت دی ہے کچھ مسائل میں وہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ یقیناً ایسا ہے کہ ان کی بعض آراء درست ہیں اور بعض درست نہیں ہیں ہمیں چاہیے کہ حق کی تلاش کریں۔ اور جہاں سے بھی حق ملے لے لیں۔ یہی دعوت رسول ہے علماء دین اور ائمہ کرام کی اہمیت اتنی نہیں بڑھا دینی چاہیے کہ ان کے بعض اقوال کے متعلق ہمیں معلوم ہو جائے کہ سنت کے خلاف ہیں لیکن پھر بھی ہم اس پر عمل کرتے رہیں۔ یا تاویل کرتے چلے جاویں یہ دعوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہے خود ائمہ کرام کے فرمان و دعوت کے بھی خلاف۔ ائمہ کرام نے ایسا طرز عمل اختیار کرنے سے ہمیشہ منع کیا ہے۔ مثلاً امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں۔

اترکوا قولی بخبر الرسول صلی اللہ علیہ وسلم اذا صح الحدیث

فھو مذھبی۔

میرے قول کو حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مل جانے پر ترک کر دو جب حدیث ثابت ہو جائے تو وہی میرا مذہب ہے۔

اُن لوگوں نے تو اپنی تمام عمر یہ صدائے حق لگانے میں صرف کر دی تھی کہ ہماری رائے اگر حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ٹکرائے تو اس کو فوراً رد کر دینا ایسی صورت میں ہمارا مذہب بھی وہی ہے جو کہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں مذکور ہے دعوتِ رسول کا یہی تقاضا ہے اور ان پاک ہستیوں نے لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا کے مفہوم پر بالکل پوری طرح عمل کیا بعد کے لوگوں نے جو طرز عمل اختیار کیا اس سے وہ بری الذمہ ہیں۔ یہاں تو یہ قاعدہ بنا دیا۔

اذا کان فی المسئلۃ قول لابی حنیفۃ وصاحبیہ وحدیث یحکمون بصحتہ وجب اتباع قولھم دون الحدیث لانا لانظن بابی حنیفۃ وصاحبیہ انھم عارضوا الحدیث مع صحتہ وصحۃ الاستنباط منہ[1]

یعنی اگر کسی مسئلہ میں ایک طرف امام ابوحنیفہؒ اور ان کے شاگردوں کا قول ہو اور دوسری طرف حدیث ہو تو حدیث کو ترک کر دینا اور ان کا قول اختیار کرنا واجب ہے کیونکہ آخر کوئی بات تو ہو گی جس کی بنا پر انہوں نے ایسا کیا ہے۔

کیا یہ طرز عمل دعوت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی مطابقت رکھتا ہے لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا کا تقاضا یہی ہے؟

---

[1] شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی نے فرمایا ہے کہ حنفیہ نے اپنے خلاف صحیح احادیث کو رد کرنے کے لیے نو اصول وضع کر رکھے ہیں پھر شاہ صاحب نے وہ نو اصول تحریر فرمائے ہیں ان میں سے یہ قاعدہ ساتویں نمبر پر ذکر فرمایا ہے دیکھیے فتاوی عزیزی مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱۳۲۲ھ جلد اول ص ۶۲ و ص ۶۳ منقول از تقریظ مولانا شرف الدین محدث دہلوی بر تاریخ التقلید۔ عبدالسلام

حضرت امام مالکؒ منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم پہ فرمایا کرتے تھے کہ دنیا کے ہر آدمی کی بات رد کی جاسکتی ہے الا صاحب ھذا القبو صرف رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بات رد نہیں کی جاسکتی۔ لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ کی یہ بالکل واضح تفسیر ہے۔

ملک کے اندر اور بھی کئی طرح کی دعوت دی جارہی ہے ایک دعوت بدعات کے اختیار کرنے کی دعوت ہے ایسی رسموں کو کرنے اور کرانے پر اصرار کیا جارہا ہے جن کی کوئی مثال خیر القرون تو درکنار بعد کے کسی زمانے میں بھی نہیں ملتی۔ اس کے کرنے والے خود معترف ہیں کہ اس کا رواج ماضی قریب میں ہی شروع ہوا ہے پھر ستم یہ ہے کہ ان بدعات کو اس طرح امت کے سامنے پیش کیا جارہا ہے کہ اصل دعوت رسول یہی ہے درحقیقت یہ دنیوی دعوتیں ہیں ان کی کوئی دینی اہمیت نہیں ہے ان کو اہمیت دینا دعوت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت کو کم کرنا ہے۔

مقام دعوت کی اہمیت اگر ان لوگوں کے منظور خاطر ہوتی تو یقیناً اس صحابی کے عمل کو نمونہ بنایا جاتا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے ہیں اس دوران آپ نے صحابہ کو بیٹھ جانے کا حکم دیا۔ ایک صحابی اس وقت جوتوں کے پاس کھڑے تھے۔ آپ فوراً وہاں ہی بیٹھ گئے بدعات کی طرف بلانا اپنی دعوت کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت سے آگے کرنا ہے جس سے کہ اس آیت میں منع کیا گیا ہے۔

قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا

ہر دعوت کے سننے والوں میں ہمیشہ تین طبقے ہوتے ہیں۔

۱۔ کھلے دل سے قبول کرنے والے

۲۔ پوری طرح سے مسترد کرنے والے

۳۔ بین بین چلنے والے نہ ادھر نہ ادھر وہ اپنے خیال میں وہ حق و باطل دونوں کو راضی رکھنے والے ہوتے ہیں ان کو منافق کہا جاتا ہے۔

ان لوگوں کا طرز عمل یہ ہوتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے کھسکنے کے

لیے حیلے اور بہانوں کی تلاش میں رہتے تھے۔ کسی مخلص مسلمان نے اجازت لی اور یہ اس کی آڑ میں اٹھ کر پیچھے پیچھے ہو لئے۔ اور اس طرح چپکے سے وہاں سے کھسک جاتے۔ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے متنبہ کیا ہے قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ کون لوگ ایسا کر رہے ہیں ایسا کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی خلاف ورزی ہے۔

اس آیت پر انشراح قلب سے غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ کسی قسم کا حیلہ اچھا نہیں ہوتا حیلے اور بہانے احکام شریعت سے فرار کا ذریعہ ہیں۔ امام بخاریؒ نے نقل فرمایا کہ جو آدمی حیلے سے احکام شریعت کی خلاف ورزی کرے گا قیامت کے دن اس کی پشت پر اسی کے درجہ کے مطابق جھنڈا ہوگا۔ احکام دین سے بچنے کے لیے علمار نے جو حیلے تراشے ہوئے ہیں اس کا سارا وبال علماء کے حصہ میں آئے گا۔ کہ عوام کا اس میں قصور لاعلمی کی وجہ سے نہیں ہے۔ فرائض و احکام سے بچنے کے لیے جو حیلے تراشے گئے ہیں ان میں ایک زکوٰۃ کے متعلق ہے زکوٰۃ اس مال پر فرض ہوتی ہے جو مالک کی ملکیت میں ایک سال پورا کرے ااماہ تک مال خود اپنے پاس رکھنا اور اس کے بعد بیوی کے نام ھبہ کر دینا اور اس کے پاس سے پھر سال مکمل ہونے سے قبل واپس لے لینا۔ یہ عمل یتسللون منکم لواذا کی نہایت مکروہ شکل ہے حیلہ عبادت میں ہو کاروبار میں ہو، احکام و فرائض میں ہو، کسی شکل میں بھی خدا سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ اس کے لیے ہی کہا ہے قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ خدا خوب جانتا ہے احکام و فرائض میں حیلے تراشنا خود اپنے آپ کو دھوکا دینا ہے يُخَادِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ

علمائے حق نے بڑی سختی سے حیلوں سے باز رہنے کا حکم دیا ہے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے فرمایا ہے۔

احدثوا الحیل فی الاسلام فمن کان امرہ بھذا فھو کافر

اسلام میں لوگوں نے حیلے تلاش کر لیے ہیں جو کوئی ان کے مطابق فتویٰ دے گا وہ کافر ہے۔

شریک بن عبداللہ فرماتے ہیں ایسا کرنا خدا کو دھوکا دینا ہے۔

ایوب سختیانیؒ نے فرمایا:

یخادعون اللہ کانما یخادعون الصبیان فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝

وہ اللہ کو ایسے دھوکہ دیتے ہیں جیسا کہ بچوں کو دھوکا دیا جاتا ہے جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں ان کو ڈرنا چاہیے کہ ایسا نہ ہو کہ وہ عذاب میں مبتلا ہو جائیں یا فتنہ و فساد میں گر جائیں۔

فتنہ کے مختلف مطالب بیان کئے گئے ہیں جو کہ حسبِ ذیل ہیں

۱۔ ظالم بادشاہ کا تسلط یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی مخالفت کی پاداش میں جابر و ظالم حکمران مسلّط کر دیئے جائیں گے۔

۲۔ آپس میں تفرقہ بازی اور مخالفت اور خانہ جنگی۔

۳۔ اخلاقی زوال، روحانی بیماریاں، شرک اور بدعت میں مبتلا ہو جانا۔

"عذاب" سے مراد ہر طرح کے مصائب ہیں۔ بیماری، زلزلہ، سیلاب وغیرہ فَلَا يَعْلَمُ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ۔ ان الفاظ میں ایک سخت ڈانٹ ہے کہ قیامت کے دن تمہارا سب کیا دھرا سامنے آجا دے گا۔ تمہاری زندگی کا کوئی گوشہ خدا سے اوجھل نہیں ہے کون کس نیت سے؟ کیا کرتا رہا ہے؟ خدا سب جانتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ جمعہ ______ مرتب: چودھری عبدالواحد صاحب

تبارک کے معانی

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا ۝

(سورۃ فرقان آیت ۱)

بہت برکت والا ہے وہ جس نے تھوڑا تھوڑا کر کے اپنے بندے پر فرقان اتارا تاکہ بنے وہ جہانوں کو ڈرانے والا۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا کس کام کے لیے پیدا کیا؟ اور وہ کام اس کو کس طرح کرنا چاہیے؟ اس دنیا میں انسان زندگی کس طرح بسر کرے؟ خدا کے احکام کیا ہیں؟ کیا حلال ہے اور کیا حرام ہے؟ خالق نے اپنی مخلوق انسانوں کو ان سب سوالوں کے جواب دینے کے لیے انبیاء کو بھیجا انبیاء کی معرفت بتایا گیا کہ دنیا میں وہ کس طرح رہیں۔ کیا کام کریں اور کون سے کام ہیں جن سے بچیں۔ انسانوں اور خدا تعالیٰ کے درمیان اس علم کا ذریعہ انبیاء ہیں۔ کوئی خدا تعالیٰ سے براہ راست احکام نہیں لے سکتا۔ ہر آدمی پر وحی نہیں آتی۔ انبیاء خدا اور انسان کے درمیان واسطہ ہیں۔

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ .... "بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندہ پر فرقان اتارا کہ وہ دنیا والوں کو ڈرائے۔"

برکت کا معنی کثرت اور اضافہ ہے بعض دفعہ ایک چیز وافر مقدار میں ہوتی ہے لیکن اس میں اضافہ نہیں ہوتا۔ اور کچھ مدت گذرنے کے بعد ختم ہو جاتی ہے۔ برکت کا مطلب یہ ہے کہ مقدار بھی زیادہ ہو اور اس میں مسلسل اضافہ بھی ہوتا رہے اور ذخیرہ جمع ہوتا رہے۔

"مبارک ہو" اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ کثرت بھی ہو اور زیادہ بھی ہو۔ (۲) یہ چیز ہمیشہ رہے پختگی ہو ثبات دوام ہو۔

پانی سے بھرے ہوئے حوض کو برکہ کہتے ہیں تَبٰرَكَ کا لفظ صرف خدا تعالیٰ کے لیے ہے اور کسی کے لیے نہیں ہے اس کا معنی یہ ہے کہ تمام کمالات اور صفات ہمیشہ اور دائماً صرف ذات حق کے لیے ہیں الوہیت کی صفات اسی کے ہی لیے ہیں۔ یہ صفات با برکت ہیں۔ یعنی کثرت سے ہیں اور ہمیشہ رہنے والی ہیں۔

انسان میں بھی برکت ہے انسانی زندگی کا کمال جوانی ہے لیکن یہ کمال مائل بزوال ہے جوانی آتی ہے ڈھلتی ہے اور بعض دفعہ تو اچانک و یکدم ختم ہو جاتی ہے۔ انسانوں کا بھی یہی حال ہے کیا گناہ گار اور کیا پاکباز و اہل اللہ سب کا معاملہ یکساں ہی ہے دین کی خدمت کرنے والے اور دین کو بگاڑنے والے سب کے ساتھ ایسا ہی ہوا ہے بہت اچھے اور بہتر انسان تھے۔ بڑا کمال حاصل تھا۔ لیکن زوال آکر رہا۔ سب کے ساتھ یہی معاملہ ہوا ہے قبریں اس امر پر شاہد ہیں اور بزرگوں کے مزارات بھی گواہ ہیں صاحب مزار اور دوسرے نیک لوگ جو خدا کے پاس پہنچ چکے ہیں ان کے مزار اور قبروں پر جائیے اور ضرور جائیے۔ کچھ لینے کے لیے نہیں بلکہ دینے کے لیے جائیے۔ جا کر ان کے لیے دعا کیجئے۔ ان کے لیے خدا سے ترقیٔ درجات مانگئے اور خدا سے ان کی غلطیوں کے لیے معافی کی درخواست کیجئے۔ ان سے لینا کیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری بیماری میں جب تکلیف بڑھ گئی آپ بار بار دعا پڑھتے اور پانی سے ہاتھ بھگو کر چہرہ پر پھیرتے جب کمزوری بڑھ گئی۔ اور آپ میں ہاتھ اٹھانے کی سکت نہ رہی تو حضرت عائشہؓ گیلا ہاتھ چہرہ پر پھیرتی جاتی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا مانگتے جاتے تھے کہ اے اللہ میں اوپر کی رفاقت چاہتا ہوں۔ خدا تعالیٰ کے آخری نبی تمام نبیوں کے سردار، اپنی تمام فضیلتوں کے باوجود کس حالت میں تھے۔ ایسا کیوں ہوا؟ یہ اس لیے کہ تَبٰرَكَ نہیں تھا یہ تو صرف خدا کے لیے ہے نبی، ولی، مجدد، عالم، صالح، مومن، متقی سب ہیں لیکن کمال و دوام صفات حق ہیں اس کے سوا دوام کسی کو نہیں ہے۔ ساری صفات میں خدا کے برابر کوئی نہیں ہو سکتا۔ خدا نے بندوں کو کچھ صفات سے نوازا لیکن جب چاہا واپس لے لیں۔ صفات آتی اور جاتی ہیں دولت کم ہوتی ہے ہمت وصحت کم ہوتی ہے علم جس قدر خرچ کیا جاوے وسعت اور برکت پیدا ہوتی ہے ایک

ایک عالم نے ہزار ہا آدمیوں کو پڑھایا لیکن آخری عمر کے ایک حصے میں حافظے کمزور اور خراب ہو گئے۔ صحیح بخاری اور ترمذی کے نسخوں میں فرق ہے وجہ اس کی یہ بیان کی گئی ہے جو لوگ آخری عمر میں تدریس کے لیے آئے تو اس وقت حافظہ کمزور ہو چکا تھا[1]۔ اس لیے یہ فرق واقع ہوا۔ اسی طرح بعض راویوں کا بھی یہی حال ہے۔

انسانی صفات میں صحابہ کرامؓ کو کمال حاصل تھا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ تو اس سے بھی زیادہ تھا لیکن بھول اور ذھول جو انسان کا خاصہ ہے میں بتلا ہوتے رہے گھر کے اندر آپ آرام فرما رہے تھے۔ آپ کو اطلاع دی گئی کہ سورج کو گہن لگ گیا ہے آپ جلدی سے اٹھے اور کرتہ کی بجائے ایک چادر لے کر باہر آگئے بعد میں اس بھول کا علم ہوا۔ خدا تعالیٰ پر ایسا موقعہ کبھی نہیں آتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جماعت کے لیے مصلے پر آکر کھڑے ہو گئے لیکن جلدی ہی واپس چلے گئے اور غسل کر کے آئے اور نماز پڑھائی اس طرح ایک دفعہ آپ نے نماز پڑھائی اور ۴ رکعت کی بجائے دو رکعت پڑھا کر سلام پھیر دی۔ ایک صحابی کے توجہ دلانے پر نماز پوری کرائی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا رہے تھے۔ قرأت کے دوران ایک آیت چھوٹ گئی قاری ابی بن کعب نے ٹوکا آپ نے ان کے لقمہ کے مطابق درست کیا[2]۔ اس سے

---

[1] بعض ائمہ کا حافظہ واقعی آخری عمر میں کمزور ہو گیا تھا۔ مگر امام بخاری اور امام ترمذی کا آخری عمر میں حافظہ کمزور ہونا ثابت نہیں علاوہ ازیں ایک لکھی ہوئی کتاب کے نسخوں میں فرق کا تعلق حافظے سے کیا ہو سکتا ہے؟ اس کی وجہ مصنف کا بعد میں حاصل ہونے والی معلومات کی بنا پر کمی بیشی کرنا ہو سکتی ہے یا پھر ناقلین سے بعض اوقات کچھ الفاظ نقل میں رہ جانا۔ عبدالسلام

[2] مسور بن یزیدؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں قرأت کر رہے تھے تو آپ نے کوئی آیت چھوڑ دی ایک آدمی نے آپ سے کہا آپ نے فلاں فلاں آیت چھوڑ دی ہے آپ نے فرمایا تو تم نے مجھے وہ یاد کیوں نہ دلائی؟

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نماز پڑھائی تو قراءۃ

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

معلوم ہوتا ہے کہ مخلوق میں نہ بھولنے والا کوئی نہیں ہے صرف خدا تعالیٰ اس سے مبرّا ہے۔
حضرت موسیٰؑ حضرت خضرؑ کی ملاقات کے لیے روانہ ہوئے آپ کے ساتھ ایک اور نبی یوشع بن نون بھی تھے لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا تھک گئے۔ وجہ کیا تھی؟ فَاِنِّیْ نَسِیْتُ الْحُوْتَ بھول گئے۔ ایسا کیوں ہوا؟ انسان تھے خدا نہ تھے۔ تَعَالٰی تنہا یہ صرف خدا کے لیے ہے۔

طاقت اور جوانی۔ ضعف اور بڑھاپا دونوں مرحلے بزرگوں اور اولیائے کرام پر بھی آتے ہیں بَعْدَ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّشَيْبَةً نیکی اور بزرگی اس کے راستہ میں حائل نہیں ہو سکتی سب کو اسی معیار پر پرکھنا چاہیے۔ اور اس کے خلاف اگر بتایا جائے تو وہ ولی نہیں ہے وہ تو خدا ہے ایسے موقعہ پر بے ادبی اور گستاخی کا طعنہ قطعاً غلط ہے جہاں ایمان اور ایسے خودساختہ ادب کا ٹکراؤ ہو تو یہ ادب نہیں یہ تو عین بے ادبی ہے۔

صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گذارش کی تھی کہ ہم آپ کو تکریم وادب کے لیے سجدہ کرنا چاہتے ہیں آپ اجازت دیں۔ آپ نے فرمایا تھا کہ عبادت صرف اپنے رب کی کرو۔ جو جس کا مقام ہے اسی کے مطابق ہی معاملہ ہونا چاہیے۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ۔ تمام رسول برابر نہیں ہیں بعض کے درجات بعض سے زیادہ ہیں کوئی فضیلت میں کم کوئی زیادہ۔ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری اس کے باوجود آپ خدا نہیں اس کے بندہ ہی ہیں۔ فرمایا: نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ۔ فرقان اپنے بندہ پر اتارا۔

کوئی خطاب استعمال نہیں کیا۔ صرف ارشاد ہوتا ہے ہم نے اپنے بندہ پر قرآن نازل کیا ہے۔ عبد ہونا کوئی خامی یا نقص نہیں ہے جیسے آپ کہتے ہیں "وہ مرد ہے مردِ خدا" کے عبد ہونے کی صفت اصل میں ایسی ہے۔ عبد۔ خدا کا پورا تابعدار آپ نے عبدیت

(بقیہ حاشیہ)
میں آپ کو التباس ہو گیا جب فارغ ہوئے تو ابیؓ بن کعب سے فرمایا تم نے ہمارے ساتھ نماز پڑھی ہے؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا تو تمہیں (بتانے سے) کس چیز نے روکا؟ (ابوداؤد باب الفتح علی الامام ص ۱۳۱)

وغلامی میں کوئی کمی نہیں کی۔

اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا۔

قیامت کے دن سب لوگ عبد بن کر آئیں گے۔ لیکن یہ عبد پورے پورے نہیں ہیں ان میں کمی اور کمزوری ہے لیکن سرکار مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی کمی نہیں کی۔ یہ سب سے بڑا شرف ہے۔ ولی نبی خدا کی غلامی کریں تبھی ولی نبی ہیں ورنہ کچھ بھی نہیں ہیں۔ دن اور رات میں ہر نماز میں ہم شہادت دیتے ہیں کہ اشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے بندہ اور رسول ہیں۔ خدا تعالیٰ ہم سے بار بار اقرار کرا رہا ہے اس کے بعد بھی بعض ملقے اس لفظ سے گھبراہٹ محسوس کریں۔ تو تعجب ہے خدا تعالیٰ شہادت دے رہے ہیں۔ تو گھبراہٹ کا کیا معنی ہے؟ اس کو پھر کسر شان کیوں سمجھا جائے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ جمعہ ——— مرتب: چودھری عبدالواحد صاحب

مقام عبدیت۔ تنزیل فرقان

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۝

سورۃ فرقان آیت ۱

بہت برکت والا ہے وہ جس نے تھوڑا تھوڑا کر کے اپنے بندے پر فرقان اتارا تاکہ بنے وہ جہانوں کو ڈرانے والا۔

ابتدائی آیات میں توحید اور اس کی وضاحت ہے۔ شرک اور اس کی مذمت نبوت اور اس کا تذکرہ، اہل ایمان اور ان کے اخلاق کا ذکر ہے۔ اس سے پہلے عبد کے مفہوم کی وضاحت ہو چکی ہے کچھ لوگ لفظ "عبد" کو نقص اور عزت میں فرق کا باعث سمجھتے ہیں۔ یہ خیال جہالت پر مبنی ہے۔ قرآن مجید میں عام انبیاء اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے عبد کے لفظ کا استعمال اللہ تعالیٰ نے کثرت سے کیا ہے۔ عبد کا لفظ اللہ تعالیٰ نے تعارف کے طور پر استعمال کیا ہے۔ خدا سے زیادہ انبیاء کی شان کون جانتا ہے جس نے ان کو رسول بنا کو بھیجا کوئی بھی اس قدر نہیں سمجھتا۔ وہ تو ہمہ دان ہے مقام رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو خوب جانتا ہے کیا خدا تعالیٰ بے ادبی کرتا ہے؟ عبد کا استعمال نہ تو بے ادبی ہے اور نہ ہی خدا تعالیٰ ایسا کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت زمین سے آسمان تک اور فرش سے عرش تک ہر جگہ ہے۔ کوئی مخلوق آپ کی عزت سے غافل نہیں مسلمانوں کے لیے نعمت ایمان ملنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی ممکن نہیں ہے ایسا الزام لگانے والوں کی سمجھ میں فرق ہے یہ لوگ نہ تو عبد کا معنی جانتے ہیں اور نہ ہی عزت و تکریم کا مطلب سمجھتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقام عبدیت پر فائز ہیں خدا کے تابعدار ہیں فرمان بردار ہیں۔ غلام ہیں۔ خدا کے انقیاد کا حلقہ اپنی گردن میں ڈال

رکھا ہے۔نافرمان نہیں ۔یہ خدا شہادت دے رہا ہے۔ بے ادب تو وہ ہیں جو آپ کی عبدیت اور بشریت سے انکار کر رہے ہیں انہیں خدا تعالیٰ کا دیا ہوا خطاب پسند نہیں ہے وہ اپنی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور خطاب دینا چاہتے ہیں۔ اور اپنے طرز عمل سے ثابت کر رہے ہیں کہ خدا تعالیٰ کا علم ناقص ہے۔ (نعوذ باللہ من ذلک)

(تنزل) ـــــ تھوڑا تھوڑا وقتاً فوقتاً حسب ضرورت اترنا۔ قرآن مجید پہلی آسمانی کتب کی طرح نازل نہیں ہوا۔ پہلی کتابیں مکمل شکل میں انبیاء کو دی گئی تھیں۔ تورات حضرت موسیٰ ؑ کو پوری دی گئی تھی۔ اس کے برعکس قرآن مجید موقع محل کے مطابق تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا رہا قرآن مجید کی ۱۱۴ سورتیں ۲۳ سال کے عرصہ میں مکمل ہوئیں بعض سورتیں بیک وقت نازل ہوئیں اور بعض دفعہ ۳، ۴ سورتیں ایک ساتھ نازل ہوتی رہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر نزول کے موقعہ پر بتاتے رہے کہ یہ آیات کس سورت کی ہیں اور اس کی ترتیب کیا ہے اور ہر سورت کے مکمل ہونے پر بھی بتاتے رہے کہ کون سی سورت کس سورت کے آگے یا پیچھے تحریر کی جائے۔ صحابہ اس کو حفظ بھی کرتے رہے اور احاطہ تحریر میں بھی لاتے رہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت سے پہلے قرآن مجید مکمل اور مرتب موجود تھا۔ یہ خیال کہ صحابہ کرام ؓ نے آپ کے بعد اس کو ترتیب دی ہے درست نہیں ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرتب کرا دیا تھا حفظ کی ترتیب بھی آپ کے زمانہ میں ہوئی بیسیوں صحابۂ کرام کو قرآن مجید زبانی یاد تھا۔ جن اصحاب ؓ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض حصے یاد تھے ان کی تعداد تو سینکڑوں تک ہے۔

قرآن مجید تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا رہا اس کی وجہ خود اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے۔ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ دل ثابت رہے۔ آپ کی بے چینی رفع ہو۔ اس امر کا اندازہ بعض واقعات سے بخوبی ہوتا ہے۔

حضرت خولہ بنت خویلد کا اپنے شوہر حضرت اوس ؓ سے جھگڑا ہو گیا۔ بدمزگی بڑھ کر ظہار کی شکل اختیار کر گئی۔ حضرت اوس ؓ نے اپنی بیوی کو ماں کہہ دیا اس وقت عرب میں طلاق کا یہ بھی ایک طریقہ تھا۔ حضرت خولہ ؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور

معاملہ پیش کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس کے بعد اب تم کیسے مل سکتے ہو۔ حضرت خولہؓ شکوہ کرتی رہیں کہ میں بوڑھی ہو چکی ہوں کسی دوسرے گھر اب میری وہ عزت نہیں ہو سکتی۔ اور یہ گھر بھی تباہ ہو جائے گا۔ اولاد الگ پریشان و خوار ہو گی خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس امر پر بے چینی تھی۔ اس وقت یہ آیات اتریں۔ قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا الخ (مجادلہ) اس طرح سے لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ ہوا۔

حضرت عائشہؓ پر بھی تہمت لگادی گئی اور اس کا اس قدر چرچا ہوا کہ مسلمان اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پریشان ہو گئے۔ اس موقعہ پر سورۂ نور کی آیات براءت نازل ہوئیں۔ اس طرح بروقت وحی کا نزول آپ کے لیے تسکین کا باعث بنتا تھا۔ اگر نزول وحی بروقت نہ ہوتا تھا تو پریشانی ہوتی تھی۔ جیسا کہ اصحاب کہف کے متعلق سوال پر آپ کو پریشانی ہوئی جبکہ ۱۸ روز تک وحی بند رہی وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَيْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا اس پریشانی کو وحی کے نزول سے رفع کیا گیا اور قرآن کا نزول آپ کے دل کو ثابت رکھنے کے لیے ہوا۔

نزول سے مراد یہ بھی ہے کہ وحی مسلمانوں کی ہدایت کے لیے آتی تھی۔ یہ حق اور باطل کو واضح کر کے بتا دیتی تھی۔ مسلمانوں کو پتہ چل جاتا تھا کہ صحیح کیا ہے اور غلط کیا ہے نَزَّلَ کے بعد فُرْقَان استعمال کر کے اس بات کی مزید وضاحت کر دی۔

فرقان کا مطلب یہ ہے الفارق بين الحق والباطل "حق اور باطل کو الگ الگ کرنے والا" جھوٹ اور سچ کو ظاہر کرنے والا۔

قرآن مجید ایک کسوٹی ہے جو کہ حق اور باطل کو ظاہر کرتی ہے قرآن مجید کی یہ صفت آج بھی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تو اور بھی زیادہ تھی۔ جماعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی کے تمام لمحات میں سچائی کا ساتھ دیا۔ صحابہؓ کی پوری جماعت حق پرست تھی گناہ سے بالکل پاک ہونا تو انبیاء کا خاصہ ہے صحابہ نے انسانی حد امکان تک زندگی بسر کی صحابہ کرامؓ میں جھگڑے بھی ہوئے ہیں۔ ان مشاجرات میں بعض سے بعض کے معاملہ میں زیادتی بھی ہوئی ہے لیکن یہ عمداً اور جان بوجھ کر نہیں ہوا ایک طبقہ ہے جو کہ

صحابہ کرام کے متعلق بدگمانی کا اظہار کرتا ہے بعض اہل بیت کے عیوب گنواتے ہیں۔ درحقیقت دونوں سے غلطیاں تو ہوئی ہیں۔ لیکن یہ جان بوجھ کر نہیں اجتہاداً ہوئی ہیں۔ اس وجہ سے ساری جماعت میں کسی کو بھی منافق یا بددیانت نہیں کہا جا سکتا۔ ہم غلطی کو غلطی سمجھتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی خوبی سے بھی انکار نہیں کرتے۔ حضرت ابوبکرؓ نے جن سنگین حالات میں خلافت سنبھالی اور ۲½ سال تک جس طرح اسلام کو جانکاہ خطرات سے نکال کر استحکام کے راستہ پر ڈال دیا اپنی خلافت کے زمانہ میں انہوں نے جو کارنامہ سرانجام دیا۔ وہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ صحابہ کرام نے ٹھیک ٹھیک انتخاب کیا تھا۔ صحابہ کرام نے جذبات کے غلبہ میں یہ کام نہیں کیا تھا۔ اور نہ ہی یہ انتخاب اندھی عقیدت کا مظہر تھا۔ یہ قدرت کا انتخاب تھا اور اس کے لیے اس کے رسول کا واضح اشارہ موجود تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب آخری بیماری کی وجہ سے بے حد کمزور ہو گئے اور بار بار غشی کے حملے ہو رہے تھے اس وقت لوگ نماز کے لیے مسجد میں جمع تھے آپ نے دریافت فرمایا کہ کیا نماز پڑھی جا چکی ہے جواب میں بتایا گیا کہ نہیں آپ کا انتظار ہے آپ نے فرمایا ابوبکرؓ سے کہو نماز پڑھائے یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ میرے بعد یہ تم لوگوں کے انتظام کا ذمہ دار ہے۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ اس کا مطلب میں نے نہ سمجھا میرے دل میں دو خیال پیدا ہوئے۔

(۱) لوگ میرے باپ کو منحوس خیال کریں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ کھڑے ہو رہے ہیں۔

(۲) آپ بڑے رقیق القلب ہیں جب آپ قرآن مجید شروع کر دیں گے تو نماز کے اندر ہی آپ کی ہچکی بند ہو جائے گی۔ اس لیے جماعت مکمل کرانا مشکل ہو گا۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ حضرت عمرؓ کو جماعت کرانے کے لیے حکم کریں۔ میرے والد نرم دل ہیں۔ ان کے لیے نماز پوری کرنا مشکل ہو گا اس بات کی تائید حضرت عائشہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج میں سے ایک اور بیوی سے بھی کرا دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ میرا رب ابوبکر کے سوا سب سے انکار کرتا ہے حضرت عائشہ نے دوبارہ یہی بات عرض کی اور رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر وہی جواب دیا۔ تیسری مرتبہ حضرت عائشہؓ نے پھر کہا اور دوسری بیوی سے بھی کہلوایا اس پر آپ نے پھر فرمایا میرا رب ابوبکرؓ کے سوا سب سے انکار کرتا ہے یہ اصرار آپ کے بعد خلافت کے اس فیصلہ کا اعلان تھا جو کہ اللہ تعالیٰ نے طے کر دیا تھا۔ سفر اور جنگ کے دوسرے مواقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر موجودگی میں دوسرے صحابہ نماز پڑھایا کرتے تھے آپ عموماً اس کام کے لیے حافظ و قاری صحابہ کو مقرر کیا کرتے تھے۔ اس موقعہ پر ابوبکرؓ کے لیے اصرار ظاہر کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکر کا دوسرا مقام ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے فوراً بعد جو واقعات ہوئے اور ان میں جو طرز عمل ابوبکرؓ نے اختیار کیا اس نے بھی اس انتخاب پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ زکوٰۃ کی بندش اور اس کے متعلق اکابر صحابہ کا یہ خیال کہ مانعین زکوٰۃ سے جنگ نہیں کرنی چاہیے۔ اسامہ بن زیدؓ کے لشکر کی یمن کو روانگی کی صحابہ کی طرف سے مخالفت اور ابوبکر صدیقؓ کا اپنے فیصلہ پر جم جانا۔ دونوں معاملے اس بات کی شہادت کے لیے کافی ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کو اسلام کی کس قدر خیر خواہی تھی۔ اور اسلام کے لیے ان کے دل میں کیا جذبہ تھا۔ حضرت عمرؓ ان دونوں معاملوں میں حضرت ابوبکرؓ کے مخالف تھے۔ لیکن ان کے فیصلہ کے بعد آپ نے پورا ساتھ دیا جب نتائج سامنے آئے تو آپ نے اعتراف کیا "قد شرح اللہ صدر ابی بکرؓ للاسلام" ابوبکرؓ کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیا گیا ہے۔

حضرت عمرؓ نے مانعین زکوٰۃ کے معاملہ میں طاقت کے استعمال کی سخت مخالفت کی تھی حضرت ابوبکر اس کے حق میں تھے جب شوریٰ ختم ہو گئی اور صحابہ چلے گئے تو حضرت ابوبکرؓ مسلح ہو کر گھوڑے پر سوار ہو کر نکل پڑے راستہ میں حضرت عمرؓ ملے انہوں نے پوچھا کہ کہاں کا قصد ہے آپ نے جواب دیا کہ آپ لوگوں نے مانعین زکوٰۃ سے جنگ کی مخالفت کی ہے اس لیے میں تن تنہا ہی ان سے لڑنے کے لیے جا رہا ہوں حضرت عمرؓ نے لگام تھام لی اور کہا کہ ہم آپ کا ساتھ دیں گے وہ بات ہماری رائے اور مشورہ تھا۔

اوراب آپ کے فیصلہ کی مخالفت نہیں کریں گے۔

یہ ہے اسلام کی جمہوریت اور شورائیت۔ رائے کے موقعہ پر پوری دیانتداری سے رائے دینا اور امیر کے فیصلہ کے بعد اس کی پوری پوری مدد کرنا۔ لشکر روانہ ہوا۔ دو تین قبائل نے مقابلہ کیا باقی نے از خود زکوٰۃ کی ترسیل شروع کر دی اسی وجہ سے حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا کہ اسلام کے لیے ابوبکرؓ کو شرح صدر حاصل ہے اس طرف باری تعالیٰ نے اشارہ فرمایا : الفرقان ؛

کہ اس قرآن کو پڑھ کر حق و باطل کے درمیان فرق کرنے کی تمیز حاصل ہوتی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ جمعہ ——— مرتب: چودھری عبدالواحد صاحب

وحدہ لا شریک لہ

اَلَّذِیْ لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَکُنْ لَّہٗ شَرِیْکٌ فِی الْمُلْکِ وَخَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَہٗ تَقْدِیْرًا ۝

سورۃ فرقان آیت (۲)

وہ ذات جس کے لیے زمین و آسمان کی بادشاہت ہے اور نہ اس نے اولاد پکڑی ہے اور نہ اس کے ملک میں کوئی شریک ہے اس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور پھر اس کا پورا پورا اندازہ کیا۔

زمین و آسمان کی ملکیت خدا کی ہے ہماری ملکیتیں بالکل عارضی ہیں بادشاہوں تک کا حال یہ ہے کہ رات کو جب سوئے تو ہر چیز پر قبضہ اور حکومت تھی صبح ہوئی تو ایسے اسباب پیدا ہوئے کہ اپنے ملک سے بھاگ کر جان بچانی پڑی۔ انسانی ملک اور غلبہ واقتدار اس قدر ناپائیدار اور عارضی ہے کہ مکڑی کا جالا اپنے اندر اس سے زیادہ قوت رکھتا ہے یہ معاملہ تو انسانی طاقت واقتدار کا ہے تاریخ بتاتی ہے اور ہم اس دور میں بھی اس امر کا مشاہدہ کر رہے ہیں کہ ملکوں نے ملکوں پر اور قوموں نے قوموں پر قبضے کئے اور حالات بظاہر ایسے نظر آتے تھے کہ اب اس ملک کا ٹوٹنا ممکن ہی نہیں ہے لیکن ان قوموں اور ممالک میں کمزوری اور اضمحلال پیدا ہوا اور مقبوضہ علاقوں سے ان کو دستبردار ہونا پڑا انقلابات آئے اور غاصبانہ حکومتیں اور اقتدار خس وخاشاک کی طرح بہہ گئے۔ دنیا کا سب کچھ عارضی ہے صرف خدا تعالیٰ کا اقتدار ہی لازوال ہے اسی کو کہا ہے لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ خدا کے حکم سے کروڑوں ملکیتیں قائم اور ختم ہوئیں۔

(۲) لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا ——— "اس نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا"

یہ ایک سلبی تعلیم ہے خدا کو اولاد کی ضرورت نہیں ہے۔ انسانوں کے لیے اولاد ضروری ہے ہم اس کے لیے بڑی خواہش کرتے ہیں۔ اس کے اسباب بھی ہیں۔ اولاد نہ ہو تو افسوس اور حسرت ہوتی ہے زندگی میں ایک کمی اور خامی محسوس کرتے ہیں مرنے کے بعد میرا وارث کون ہوگا؟ میری نسل ہی وارث ہوگی۔ ایسا نہ ہو تو تحیر و پریشانی ہوتی ہے۔ ذات حق اپنے لیے خود فرماتے ہیں۔ لم یتخذ ولدا۔

یعنی خدا تعالیٰ کا نسلی اور نسبی تعلق کسی سے نہیں ہے اس کا کوئی حقیقی بیٹا نہیں اور نہ ہی اس نے کسی کو بیٹا بنایا ہے۔ خدا تعالیٰ کی نہ کوئی بیوی ہے نہ بیٹی۔ خدا تعالیٰ کا تعلق کسی خاندان سے نہیں ہے لم یلد ولم یولد۔

یہود و نصاریٰ دو قوموں نے اس مسئلہ کو خوب اچھالا۔ عیسائیوں نے اس مسئلہ کو ایک گورکھ دھندا بنا دیا ہے کسی زمانہ میں بھی اس مسئلہ میں واضح عقیدہ نہیں رہا عیسائیوں نے کبھی کہا کہ خدا تین ہیں ــــــ لا تقولوا ثلثة ......

مسیح خدا کا بیٹا ہے۔ ایک وقت تھا کہ عیسائی یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ خدا تعالیٰ کا ایک حقیقی بیٹا (عیسیٰؑ) ہے اور ایک حقیقی بیوی (مریمؑ) ہے اسلام کی تعلیمات کے اثر سے عیسائیوں کو خود اس عقیدہ میں خامی نظر آنے لگی۔ اور وہ اس پر شرم محسوس کرنے لگے اس عقیدہ کو بدلنا نہیں چاہتے تھے۔ اس لیے ان الفاظ کے معانی بدل دیئے گئے۔ بیٹا اور بیوی کے وجود سے انکار کر دیا گیا کہا گیا کہ یہ دنیا کے سلسلہ کے مطابق نہیں ہے۔ مسیحؑ کی عادات خدا جیسی ہیں خدا کی صفات اس میں موجود ہیں۔ بلحاظ اوصاف اس کو بیٹا کہتے ہیں یہ سب اسلام کے اثر سے ہوا۔ ریگستان کے بدوؤں کے اثر کا نتیجہ ہے ایک امی نبی کی تعلیمات کا اثر غالب ہوا۔ دلائل کی پختگی سے معاملہ صاف ہو گیا۔ پروگرام بدلے گئے۔ الفاظ کو نئے معانی پہنا دیئے گئے۔ نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ہم سب خدا کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں ہم میں خدا کی صفات ہیں۔ خدا ہمیں پسند کرتا ہے۔ اس آیت میں بتایا گیا ہے خدا کا کسی معنوں میں بھی کوئی بیٹا نہیں ہے۔ خدا کے لیے یہ الفاظ کسی طرح بھی استعمال نہیں کیے جا سکتے۔ یہ لفظ مسلمانوں نے استعمال کرنا بالکل بند کر دیا۔ لیکن یہود و نصاریٰ کا یہ ذہن خاص طریق

سے امت مسلمہ کی طرف منتقل ہوا۔ مسلمانوں نے بھی یہی بات کہنی شروع کر دی جس سے سختی سے روکا گیا تھا۔ "رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم وہی ہو کوئی فرق نہیں" اس کے معنی بھی وہی ہیں یقیناً اس میں باپ اور بیٹا کے الفاظ تو استعمال نہیں کئے گئے لیکن مطلب وہی ہے "نور سے نور جدا ہوا ہے"۔ یہ الفاظ درست نہیں ہیں۔ دل اور ضمیر خدا تعالیٰ ہی جانتے ہیں لیکن اگر کوئی ان معنوں میں ان الفاظ کو استعمال کرتا ہے تو یقیناً اس کا مقام یہود و نصاریٰ سے مختلف نہیں ہے۔

اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ کسی کو بھی خدا کا جزو قرار دینا ویسا ہی ہے الوہیت اور خدائی کی صفات سے کسی کو بھی متصف سمجھنا شرک ہے۔ خدا تعالیٰ "صمد" ہے ٹھوس اور بے نیاز۔ خدا تعالیٰ سے کچھ بھی جدا نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے "الصمد" کے لفظ میں کوئی بھی ابہام نہیں چھوڑا اللہ الصمد کے بعد سورہ اخلاص میں فرمایا لم یلد ولم یولد وہ نہ کسی کا والد ہے نہ مولود۔ حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء میں ساری خوبیاں اور عظمتیں ہیں لیکن کوئی بھی خدا کا جزو نہیں ہے کسی کا بھی خدا سے کوئی تعلق نسلی نہیں ہے۔

محمد عبدہ ورسولہ' آپ اس دربار کے خادم ہیں آپ کا کام اس پیغام کا پہنچانا ہے اور عملی زندگی میں اس کی ہدایت پر چلنا ہے اللہ تعالیٰ نے لم یتخذ ولداً کہہ کر تمام چور دروازے بند کر دیئے ہیں۔ انسان ذات حق کے وجود کی خود ایک دلیل ہے۔ وفی انفسکم افلا تبصرون سے یہی مراد ہے وحدت الوجود کا نظریہ بھی چور دروازہ ہے خالق خالق ہی ہے اور مخلوق مخلوق۔ مخلوق خالق نہیں ہو سکتی۔

اوتار کا عقیدہ ہندوؤں کا ہے ہمارے صوفیاء نے اس سے متاثر ہو کر حلول کا عقیدہ نکالا۔ یہ کہ خدا مخلوق کے جامہ میں سما جاتا ہے مخلوق کے روپ میں ظاہر ہوتا ہے یہ غلط ہے عقلی طور پر بھی اور نقلی طور پر بھی۔ خدا کسی مخلوق میں سما نہیں سکتا۔ کسی جسم میں نہیں آسکتا۔ کوئی ظرف ایسا نہیں ہے ایسا کہنا کہ یہ ساری مسجد ایک لوٹے میں آگئی ہے یہ بالکل عقل سے بعید بات ہے وہ خدا کیسا جو مخلوق میں سما جاوے؟

لم یتخذ ولداً میں اس کی بھی نفی ہے اس معاملہ میں ائمہ سنت میں کوئی اختلاف

نہیں ہے خدا تعالیٰ کا نہ تو بیٹا ہے نہ بیوی وہ مخلوق سے بالکل الگ تھلگ ہے۔

بَانٍ عَنْ خَلْقِهٖ وہ پوری دنیا اور مخلوق سے جدا ہے وہ کسی جگہ بیٹھا ہوا بھی نہیں ہے۔ بیت اللہ خدا کا گھر اس لیے نہیں بولا جاتا کہ خدا وہاں مقیم ہے بلکہ یہ اس لیے استعمال کیا جاتا ہے کہ اس گھر پر خدا کی برکات نازل ہوئی ہیں۔ یہ سمجھنا کفر ہے کہ خدا وہاں رہتا ہے۔ بیت اول حضرت آدم علیہ السلام نے بنایا۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دوبارہ تعمیر کی۔ جو کہ طوفان نوحؑ میں بہہ گئی تھی۔ اس کے بعد کئی مرتبہ بنا اور تباہ ہوا۔ اسماعیلی گروہ اپنے حملہ میں حجر اسود لوٹ کر لے گئے تھے کئی سالوں بعد ملا تھا۔ خدا تعالیٰ کسی جگہ بیٹھا ہوا نہیں ہے عرش پر بھی ایسا ماننا غلط ہے[1]۔

ولم یکن له شریك فی الملك۔ اس سے پہلے له ملك السموٰت والارض کی تفسیر میں ملک کی پوری وضاحت ہو چکی ہے ہر طرح سے بادشاہی و اقتدار اسی کا ہے وہ پوری کائنات کا متصرف ہے یہاں اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے۔ کہ اس معاملہ میں اس کا کوئی حصہ دار بھی نہیں ہے دنیا میں ایسا ہوتا ہے کہ ایک آدمی ایک چیز کا مالک ہے لیکن وہ کسی کو اس میں حصہ دار بنا لیتا ہے اشتراک کر لیتا ہے یہ اشتراک عارضی نوعیت کا ہوتا ہے اور بعض دفعہ مستقل بھی ہوتا ہے جزوی اشتراک بھی ہوتا ہے اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ خدا کا کوئی حصہ دار نہیں ہے نہ عارضی نہ مستقل نہ جزوی اور وقتی۔ اللہ تعالیٰ کی خدائی میں کسی کی حصہ داری نہیں ہے۔

---

[1] اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ کہنا کہ وہ کسی جگہ کھڑا ہے یا بیٹھا ہے واقعی غلط ہے مگر یہ بات قرآن مجید سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے۔ الرحمٰن علی العرش استوی۔ رہی یہ بات کہ وہ عرش پر کس طرح کھڑا ہے یا بیٹھا؟ یہ بات ہمیں معلوم نہیں امام مالکؒ نے فرمایا تھا اللہ تعالیٰ کا عرش پر ہونا معلوم ہے وہ عرش پر کس طرح ہے؟ یہ ہمیں معلوم نہیں اور یہ پوچھنا کہ کس طرح ہے؟ بدعت ہے۔

عبدالسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ جمعہ ——— مرتب: چودھری عبدالواحد صاحب

اللہ تعالیٰ کی صفات کمال
اور
خود ساختہ معبودوں کی خامیاں

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ۝ سورۃ فرقان آیت ۳

اور پکڑے ہیں انہوں نے اس کے سوا معبود کہ نہیں پیدا کرتے کچھ اور وہ پیدا کئے جاتے ہیں اور نہیں اختیار رکھتے ہیں موت کا نہ زندگی کا اور نہ پھر اٹھنے کا۔

اس سے پہلی آیت میں بتایا گیا ہے کہ خدا وہ ہے جو زمین اور آسمان کا مالک ہے اس کی نہ تو اولاد ہے نہ والدین۔ اس کا کوئی شریک نہیں ہے وہ ہر چیز کا خالق ہے اور اس نے اسے ایک خاص اندازہ سے بنایا ہے۔

یہاں یہ بتایا جا رہا ہے کہ بعض لوگوں نے اس حقیقی خدا کو چھوڑ کر کچھ جعلی الٰہ (معبود) بنا لئے ہیں جن کی حالت یہ ہے کہ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا۔ ان میں پیدا کرنے کی طاقت ہی نہیں ہے کسی چیز کی تخلیق ان کے بس کی بات نہیں ہے دوسری جگہ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ یہ بناوٹی خدا دنیا کی حقیر ترین مخلوق (مکھی) تک بنانے پر قادر نہیں ہیں پھر یہی بات نہیں کہ وہ کچھ بنا نہیں سکتے بلکہ یہ بھی ہے کہ ان کا وجود کسی اور کا بنایا ہوا ہے۔ ان کا خالق خود خدا ہے۔ وَهُمْ يُخْلَقُوْنَ وہ پیدا کردہ ہیں پیدا کرنے والے نہیں ہیں۔

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ کے الفاظ عام ہیں اس سے ہر قسم کے خودساختہ معبود مراد ہیں (بنا لئے اس کے سوا اور معبود) ان الفاظ میں کوئی تخصیص نہیں ہے اس میں انسانوں کے بنائے ہوئے بت اور زندہ مخلوق سب شامل ہیں۔

لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا۔ یہ کچھ نہیں بنا سکتے۔ نفی کا مفہوم ہے اس کے الٹ مثبت یہ ہے کہ الٰہ وہ ہے جو خالق ہو۔ جیسا کہ سورۂ بقرہ میں فرمایا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ (اے لوگو! عبادت کرو اپنے رب کی جو تمہارا خالق ہے۔)

اس سے پہلے جو آیت گذر چکی ہے اس میں بھی فرمایا ہے خلق کل شئ ہر چیز کا خالق وہ ہے پھر وہ محض خالق ہی نہیں ہے بلکہ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ہر چیز کو ایک خاص اندازہ عطا کیا ہے خدا کا اندازہ جس کے مطابق اس نے اپنی مخلوق بنائی ہے بے مثل ہے خدا تعالٰی نے ہر چیز کے خواص اور اس دنیا میں اس کا کام، جسم، شکل اور اس چیز کے متعلق تمام امور کو طے کر دیا ہے اسی چیز کو فرمایا ہے فقدرہ تقدیرا۔

ہم انسان بھی چیزیں بناتے ہیں۔ انسان کی بنی ہوئی چیزیں عیب دار اور نقائص سے پر ہوتی ہیں یہ مسجد بنائی گئی ہے اور بنانے والے نے اس میں اپنی طرف سے کوئی خامی نہیں چھوڑی لیکن دوسرے کاریگر آتے ہیں اور بے شمار نقائص گنواتے ہیں۔ خدا ایسا خالق نہیں ہے۔ اس نے جو کچھ بنایا ہے وہ بہترین ہے۔ بے عیب ہے۔

مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ۝ (الملک)

خدا تعالٰی کی مخلوق میں تم کوئی نقص نہیں دیکھو گے بار بار ہر چیز کو بغور دیکھو لیکن کوئی چوک نظر نہ آئے گی اور نگاہ درماندہ ہو کر واپس ہوگی۔

پورا شہر انسانوں کا بنایا ہوا ہے اس کے باوجود کیا ہے خلق کل شئ انسانوں نے

جو کچھ بنایا ہے وہ خلق نہیں ہے بلکہ خدا کا عطیہ ہے صنعت و حرفت ہے۔ کوئی انسان دوسر انسان کی مدد کے بغیر کچھ بھی نہیں بنا سکتا۔ اس لیے خالق نہ ہوا خدا نے ہر چیز کسی دوسرے کی مدد کے بغیر بنائی ہے فقیر کو ایک روٹی دے کر آپ رزاق نہیں بن جاتے۔ خام مال اور اوزار کے بغیر کوئی کاریگر کچھ بھی نہیں بنا سکتا۔ خدا ایسا صناع نہیں ہے۔ کاریگروں پر بڑھاپا اور کمزوری آتی ہے اس وقت تخلیق کے سامان ہونے ہوئے بھی وہ اس حالت میں نہیں ہوتا کہ کچھ بنا سکے انسانوں کی یہ صفات وقتی، عارضی اور جزوی ہیں۔ خدا تعالےٰ کے خالق کل شئی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ جب، جیسے اور جسے چاہے پیدا کر دے یہ خود ساختہ الٰہ کچھ بھی نہیں بنا سکتے۔ بلکہ یہ بنائے گئے ہیں۔

وَلَا يَمْلِكُونَ لِأَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا۔ پھر یہی نہیں کہ یہ جعلی خدا کچھ بنا نہیں سکتے بلکہ کسی اور کو کوئی فائدہ و نقصان پہنچانا تو رہا الگ خود اپنے آپ کو بھی کوئی فائدہ یا نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اپنی ذات کے لیے بھی نفع و نقصان کے مالک نہیں ہیں۔

اپنی ذات کے لیے نفع کا اختیار تو ایک خوبی ہے نقصان کا مالک ہونا کون سی خوبی ہے؟ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ بزرگ جنہیں لوگوں نے معبود و مسجود بنایا ہوا ہے اس قابل نہیں ہیں کہ ان پر کوئی فر آ جائے تو اس کو ہٹا سکیں۔ مصیبت، بیماری، بھوک، خوف و ہراس، نقصان اور دوسری تکالیف سے بچ نہیں سکتے۔ اب جو خود اپنی ذات کے لئے بھی اتنے اختیار کا مالک نہیں ہے اس کے سامنے لوگوں کا دست سوال دراز کرنا کس قدر کم عقلی ہے۔

حضرت مسیحؑ کی ساری زندگی مصیبت میں گذر گئی کسی جگہ بھی آپ کو چین نصیب نہ ہوا لَا يَمْلِكُونَ لِأَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا۔ اسی طرح دوسرے انبیاءؑ کا معاملہ ہے۔

حضرت موسیٰؑ پیدا ہوتے ہیں۔ فرعون کی طرف سے خطرہ ہے خدا نے ایک تدبیر ان کی ماں کو سمجھائی فرعون کے گھر میں ہی پرورش پا کر جوان ہوتے ہیں اور بنی اسرائیل کی گری ہوئی

حالت کو بہتر بنانے کا ارادہ کرتے ہیں کہ قتل کے واقعہ کا علم ہو جاتا ہے مدین کی طرف راہ فرار اختیار کرتے ہیں۔ مدین سے واپسی، فرعون کا غرق ہونا، وادیٔ سینا کے واقعات اور قوم کا سلوک، سب واقعات پر غور کرنے سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ انبیاء تک کو بھی اپنی ذات کے لیے کسی نقصان و تکلیف کو رفع کرنے کا اختیار کوئی نہ تھا۔

وَلَا يَمْلِكُونَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُورًا ــــــ موت زندگی اور موت کے بعد دوبارہ اٹھانا یہ سب خدا کی صفات ہیں یہ انسانوں کے خود ساختہ معبود ان کاموں میں سے کوئی بھی نہیں کر سکتے۔ یہ نہ تو کسی کو مار سکتے ہیں۔ اور نہ ہی زندہ کر سکتے ہیں اور نہ ہی کسی مردہ کو اٹھا کر لا سکتے ہیں۔ اس معاملہ میں انبیاء تک بے بس ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے ایک فرزند عطا کیا والدین کو اپنے بچوں سے جس قدر محبت ہوتی ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے بھی زیادہ محبت تھی۔ بچہ آپ کے ہاتھوں پر ہے اور اس پر نزع کا عالم طاری ہے سخت تکلیف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ اور زبان خاموش ہے لا يملكون لا نفسهم موتا ولا حيوة ولا نشوراً۔ آپ کو موت وحیات پر کوئی اختیار نہیں ہے۔ جب بچہ فوت ہو جاتا ہے تو آپ کی زبان سے یہ الفاظ نکلتے ہیں۔ العين تدمع والقلب يحزن ولا نقول الا ما يرضى ربنا به وانا بفراقك يا ابراهيم لمحزونون "آنکھیں بہہ رہی ہیں دل کو غم ہے اور ہم خدا کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کہتے۔ اے ابراہیم تیری جدائی سے ہم غم ناک ہیں"۔

اس سے پہلے جو آیت گذر چکی ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات بیان کی ہیں اَلَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

۱۔ خدا وہ ہے جو کہ زمین اور آسمانوں کا مالک ہے۔

۲۔ جس کی کوئی اولاد نہیں

۳۔ جس کا کوئی شریک نہیں۔

۴۔ جو خالق ہے۔

اس آیت میں لوگوں کے خود ساختہ معبودوں کے متعلق بتایا ہے کہ ان میں یہ خامیاں ہیں اور نقص ہیں۔ یہ نقائص بھی چار ہیں۔

وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَآءَ ۔۔۔۔۔۔ الخ

۱۔ وہ جعلی معبود خالق نہیں مخلوق ہیں ۔

۲۔ اپنی ذات کے نفع و نقصان کے مالک نہیں ہیں۔

۳۔ وہ زندگی اور موت پر قادر نہیں ہیں۔

۴۔ مردہ کو پھر اٹھانا ان کے بس کی بات نہیں ہے ۔

یہ چاروں صفات خدا کی ہیں اس لیے ان جھوٹے خداؤں کو چھوڑ کر سچے خدا کی طرف رجوع کرنا چاہیے ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ جمعہ ——— مرتب: چودھری عبدالواحد صاحب

مقام رسول صلی اللہ علیہ وسلم

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَٰذَا إِلَّا إِفْكٌ افْتَرَاهُ وَأَعَانَهُ عَلَيْهِ قَوْمٌ آخَرُونَ ۖ فَقَدْ جَاءُوا ظُلْمًا وَزُورًا ۝ وَقَالُوا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلَىٰ عَلَيْهِ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝ آیت ۴-۵

اور کافر لوگ قرآن کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ تو کچھ بھی نہیں نرا جھوٹ ہے جس کو اس (پیغمبر) نے گھڑ لیا ہے اور کچھ دوسرے لوگوں نے اس میں اس کی امداد کی ہے سو یہ لوگ بڑے ظلم اور جھوٹ کے مرتکب ہوئے۔ اور کافر کہتے ہیں کہ یہ قرآن پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں جن کو اس شخص یعنی پیغمبر نے لکھوا لیا ہے پھر وہی اس کو صبح و شام پڑھ پڑھ کر سنائی جاتی ہیں۔

سورۃ فرقان کی اس آیت سے قبل کی آیت میں خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی صفات کا ذکر ہے۔ منفی اور مثبت دونوں انداز سے ایسا بیان ہو چکا ہے کہ معبود حقیقی کی پہچان میں کوئی مشکل باقی نہ رہے۔ لوگوں کے خود ساختہ معبودوں کی خامیوں کی نشاندھی بھی کی ہے۔ توحید کے اس مضمون کے بعد مندرجہ بالا آیت سے نبوت کا ذکر شروع کیا ہے رسول کا مقام کیا ہے؟ منکرین نے آپ کے متعلق جن شبہات کا اظہار کیا تھا ان کے جوابات بھی دیئے ہیں۔

ہم ہر چیز پر مختلف طریقوں سے غور کرتے ہیں۔ ایک انسان کو دیکھ کر اس کے رنگ چہرہ اور تناسب اعضاء کو جانچتے ہیں۔ اس کے متعلق خوبصورت و بدصورت ہونے کی ایک رائے قائم کرتے ہیں۔ کاروباری طور پر کسی کے متعلق غور کرتے ہوئے اس کے غلط یا صحیح ہونے کی رائے جب قائم کرنے لگتے ہیں تو اس میں اس وضع اور رنگ کو کوئی وزن نہیں دیتے بلکہ اس

کے حالات کی برائی یا اچھائی اور امانت و دیانت کو سامنے رکھتے ہیں۔ قرآن کی تصدیق و تکذیب کے متعلق بھی یہی صورت ہے کہ اگر کوئی آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول برحق اور سچا نبی تسلیم کرے گا تو جبھی وہ قرآن کو ایک سچی کتاب مان سکتا ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جب تک پیغمبر نہ مانا جائے اس وقت تک قرآن مجید کو خدا کا کلام ماننا ممکن نہیں ہے۔ اگر کوئی اس ہستی کے متعلق ہی شک میں مبتلا ہو جس کے ذریعے سے قرآن ہم تک پہنچا ہے تو قرآن کی تصدیق کیسے کر سکتا ہے۔ ایک پیغام لانے والے کے متعلق جب یہ یقین ہو جاوے کہ وہ جھوٹا ہے تو اس کے لائے ہوئے پیغام کی کوئی وقعت باقی نہیں رہتی۔

مسیلمہ جس نے کہ نبوت کا دعویٰ کیا تھا اس کو ہم جھوٹا مانتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اس کی کتاب کو بھی مسترد کرتے ہیں۔

نبوت دین کے معاملہ میں اولین چیز ہے، دین کے تمام امور کا دارومدار اسی پر ہے قرآن مجید محفوظ ہے بالکل اسی حالت میں ہے جس میں نازل ہوا تھا۔ حروف آیات سب محفوظ ہیں پھر غیر مسلم تو میں قرآن پر غور کیوں نہیں کرتیں۔ وجہ صرف یہی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی برحق تسلیم نہیں کرتے۔

منکرین سنت کا معاملہ بھی عجیب ہے یہ لوگ سنت کی مخالفت کرتے ہیں سنت کو حجت نہیں مانتے غور کا مقام ہے کہ قرآن صاحب سنت کے واسطہ سے آیا ہے لیکن صاحب سنت کو وہ مقام دینے کے لیے تیار نہیں ہیں ان لوگوں سے مکہ کے مشرک کہیں زیادہ عقل اور دانش والے تھے ان لوگوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بحث کی۔ اصل بحث تو رسول ہی تھا اور ہے رسول کی تصدیق ہو گی جبھی اس پر آنے والی وحی کی بھی تصدیق ہو سکے گی۔ ہمارا حال کس قدر گیا گزرا ہے کہ ہم اسلام میں بھی شامل اور رسول پر بحث جاری ہے جس چیز کو ہم سمجھ لیتے ہیں مان لیتے ہیں اور جو سمجھ نہیں سکتے۔ اس کا کسی تامل کے بغیر انکار کر دیتے ہیں۔ واقعات کا انکار کرنے کی بجائے ان کے غلط یا ٹھیک ہونے پر بحث ہونی چاہیے بعض احادیث سے ڈر کر انکار نہیں کر دینا چاہیے بعض

شبہات سے گھبرا کر بھی انکار حدیث کرنا درست نہیں ہے غیر مسلموں کے سوالات کا جواب دینا چاہیے۔ انکار کرنا کوئی عقل مندی نہیں ہے۔

مشرکین مکہ کی بحث کا انداز ملاحظہ ہو۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم جھوٹا ہے، وحی غلط ہے جھوٹ ہے کچھ لوگ ایک سازش سے یہ سب کچھ کر رہے ہیں۔ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ ۣافْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ. انہوں نے بطور بحث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو آگے رکھا۔ ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ آج کا مسلم ان کفار کی طرح رسول پر اعتراض تو نہیں کرتا لیکن حدیث اور سنت کا انکار کرتا ہے وہ لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر تھے۔ اور انہوں نے جنگ بھی لڑی۔

افک کے معنی ہیں جھوٹ اور بنائی ہوئی بات اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہتے تھے کہ دوسرے لوگوں کی مدد سے تم یہ وحی تصنیف کرتے ہو۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آپ ان پڑھ ہیں۔ اکیلے یہ کام نہیں کر سکتے۔ خدا تعالیٰ نے کہا ہے فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا یہ بات بڑے ظلم اور جھوٹ کی ہے یہاں ان الزامات کے جواب میں صرف یہی الفاظ استعمال کئے ہیں۔ اور دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے اس اعتراض کا مفصل جواب بھی دیا ہے دوسری جگہ فرمایا ہے لِسَانُ الَّذِیْ یُلْحِدُوْنَ اِلَیْهِ اَعْجَمِیٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ یعنی اس سازش کے الزام کی نسبت جن کی طرف تم کرتے ہو عجمی ہیں اور قرآن مجید عربی مبین میں ہے ایک غیر ملکی فرد اہل زبان کے مقابلہ میں کیسے کامیاب ہو سکتا ہے مادری زبان والے کو سمجھانا ایک عجمی کے بس کی بات نہیں ہے۔

دوسرے جن لوگوں کے متعلق یہ الزام لگایا جاتا تھا یعنی یعیش، بلعام اور جبر یا تو فوت ہو گئے یا نقل مکانی کر گئے لیکن اس کے باوجود وحی کا سلسلہ جاری رہا۔ اگر یہ واعانہ علیہ قوم اخرون تھا تو اس کی غیر موجودگی میں یہ سلسلہ بند ہو جانا چاہیے ایسا نہیں ہوا جو اس کی صداقت پر شاہد ہے۔

اگر یہ جھوٹ اور من گھڑت کلام ہے یا بعض کی اعانت سے بنا لیا گیا ہے تو تم کیا ایسا نہیں بنا سکتے تم تو اہل زبان ہو یہ دعوی کہ ایسا کلام بنا کر پیش کیا جاوے آج تک قائم ہے

ان جوابات میں سے کسی چیز کا ذکر نہیں کیا گیا بلکہ صرف یہ کہہ دیا گیا ہے فقد جاءوا ظُلْماً وَزُوْراً۔ یعنی تم لوگ کیسی بے انصافی اور جھوٹی بات کرتے ہو۔

دین اسلام میں پہلا مرحلہ نبی کی صداقت ہے دوسرا مرحلہ (کتاب اللہ کی سچائی) بعد میں آئے گا۔ اگر آپ صادق ہیں تو وحی درست ہے جس طرح قرآن درست ہے اسی طرح رسول صلی اللہ علیہ وسلم زندگی کے باقی گوشوں میں بھی سچا ہے ایک جھوٹی حدیث کو آڑ بنا کر سب احادیث کو مسترد کر دینا غلط ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری زندگی میں کبھی بھی جھوٹ نہیں بولا۔ منکرین حدیث کے خیال کے مطابق تو اس معاملہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ الزام آتا ہے۔ چودہ سو سال میں کسی نے یہ الزام نہیں لگایا اب یہ شبہ کیوں کر پیدا ہوا ہے یہ صرف مقام نبوت کو ٹھیک طور پر نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے۔

مشکلات کی وجہ سے احادیث کا انکار نہیں بلکہ ان کا حل ہونا چاہیے۔ غور کیجئے ملک کے اندر ایک قانونی حکومت ہے عدالتیں ہیں اس کے باوجود بعض غلط فیصلے بھی ہو رہے ہیں تو کیا عدالتوں کو ختم کر دینا چاہیے ؟ پولیس ہے اور مقدمات بنائے جاتے ہیں پولیس کی طرف سے بعض مقدمات غلط بھی ہوتے ہیں کیا اس وجہ سے اس نظام کو ختم کر دینا چاہیے بے شمار جھوٹے گواہ موجود ہیں کیا اس بنا پر نظام شہادت کو خیرباد کہہ دینا چاہیے۔ یقیناً ایسا نہیں ہو گا اور نہ ہی کوئی عقل والا ایسا مطالبہ کرے گا۔

کیا چند احادیث کی وجہ سے تمام ذخیرہ احادیث کو ختم کر دینا چاہیے؟ محدثین کرام نے جھوٹوں کا پول اچھی طرح کھول دیا ہے۔ اور صحیح احادیث کو چھان پھٹک کر الگ کر دیا ہوا ہے

وَقَالُوٓا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ۔ ۔ ۔ ۔ بات بالکل وہی ہے البتہ تنوع ہے۔

قرآن مجید میں دو قسم کے ارشادات ہیں۔

۱۔ ٹھوس حقائق کا ذکر۔ احکام، حدود، اور فرائض کا تذکرہ۔

۲۔ واقعات کا ذکر، انبیاء کے قصے مختلف انداز اور مختلف نتائج کے لحاظ سے حالات کا ذکر یہ صرف کہانیاں اور قصے نہیں ہیں بلکہ ان میں دلائل اور شواہد ہیں۔ بظاہر یہ الزام درست ہے کہ اساطیر الاولین ہیں لیکن یہ بات صرف سطحی نظر رکھنے والا ہی کہہ سکتا ہے

لیکن اصل ان میں استشہاد ہے۔

قرآن کا مقابلہ کرنے کے لیے رستم واسفندیار کے قصے لائے گئے تھے اور بڑے اہتمام سے سنائے جاتے تھے مگر کامیابی نہ ہوئی۔ حضرت ابوبکرؓ اپنے مکان کے احاطے کے اندر قرآن پڑھتے تھے اور عورتیں بچے والہانہ طور پر سننے کے لیے دوڑتے تھے۔ یہ ذوق و شوق کہانیوں کے لیے نہ تھا۔ صداقت کے لیے تھا۔

اس سارے معاملہ میں بحث کی روح ذات رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے سنت اور مقام نبوت ہے ہر معاملہ میں ذات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اور اس کی سنت کو سامنے رکھنا چاہیے۔ اہل بدعت اور اہل سنت میں یہی فرق ہے کہ وہ اس معاملہ میں ذاتی خیال کو ترجیح دیتے ہیں جب کہ اہل سنت کا موقف یہ ہے کہ اصول کے مطابق عمل ہونا چاہیے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ جمعہ ———— مرتب: چودھری عبدالواحد صاحب

"یعلم السر" کی تفسیر

قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ○ سورۃ فرقان آیت ۶

کہہ دیجئے اسے اس ذات نے اتارا ہے جو آسمان و زمین کے اسرار جانتا ہے تحقیق وہ غفور رحیم ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور شخصیت مخالفین کے لیے ایک مشکل معمہ بن گئی تھی۔ جب آپ کی عادات اخلاق اور رہن سہن کو دیکھتے تو مجبور ہو جاتے کہ آپ کو سچا کہیں دوسری طرف ان کی اپنی عادات، آباؤ اجداد کی رسمیں حائل ہوتی تھیں اور ذہن میں انکار آتا تھا۔ تشویش ہوتی تھی۔ انہوں نے جرأت کی اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی۔ قرآن کو جھوٹ کہا۔ کہہ دیا کہ بعض لوگوں کی سازش (عجمی سازش) سے قرآن بن رہا ہے لیکن اپنے طرز عمل سے خود ہی تردید کرتے جاتے تھے۔ اس دلیل کو اور اس الزام کو قوی نہیں سمجھتے تھے۔ ان کا ذہن اس کا اباء کرتا تھا۔ اس لیے انہوں نے پھر یہ کہا "اساطیر الاولین" یہ پہلوں کی تحریر کردہ کہانیاں ہیں۔ کلام الٰہی نہیں ہے۔ یہ ان کی ذہنی مشکل اور دماغی تشویش تھی۔ قرآن نے ان کے الزامات کا بڑا مختصر لیکن جامع جواب دیا ہے۔ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ ----۔ قرآن کا جواب اپنے اندر ایک اعجاز رکھتا ہے۔ عبارت الفاظ اور انداز بیان ایسا ہے کہ اس کی مثال اور نظیر پیدا کرنا انسانوں کے بس میں نہیں ہے ارشاد باری ہے کہ اس کلام کو اس ذات نے نازل کیا ہے کہ جو آسمانوں اور زمین کے اسرار سے آگاہ ہے۔

اگر یہ کلام تمہارے الزام کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے یا اس نے کسی دوسرے کی مدد سے بنا لیا ہے ایسی صورت میں تو مقابلہ بڑا آسان ہے۔ تم بھی

ایسا کلام بنالو۔

فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِنْ مِثْلِهِ .... خود اور ساری دنیا کی مدد سے ۱۱۴ سورتوں کے مقابلہ میں ایک سورت ہی بنا کر دکھاؤ۔ یہ دعوی آج تک قائم ہے۔ تو جب تم ایسا نہیں کر سکتے تو یہ ثابت ہوا کہ یہ کسی انسان کا بنایا ہوا کلام نہیں ہے بلکہ خدا کا نازل کردہ ہے۔

عرب کے فصحاء مشہور ہیں۔ لاکھوں کے مجمع میں قصیدے پڑھتے تھے اور داد لیتے تھے اس قدر با اثر تھے کہ قبائل کے درمیان صلح کی ذمہ داری ان پر ہوتی تھی۔ حج کے بعد مسجد خیف کے قریب ہر سال بے مثال مشاعرے ہوتے تھے۔ اس پایہ کے شاعر ہونے کے باوجود کوئی بھی اس طرح کا کلام پیش نہ کر سکا۔ اس دعوی کے جواب میں مکمل خاموشی طاری رہی۔ وجہ صرف یہ ہے اور تھی کہ اس کلام کو نازل کرنے والا یعلم السر فی السموت والارض ہے مقابلہ خدا سے ہے جو ہمہ داں ہے انسانی سطح پر جو مقابلہ ہوتا ہے اس میں مادی وسائل کا ہی اثر ہوتا ہے۔ یہاں مقابلہ مادی وسائل کے مالک سے ہے۔ آسمانوں اور زمین کے تمام راز اس کے سامنے عیاں ہیں۔ یعلم السر (الغیب عندہ شہادۃ) تمام غیب اس کے سامنے ظاہر ہیں۔ رسول جو کچھ فرما رہے ہیں وہ خدا کا فرمان ہے۔ اصل مقابلہ خدا سے ہے۔

سِرّ: بھید وہ جو زبان سے نہ نکلا ہو دل اور دماغ کی گہرائیوں میں ہو غیب اور پوشیدہ چیزوں کے معنی میں استعمال کیا ہے غیب کا علم صرف خدا کو ہے۔ انبیاء کرام خبریں دیتے رہے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن واقعات کے متعلق فرمایا تھا کہ ایسے ہوگا۔ یہ صرف خدا تعالیٰ کے بتانے پر ہی بتایا تھا۔ غیب کوئی رسول نہیں جانتا۔ سمندر کی تہہ میں کیا ہے ہوا میں کیا ہے اور نظر نہ آنے والی چیزوں کا علم صرف خدا کو ہے اس پر خدا کا ہی علم حاوی ہے۔ یعلم السر کا مطلب یعلم الغیب ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش گوئیاں کی ہیں یہ سب خدا کے بتانے پر ہوا۔

رومیوں کے غلبہ کی پیش گوئی کی۔ غُلِبَتِ الرُّومُ فِي أَدْنَى الْأَرْضِ وَهُمْ مِنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُونَ فِي بِضْعِ سِنِينَ (روم)

رومی اہل کتاب تھے اور ایرانی آتش پرست۔ لڑائی میں رومی شکست کھا گئے تو مکہ والوں نے شور مچایا اسی طرح ہمیں فتح ہوگی کیونکہ ہم بھی ایرانیوں کا سا دین رکھتے ہیں۔ یہ پیش گوئی نازل ہوئی جو پوری ہوئی۔ اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ ہے اس میں فرمایا:
ذٰلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ " یہ غیب کی خبریں ہیں جو آپ کی طرف وحی کے ذریعے سے آرہی ہیں۔ آپ وہاں موجود نہ تھے رسول صلی اللہ علیہ وسلم غیب دان نہیں ہے
مَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقُونَ أَقْلَامَهُمْ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ۔ حضرت زکریاؑ اور مریمؑ کے واقعہ میں فرمایا کہ جس وقت وہ مریم کی کفالت کا معاملہ طے کر رہے تھے آپ وہاں موجود نہ تھے۔ یہ غیب کی خبریں تھیں جو ہم نے بتا دی ہیں۔ حاضر و ناظر کہنے والے ابھی پیدا بھی نہ ہوئے تھے۔

بعض دفعہ نیک لوگوں کو خواب سے بعض امور کی خبر ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ علم الاسرار نہیں ہے۔

انه کان غفورا رحیما ہ مطلب یہ ہے کہ وہ غلطی کے بعد معاف کر دیتا ہے لڑائی کر کے مایوس نہ ہو جاؤ کہ اب ہم ہمیشہ مخالف ہی رہیں گے۔ کہ ہمارے گناہ معاف نہیں ہو سکتے بلکہ ذہن صاف کر کے آجاؤ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلٰى أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ۔

خدا کی رحمت سے مایوس اور ناامید نہ ہو بلکہ توجہ کرو وہ یقیناً سب کچھ معاف کر دے گا۔ اسباب گناہ کو ختم کر دے گناہ سے توبہ کرے برائی چھوڑ دے لیکن گناہ بھی کرتا رہے اور بخشش بھی طلب کرتا رہے۔ برائی پر مصر بھی رہے اور معافی و توبہ بھی جاری رہے یہ طرز عمل بالکل غلط ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بدترین مخالفوں کو مخاطب کر کے فرمایا جا رہا ہے۔ انه کان غفورا رحیما۔ وہ یقیناً بخشنے والا مہربان ہے اس کا دروازہ ہر آن کھلا ہے اب بھی موقعہ ہے کہ مخالفت ترک کر کے حاضر ہو جاؤ۔ تمہارے تمام گناہ معاف کر دیئے جاویں گے۔

نیز عذاب کے نازل کرنے سے قبل ایک طرح کی مہلت بھی ہے اور شان رحیمی کا اظہار بھی !!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ جمعہ ———— مرتب چودھری عبدالواحد صاحب

رسول بشر ہوتا ہے

وَقَالُوا مَالِ هٰذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ ۙ لَوْلَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُونَ مَعَهُ نَذِيرًا ۙ أَوْ يُلْقَىٰ إِلَيْهِ كَنْزٌ أَوْ تَكُونُ لَهُ جَنَّةٌ يَأْكُلُ مِنْهَا ۚ وَقَالَ الظَّالِمُونَ إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَسْحُورًا ۝ انْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوا لَكَ الْأَمْثَالَ فَضَلُّوا فَلَا يَسْتَطِيعُونَ سَبِيلًا ۝

اور انہوں نے کہا اس پیغمبر کو کیا ہے کھانا کھاتا ہے بازاروں میں چلتا ہے اس کے ساتھ فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا تاکہ وہ اس کے ساتھ ڈرانے والا ہوتا یا ڈالا جائے اس کی طرف خزانہ یا اس کے پاس باغ ہو جس سے وہ کھائے۔ اور ظالموں نے کہا تم ایک جادو کئے گئے شخص کی پیروی کرتے ہو۔ دیکھئے انہوں نے آپ کے لیے کیسی مثالیں بیان کیں پس گمراہ ہوئے اور راستہ نہیں پا سکتے۔

مشرکین مکہ کو یہ بات عجیب معلوم ہوتی تھی کہ ان ہی کی قوم اور جنس کا ایک فرد رسول ہو ان کے لیے یہ حیرانی کی بات تھی کہ ایک انسان پر خدا کا کلام نازل ہو۔ بَلْ عَجِبُوا أَنْ جَاءَهُمْ مُنْذِرٌ مِنْهُمْ فَقَالَ الْكَافِرُونَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيبٌ (ق) "انسان اور نبی" ان کی عقل اس کو ماننے کے لیے تیار نہ تھی اور "الرسول" کے لفظ کو وہ مذاق کے انداز میں استعمال کرتے تھے۔ یہ پیغمبر کیسا ہے؟ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ ———— روٹی کھاتا ہے اور خرید و فروخت کے لیے بازار میں آتا جاتا ہے۔

ان کے خیال کے مطابق نبی ایسا ہونا چاہیے کہ اس کو روٹی کھانے کی حاجت نہ ہو وہ بازار میں آوے نہ جاوے یعنی پیغمبر انسان نہیں فرشتہ ہونا چاہیے اَبَعَثَ اللّٰہُ بَشَرًا رَّسُولًا (بنی اسرائیل) کیا خدا نے ایک بشر کو رسول بنا کر بھیج دیا ہے ہم اس پر ایمان لانے کے لئے تیار نہیں ہیں یہ ذھن آج بھی ہے وہ لوگ جانتے تھے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کی قوم کے ایک فرد ہیں۔ ان کی نسل سے ان کا تعلق ہے لیکن وہ آپ کو اسی وجہ سے رسول نہیں مانتے تھے۔ کچھ لوگ اس زمانہ میں ایسے ہیں کہ وہ آپ کو رسول تو مانتے ہیں لیکن یہ نہیں مانتے کہ آپ بشر تھے۔ یہ لوگوں کا خود ساختہ معیار ہے پہلی کتابوں میں بھی یہ معیار نہ تھا۔

انبیاء کرام نبوت سے پہلے بھی معاش کے لیے کوشش کرتے تھے اور بعد میں بھی کرتے رہے۔ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تجارت کرتے رہے ہیں ما آپ کو بھوک لگتی تھی اور کھانا کھاتے تھے۔ بازار بھی جاتے تھے۔ ایک گوشت پوست کا آدمی جو کھانے پینے کا بھی محتاج ہو اور جو اپنی ضروریات کے لیے کام کاج بھی کرے وہ انسانوں کی ہدایت کے لیے کیوں ضروری ہے۔ اس سوال کا جواب خود اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا (بنی اسرائیل) اگر زمین پر فرشتے آباد ہوتے تو ان کے لیے ایک فرشتہ کو ہی رسول بنا کر بھیجا جاتا۔" اب چونکہ زمین پر انسان آباد ہیں اس لیے ان کی ہدایت کے لیے ایک انسان ہی کو رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ رسول کا کام صرف پیغام ہی پہنچا دینا نہیں بلکہ اسوۂ حسنہ بھی پیش کرنا ہے اور اسوہ ہم جنس کا ہی حجت ہو سکتا ہے جو آدمی قرآن کا بالکل سادہ ترجمہ بھی پڑھتا ہے اور احادیث کا مطالعہ کرتا ہے ممکن نہیں ہے کہ وہ اس معاملہ میں کسی بھی شبہ میں مبتلا ہو۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بشر تھے اور انسانوں کی تمام خصوصیات آپ میں موجود تھیں آپ متواتر کھانا کھاتے حضرت علیؓ نے ایک مرتبہ اندازہ کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ پر بھوک کے آثار ہیں خود ان کے پاس بھی کھانے کو کچھ نہ تھا۔ آپ ایک یہودی کے باغ میں گئے باغ کو پانی دیا اور

وہاں سے مزدوری میں کھجوریں لاکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کھلائیں۔

آج بھی یہ ذہن موجود ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ آپ بشر نہیں ہیں۔ قرآن نے اس مسئلہ کو بار بار مختلف انداز سے واضح کیا۔

سورۂ کہف میں آپ زبان سے واضح فرمایا :

قُلْ إِنَّمَآ أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰٓ إِلَيَّ ۔ کہہ دیجیے میں تو ایک انسان ہوں تم ہی جیسا میری طرف وحی کی جاتی ہے۔

بعض جاہل یہ کہہ دیتے ہیں کہ لبادہ تو بشریت کا تھا لیکن حقیقت میں آپ نور تھے سورۂ انعام میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے اس مطالبہ کا ذکر کیا ہے کہ فرشتہ نازل ہونا چاہیے تھا جواب میں ارشاد باری ہے :

وَلَوْ جَعَلْنَٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنَٰهُ رَجُلًا وَلَلَبَسْنَا عَلَيْهِم مَّا يَلْبِسُونَ

"یعنی اگر فرشتہ آتا تو وہ بھی انسانی شکل میں ہوتا اور اس سے ان کفار کو وہی شک اور شبہ ہوتا۔"

یہ مسئلہ بالکل صاف اور واضح ہے لیکن تعصب اور جہالت کی وجہ سے خواہ مخواہ اس کو الجھایا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ تو انسانوں پر اپنے اس احسان کا ذکر کرتے ہیں کہ ان پر ان کا ایک ہم جنس رسول بھیجا گیا ہے۔ ہمارے ان مہربانوں کا معاملہ بھی عجیب ہے کہ یہ اور تو سب کچھ مانتے ہیں لیکن ان کو انسان و بشر ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

آل عمران میں ارشاد باری تعالیٰ ہے :

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ

حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر احسان کیا جب کہ ان میں ان ہی کی جنس سے ایک رسول بھیجا۔

اسی طرح سورۂ جمعہ میں فرمایا هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی جو دعا مانگی تھی اس میں بھی اس کا ذکر ہے۔ ربنا وابعث فیھم رسولا منھم

لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَیْہِ مَلَکٌ فَیَکُوْنَ مَعَہٗ نَذِیْرًا۔ یعنی بالفرض اگر کسی انسان کو ہی نبی بنانا تھا تو اس کے ساتھ ایک فرشتہ ہی کر دیا جاتا جو ان لوگوں کو ڈراتا جو اس کو نبی ماننے کے لیے تیار نہ ہوتے۔

اَوْ یُلْقٰٓی اِلَیْہِ کَنْزٌ اَوْ تَکُوْنُ لَہٗ جَنَّۃٌ یَّاْکُلُ مِنْھَا اور اگر کوئی فرشتہ بھی ساتھ نہیں کرنا تھا تو ایسا تو ہوتا کہ خدا تعالیٰ اپنے رسول کو خوش حالی سے رکھتے۔ بہت بڑے خزانے کے مالک ہوتے یا کم از کم ایسا ہوتا کہ ایک باغ ان کے تصرف میں ہوتا جہاں سے پھل وغیرہ کھا سکتے یعنی خرید و فروخت اور معاش کی فکر سے آزاد ہوتے۔

اُنْظُرْ کَیْفَ ضَرَبُوْا لَکَ الْاَمْثَالَ....... یعنی کیسی عجیب عجیب باتیں کرتے ہیں بالکل بے سرو پا باتیں یہ خود چونکہ اپنے کسی اعتراض پر مطمئن نہیں ہیں اس لیے کوئی ٹھکانے کی بات ان کو سوجھ ہی نہیں رہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ رسول مانتے ہیں۔ حالانکہ ان کے پاس نہ خزانہ تھا نہ باغ نہ وہ خود فرشتہ تھے نہ ہی کوئی فرشتہ ان کے ساتھ لوگوں کو ڈرانے کے لیے ہوتا تھا۔ وہ تو بکریاں چرا کر گزارہ کرتے تھے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خطبہ جمعہ ——— مرتب : چودھری عبدالواحد صاحب
جو آپ نے سالانہ اہلحدیث کانفرنس لاہور ۶۷ء کے موقعہ پر ارشاد فرمایا!

مقام دعوت الی اللہ اور اس کی مشکلات

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَی اللّٰہِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔ (سورۃ حٰمٓ السجدۃ آیت ۳۳)

اور اس سے بہتر کس کی بات ہے جو لوگوں کو اللہ کی طرف بلائے اور خود بھی نیک عمل کرے اور کہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔

یہ آیت حٰمٓ السجدۃ کے چوتھے رکوع کی پہلی آیت ہے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دعوت الی اللہ کے مقام کی شان بیان کی ہے اس کی افادیت کا ذکر کیا ہے اصلاح خلق کے لیے کام کرنے والوں کو جو مشکلات پیش آتی ہیں ان کے حل کا بھی ذکر کیا ہے اس سلسلہ میں بنیادی ہدایات دی ہیں۔

اس سے پہلے اسباب استقامت کا ذکر فرمایا ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا۔ کوئی آدمی ربنا اللہ کہتا ہے تو وہ ذات حق کی ربوبیت کا اقرار کرتا ہے اس اقرار کے بعد اس پر ایک ذمہ داری پڑجاتی ہے اور اس کو اس میں استقامت دکھانی چاہیے ثابت قدمی کے بعد ملائکہ آتے ہیں۔ اس آیت اور جو آیت میں نے خطبہ میں پڑھی ہے ---- کے درمیان خاص ربط ونظم ہے اس آیت میں داعی کے متعلق بتایا گیا ہے کہ اس میں کیا صفات ہونی چاہییں وہ صفات کلمۂ توحید کا اقرار، حق تعالیٰ کی ربوبیت کا مکمل یقین، مخلوق کے سامنے اس کا اعلان اور اس کے بعد اس پر استقامت۔

۲۔ دوسری آیت میں دعوت الی اللہ کے اصول بیان فرمائے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والا ساری مخلوق میں بہترین شخص ہوتا ہے اور اس کی

گفتگو بے حد قابل قدر ہوتی ہے۔ ابن جریر، رازی، مظہری، ابن کثیر وغیرہ اکثر مفسرین نے اللہ کی طرف پکارنے والوں کی اقسام کا ذکر کیا ہے اس تذکرہ میں انبیاء کرام کا سب سے پہلے ذکر کیا ہے سب سے پہلے داعی انبیاء ہی ہوتے ہیں۔ اس کے بعد ارباب جہاد علماء اور سلاطین۔

کوئی بھی بادشاہ و حاکم جو اس کام سے گریز کرتا ہے وہ قانون الٰہی میں مجرم ہے۔ علماء حق، صلحاء امت ہمیشہ اللہ کی طرف لوگوں کو پکارتے رہے ہر آدمی کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے حلقہ اثر میں اس فرض کو ادا کرتا رہے۔

لَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ۔ ہر مسلمان پر ایک مقام پر یہ فرض ہے وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ۔

دعوت الی اللہ اہل ایمان کا اصل کام ہے اور دنیا میں اس سے بہتر کوئی کام نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے عجیب سوالیہ انداز میں یہ امر مسلمان کو ذہن نشین کرایا ہے۔

۱۔ خود نیک عمل کرو۔

۲۔ لوگوں کو خدا تعالیٰ کی طرف بلاؤ۔

۳ اپنے اسلام کا کھلم کھلا اعلان کرو۔

بعض ائمہ تفسیر نے دعا الی اللہ کا مطلب بیان کرتے ہوئے حصر اور تخصیص کرتے ہوئے یہ کہا ہے اس سے مراد اذان ہے اور اس میں مؤذن کی شان بیان ہوئی ہے الفاظ پر غور کیا جائے تو ایسا محسوس نہیں ہوتا۔ ان الفاظ میں بہترین انداز سے ایک حکیمانہ دعوت دی گئی ہے صرف اذان سے ان الفاظ کو خاص کرنا محل نظر ہے اذان مدینہ میں مقرر ہوئی تھی اور یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی۔ ابو سفیان کے خسر عتبہ نے مکہ میں قریش کے سرداروں کے مشورہ سے آپ سے ملاقات کی تھی۔ چند شرائط پیش کی تھیں اس میں مال حکومت اور جنون کے علاج کی پیش کش کی تھی۔

اس کے جواب کے طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ حٰم السجدہ تلاوت

کی تھی بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ آپ کی زبان سے جس وقت اَنْذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً مِثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍ وَثَمُوْدَ ۔ نکلے تھے تو عتبہ نے اچانک آپ کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا تھا حضرت عمر کے ایمان لانے سے قبل یہ سورت نازل ہو چکی تھی۔ اس لیے اس آیت "وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا اِلَى اللّٰهِ" کو موذن واذان سے خاص کرنا محل نظر ہے یہ آیت عام آیت ہے ہر مسلمان کو داعی الی اللہ ہونا چاہیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے داعی الی اللہ تھے دگرگوں حالات میں بھی دعوت الی اللہ کا فرض ادا کرتے رہے۔ کلمہ توحید اور مقام نبوت ان کا تقرر اور تعیین اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔ دعوت الی اللہ کیا ہے؟ کلمہ کے دونوں جزو دعوت الی اللہ ہیں اور اگر نبوت کے مقام کو نہ سمجھا جائے تو دعوت الی اللہ کا کوئی مقام نہیں۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى۔ آپ کا نطق خدا کے فرمان کے مطابق ہے پہلا داعی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ کے بعد کوئی داعی ایسا نہیں ہوا ختم نبوت کا مطلب بھی یہی ہے۔ علماء صلحاء، فقہاء، محدث، ائمہ سب دعوت کا کام کرتے رہے ہیں۔ لیکن ایسا ایک بھی نہیں جس سے لغزش نہ ہوئی ہو۔ مقام محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ بات نہیں ہے وہاں لغزش کا سوال ہی نہیں ہے کیونکہ وہ ہر وقت خدا تعالیٰ کی حفاظت میں ہوتا ہے۔

ہر دعوت کے پیش کرنے والے کو عموماً تین مراحل سے گذرنا ہی پڑتا ہے:

۱۔ عدم توجہ کا مرحلہ

۲۔ اختلاف کے طوفان کا دور

۳۔ کامیابی کا مرحلہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی قوت نہ تھی صرف چند مقدس لوگ تھے جو اپنے طریق پر دعوت دیتے تھے۔ مکہ کی وادی میں یہ کام ہوتا رہا مکہ میں وہ اثرات جو کہ داعی چاہتے تھے نہ ہوئے تو علاقہ میں سفر کرتے اور دعوت دیتے۔ گھر اور باہر ہر جگہ دعوت دی، لا الٰہ الا اللہ کی دعوت جاری رہی اور دوسری طرف خدا کے گھر میں بتوں کی پوجا ہوتی رہی۔ آپ نے انفرادی واجتماعی طور پر بھی دعوت دی مدینہ سے بارہ آدمیوں

کا گروہ آتا ہے اور بات سن کر اسلام قبول کر لیتا ہے اگلے سال ، ۷ آدمی آ کر اس دعوت کو قبول کرتے ہیں۔ کچھ عرصہ بعد جب مدینہ میں اس دعوت کے اثرات بڑھ جاتے ہیں تو مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم ہوتا ہے۔ وہاں دعوت کا رنگ بدل جاتا ہے مدینہ میں نظم اور قوت حاصل ہوئی حدیبیہ کی صلح کی شکست کے بعد مکہ فتح ہوتا ہے تو ایک منٹ کی تاخیر سے قبل تمام بتوں سے بیت اللہ کو صاف کر دیا جاتا ہے اس معاملہ میں کوئی سودا بازی نہیں کی۔ اس سے قبل تمام عرصہ بتوں کی مذمت اور زبانی تلقین توحید جاری رہی لیکن طاقت و قوت آتے ہی اس کام کو مکمل کیا اور دعوت کی تکمیل کر دی۔ آپ نے دعوت کے تمام مراحل میں اپنے قدم سوچ سمجھ کر رکھے نبوت کے ساتھ ساتھ انسانیت کا کمال انتخاب کوئی بھی ایسا نہیں ہے ہم بھی دعوت اور تبلیغ میں مشغول ہیں بلکہ یہ کام بڑے زور شور سے ہو رہا ہے لیکن عام طور پر انداز غلط ہیں اور مفید باتیں غلط موقع پر پیش کی جا رہی ہیں دعوت کے لیے اسالیب درست اختیار کرنے کی ضرورت ہے صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے اختیار کئے۔

دعوت کا کام بے حد اہم ہے داعی اگر غلطی کر جائے تو اس کے اثرات بے حد گہرے اور دور تک ہوتے ہیں اس لیے ضروری ہے کہ داعی اپنے ماحول کے حالات سے بخوبی واقف ہو لوگوں کے رجحانات اور عادات کا اس کو پورا علم ہو جس طرز کی بھی زندگی وہاں کے لوگ بسر کر رہے ہوں اس سے وہ پوری طرح باخبر ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کی طرف ہجرت کرتے ہیں لیکن مدینہ میں داخل ہونے سے قبل ۱۵ دن تک قبا میں قیام کرتے ہیں قبا کے قیام کے دوران آپ کو وہاں کے حالات کا بخوبی اندازہ ہو گیا وہاں قبائلی زندگی تھی۔ ہر قبیلہ کا خیال اور خواہش یہ تھی کہ آنے والے سے وہ فائدہ اٹھائے عیسائی، یہودی اور عربی سب آپ سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے قبا سے ۱۵ دن بعد آپ نکلتے ہیں اور اونٹنی کی مہار چھوڑ دیتے ہیں راستہ میں مختلف قبیلوں کے لوگ اونٹنی کو روکنا چاہتے ہیں تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں قیام کریں لیکن فرماتے ہیں " ذروھا " اس کی مہار چھوڑ دو یہ جہاں اپنے آپ

بیٹھے گی وہی میری قیام کی جگہ ہو گی۔ ابو ایوب انصاری کے مکان کے سامنے اونٹنی بیٹھ گئی وہاں پر ہی آپ نے مسجد نبوی تعمیر کی۔ گویا اونٹنی آج تک وہاں ہی بیٹھی ہے۔

اگر آپ یہ طریقہ اختیار نہ کرتے تو دعوت قبائلی عصبیت کا شکار ہو کر ابتدائی مرحلہ میں ہی ختم ہو جاتی گروہی جنگ سے بچنے کے لیے آپ نے یہ طریقہ استعمال کیا۔

مدینہ میں جا کر دعوت کا رنگ بدل گیا۔ یہاں طاقت اور قوت ملی۔ اجتماعی نظم اور حکومت قائم ہوئی اللہ تعالیٰ نے دعوت میں برکت عطا کی۔ ۱۰ سال کے عرصہ میں ایک انقلاب برپا ہو گیا۔ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا کا سماں بندھ گیا۔ اجتماعی نظم اور دعوت کے اثرات میں خاص تعلق ہے غور کیجیے کہ مکہ کی انفرادی دعوت ۱۳ سال جاری رہی اور ۸۰ کے قریب مخلص حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ جبکہ مدینہ میں قیام حکومت و سلطنت کے بعد ایک لاکھ سے زیادہ کلمہ گو ۱۰ سال کے عرصہ میں اسلام کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ جمعہ ______ مرتب: حافظ محمد قاسم خواجہ صاحب

مقامِ صحابہؓ

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ تَرٰھُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا سِیْمَاھُمْ فِیْ وُجُوْھِھِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِکَ مَثَلُھُمْ فِی التَّوْرٰۃِ وَمَثَلُھُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ کَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَہٗ فَاٰزَرَہٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِہٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِھِمُ الْکُفَّارَ وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْھُمْ مَّغْفِرَۃً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا۔ سورۃ فتح آیت آخری

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں کافروں پر سخت اور آپس میں رحمدل ہیں۔ تو دیکھتا ہے انہیں رکوع اور سجدے کرتے ہوئے وہ اللہ کا فضل اور اس کی رضامندی کی جستجو میں ہیں۔ ان کا نشان ان کے چہروں پر ہے سجدے کے اثر سے۔ یہ ہے مثل ان کی توراۃ میں اور مثال ان کی انجیل میں۔ جیسے کھیتی نے نکالا پٹھا اپنا۔ پھر اس کی کمر مضبوط کی۔ پھر وہ موٹا ہو گیا۔ پھر کھڑا ہو گیا اپنی نال پر خوش لگتا ہے کسانوں کو تاکہ چڑائے ان کے ساتھ کافروں کو۔ وعدہ دیا اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور اچھے عمل کئے ان میں سے معافی کا اور بڑے اجر کا۔

اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اور صحابہ کرام کی منقبت کو جامع اور عمدہ پیرایہ بیان میں ذکر کر کے ان کے لیے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کیا گیا ہے یہ ایک

بہترین تحسین ہے جو خود خداوند تعالیٰ نے صحابہ کے حق میں فرمائی
اس سے صحابہؓ کی عظمت عیاں ہوتی ہے جہاں تک رسالت
مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وتوقیر کا تعلق ہے وہ تو خیر کبھی متنازعہ فیہ نہیں رہی البتہ
صحابہؓ کو ایک گروہ ضرور برے اور گھٹیا الفاظ سے یاد کرکے "ثواب دارین" حاصل
کرتا ہے۔

سورۂ حج کا تذکرہ جاری تھا آج سلسلہ سے ہٹ کر اس موضوع پر کچھ کہنے
کی ضرورت اس لیے محسوس ہوئی کہ ماہ محرم میں شیعہ دوستوں کی طرف سے بعض دفعہ
اہل سنت کو ناگوار قسم کی گفتگو سننا پڑتی ہے اگر یہ اہل بیت رضوان اللہ علیہم کی مدح
پر اکتفا کریں تو ہمیں خوشی ہے مبالغہ ہو جائے تو بھی قابل برداشت ہے لیکن وہ ایک
قدم آگے بڑھ کر صحابہ کرام کے متعلق بدگمانی پھیلانا شروع کر دیتے ہیں ان کی عیب چینی
ان کے ہاں عبادت قرار دی گئی ہے جو تنقید یہ کرتے ہیں۔ وہ یا تو سراسر غلط اور
بے سروپا ہوتی ہے اور اگر اس میں کچھ واقعیت ہو بھی تو طرز بیان اتنا غیر منصفانہ ہوتا
ہے کہ اسے کذب وافتراء سے زیادہ کچھ اہمیت حاصل نہیں۔

اپنا ایمان تو یہ ہے کہ تمام صحابہؓ خدا کے نیک بندے اور پیغمبر آخر الزماں صلی
اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکرم اور خوش نصیب ساتھی تھے ہمارے دل میں اہل بیت
نبوی کا وہی احترام ہے جس کے وہ لائق ہیں۔ یہ شیعہ پر احسان نہیں ہمارا مذہب ہی
یہ ہے ہم اس کے لیے مجبور ہیں وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو گالیاں دیتے ہیں ہم اس کا
انتقام علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے نہیں لے سکتے۔ یہ دونوں بزرگ نہایت اونچا درجہ
رکھتے ہیں ہمارا جی نہیں چاہتا ان میں سے کسی کو برا کہیں۔

شیعہ بے شک خدا رسول اور حشر نشر پر ایمان رکھنے کے لحاظ سے اہل سنت
کے ساتھ متفق ہیں اور دونوں کا کلمہ ایک ہے لیکن صحابہ کے معاملہ کو بھی غیر اساسی نہیں
کہا جا سکتا اگر ان کبار صحابہؓ تک کی دیانت کو مشکوک بنا دیا جائے تو دین کی کیا نوعیت
باقی رہ جاتی ہے؟ یہی تو ہیں جنہیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی کوششوں سے

آئندہ امت کے لیے بطور نمونہ تیار کیا اگر دین اسلام کو پنج تن پاک میں محدود سمجھ لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوششیں اکارت گئیں جبکہ وہ صحابہؓ جو آپ کی محنت کا ثمرہ تھے مطلب کے نہ نکلے۔ لیکن نہیں آپ کو اپنے سب وفادار ساتھیوں کی رشد وہدایت پر اعتماد تھا فرمایا اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اہتدیتم¹ میرے صحابہؓ ستاروں کی مانند ہیں جن کی اقتداء بھی کرو گے راہ پاؤ گے۔ یہ حضرات قرآن کی تفسیر، سنت کی تشریح، دین کا خلاصہ اور اسلام کی چلتی پھرتی تعبیر تھے کسی نے ساری زندگی خدمت اقدس میں گذار دی کسی نے نسبتاً کم۔ اپنی اپنی صلاحیت اور مزاج کے اعتبار سے کوئی زیادہ متاثر ہوا۔ کوئی تھوڑا، لیکن فیض رسالت سے محروم کوئی نہیں رہا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مقام نبوی سے قریب تر تھے۔ فرمایا۔ وافقت ربی فی ثلاث (میں نے تین مسائل میں خدا سے موافقت کی) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پوری امت میں سب سے بڑھ کر درجہ دیا گیا ہے۔ حضرت عائشہؓ جو حضرت علیؓ کی قابل (؟) ماں، محرم راز نبوت، صاحب جنب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ام المومنین تھیں۔ علم وافتاء میں انہیں ایک امتیازی مقام حاصل تھا لوگ دقیق فقہی مسائل ان سے جا کر پوچھا کرتے اور آپ پردہ کی اوٹ میں بیٹھ کر ان کا شافی اور محققانہ جواب دیا کرتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق اور آپ کی مخفی زندگی کو جس طرح انہوں نے واضح فرمایا ہے وہ انہیں کا حصہ ہے تعلیم نسواں آپ کی رہین منت ہے کچھ صحابہ علم کا خزانہ تھے انہوں نے علم دین کے حصول وتبلیغ میں دن رات ایک کیا مختلف شہروں میں سلسلہائے درس جاری کئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کو چار دانگ عالم میں پھیلانے کا سبب بنے کیا یہ سب کا فرومنافق تھے؟ یہ منافق تھے تو پھر مسلمان کون ہے؟

---

¹ یہ روایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ اس کے موضوع ہونے کے تفصیلی دلائل کے لئے دیکھئے شیخ ناصر الدین البانی کی کتاب سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ ج احدیث (۵۸) تا حدیث (۶۱) عبدالسلام

یہ صحابہ ۲۳ برس تک جلوت و خلوت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر کام کرتے رہے اور آپ ان میں یہ تمیز نہ کر سکے کہ مومن کون ہے اور منافق کون؟ آپ کے پاس ذرا سی دیر کے لیے گاہک آتا ہے تو اپنی فراست سے فوراً پہچان لیتے ہیں کہ اس کے ساتھ کیسی گفتگو اور کیا برتاؤ کرنا چاہیے۔ کوئی دس روز آپ کے پاس رہے تو آپ اس کے متعلق ایک یقینی رائے قائم کر لیتے ہیں خود اتنے عقلمند اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ خیالات کہ آپ العیاذ باللہ اتنے انجان تھے؟ آپ کو مردم شناسی کا ملکہ بھی نہ تھا ۲۳ سال پڑھایا اور شاگردوں کو نہ جانچ سکے یہ صحابہ پر اعتراض نہیں رہتا بلکہ خود پیغمبر کی ذات اس کی زد میں آجاتی ہے بلکہ صاف لفظوں میں یوں کہنا چاہیے خدا پر اعتراض ہے جس کی نگاہ انتخاب ہی غلط ہو گئی اس نے ایسا پیغمبر مبعوث کیا جسے اتنی دیر تک اپنے اور بیگانے یا اچھے اور برے آدمی کی شناخت ہی نہ ہو سکی۔ اللہ ہمیں معاف فرمائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیوی الیکشن لڑ کر پیغمبری کا عہدہ حاصل نہیں کیا تھا کہ اکثر نا اہل امیدوار بھی کامیاب ہو جاتا ہے آپ خدا کا انتخاب تھے جس میں غلطی کا امکان نہیں ہو سکتا مسجد ضرار کا قصہ آپ کو معلوم ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے پس منظر سے آگاہی فرما دی گئی حضرت علیؓ عبداللہ بن سبا کو تاڑ گئے جو باطن یہودی اور بظاہر ان کا حامی تھا۔ لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تادم وصال اپنے جاں نثاروں کے متعلق شبہ بھی نہ ہو سکا۔

یہ لوگ ترنگ میں آکر ہمیں اس مسئلہ میں بحث کرنے کو کہتے ہیں کہ صحابہؓ کا ایمان ثابت کر دیعنی ہم بحث کریں۔ کن کے بارے میں؟ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں؟ اف توبہ! یہ دن دیکھنا بھی نصیب ہونا تھا۔ کسی کی جان گئی آپ کی ادا ٹھہری۔ اتنی عظیم گستاخی! ہم کون ہوتے ہیں یہ بحث کرنے والے اور آپ کون ہیں پوچھنے والے۔ بخدا سائل و مسئول دونوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پاؤں کی خاک کے برابر بھی نہیں۔

یہ بات خوش آئند ہے کہ شیعہ سنی اتحاد کے لیے اکثر جدوجہد ہوتی رہتی ہے

یہ بہت ہی قابل تعریف بات ہے۔ لیکن صلح کے لیے کوئی بنیاد ہونا چاہیے۔ اور جو ہمارا ہمیشہ سے صرف ایک مطالبہ ہے وہ یہ کہ صحابہ کرام کو برا نہ کہیے۔ مرضی کرتے رہیے بیٹنا چاہتے ہیں تو پیٹیئے! ہمیں کیا تکلیف ہے؟ لیکن کم از کم صحابۂ کرام کو تو برا نہ کہیے انہوں نے آپ کا کیا بگاڑا ہے؟ وہ ہمارے بزرگ اسلاف ہیں ان پر تبرا کرنا ترک کر دیجئے ـــــ جن اہل بیت کی حمایت میں انہوں نے یہ وطیرہ اختیار کر رکھا ہے وہ خود عام صحابہ کے ساتھ شیر و شکر تھے وہ اس عناد میں ہرگز مبتلا نہ تھے جس میں یہ گرفتار ہیں۔ ان کا اختلاف اور نوعیت کا تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ جمعہ ——— مرتب: حافظ محمد قاسم خواجہ صاحب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تین منصب

تلاوتِ آیات، تزکیہ اور تعلیم کتاب و حکمت

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ (سورۃ جمعہ آیت ۲)

وہی ہے (اللہ) جس نے بھیجا ان پڑھوں میں رسول ان ہی میں سے جو ان پر اللہ کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے یقیناً وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

سن ہجری

خدا تعالیٰ کے سبھی دن اچھے اور بابرکت ہیں کچھ ساعتیں خاص طور پر اپنے دامن میں غم یا خوشی کی یاد لیے ہوتی ہیں۔ ربیع الاول سے نہایت مقدس یاد وابستہ ہے اس ماہ ہمارے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے تھے لیکن صحابہ کرامؓ نے جب فارسی سنہ کی جگہ اسلامی سنہ جاری کرنے کی بابت سوچا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت، نبوت یا وفات کی بجائے حضرت عمرؓ کے مشورہ پر ہجرت نبوی سے اس کا آغاز کیا گیا جو مشکلات اور گوناگوں مصائب کی یادگار ہے لفظ ہجرت سے وہ پورا خاکہ ہمارے ذہن میں آجاتا ہے جب مہاجرین نے بے سروسامانی کے عالم میں خویش واقارب اور دیگر دنیوی لذائذ کو اسلام کی خاطر بیح کر وطن کو خیرباد کہہ دیا تھا اس میں ہمارے لیے بہت بڑا درس موجود ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری موجب خیر و برکت اور آپ کا وصال باعث صد افسوس، لیکن سبق آموزی اور عبرت پذیری کے

لحاظ سے ترجیح واقعہ ہجرت ہی کو حاصل ہے اس سلسلہ میں حضرت عمرؓ کی اصابت رائے قابل داد ہے آپ بہت بڑے صاحب فراست اور اعلیٰ صلاحیتوں کے مالک انسان تھے مقاصد اسلام پر آپ کی نگاہ دور رس تھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح فرمایا تھا۔

لو کان بعدی نبی لکان عمرؓ (اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمرؓ ہوتے)۔

اُمّی اور عالم

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ۔ خداتعالیٰ نے ایسے مقام پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا جہاں کا سارا ماحول ہی امی اور ناخواندہ تھا آپ خود بھی امیت سے موصوف تھے۔

النَّبِيُّ الْأُمِّيُّ (الاعراف)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امیت کا مطلب مطلقاً بے علم ہونا نہیں بلکہ رسمی علم سے بے تعلق ہے یعنی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یونانیوں، یہودیوں اور عیسائیوں کے مروجہ علوم سے بے نیاز تھے وہ علم جس پر ان قوموں کو ناز تھا (فَرِحُوا بِمَا عِندَهُم مِّنَ الْعِلْمِ) قابل ذکر چیز نہ تھی۔ وہ اس لائق ہی نہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ضروری سمجھا جاتا ورنہ آپ تو رسول تھے اور رسول بے علم نہیں ہوتے۔

قرآن

يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ۔ پڑھنے والا عالم ہوتا ہے آپ کیا پڑھتے تھے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منبع علم آیات الٰہی تھیں جو علم کا نہ ختم ہونے والا خزانہ ہے اس میں فلسفیانہ تشکیکات اور انسان کے علم ناقص و ناتمام کی بھول بھلیاں نہیں۔ اللہ کی یہ کتاب راستی، پختگی اور یقین محکم کی حامل ہے یہ ۱۱۴ سورتوں پر مشتمل ہے جن میں ہر ضروری مضمون پر گفتگو کی گئی ہے اس میں توحید اور عقائد اسلام کے علاوہ زہد و تقویٰ کی باتیں ہیں راہ خدا میں مال خرچ کرنے کی ترغیب ہے جہاد کا ذکر ہے فتح کی صورت میں مال غنیمت کی تقسیم کا تذکرہ ہے اور پھر مغلوب ہونے والے گرفتار شدگان کا مسئلہ ہے ان کی فوری رہائی اپنے لیے دوبارہ خطرہ مول لینے کے مرادف ہوتی ہے اور زندان میں ڈال دینا انسانیت کی توہین ہے یہ جیلیں مجرموں کی اصلاح کے لیے نہیں یہ برائی اور بدمعاشی کا مدرسہ ہیں یہاں شاذ ہی کسی کو توبہ نصیب ہوتی ہوگی۔

حُسن جزوِ نبوت نہیں

نبی صلی اللہ علیہ وسلم بڑی خوبیوں کے مالک اور ہر پہلو سے باکمال تھے آپ نے سچ مچ بادشاہی میں فقیری کی دولت کے انبار پر بیٹھ کر بھی آپ فقیر رہے آپ بھوکے کو دیکھ کر پریشان ہو جاتے باہر سے مال آتا تو کسی غریب کی حاجت پوری کر کے انتہائی طور پر خوش ہوتے وفور مسرت سے آپ کا چہرہ چمک کر گلنار ہو جاتا۔ کَاَنَّ وَجْهَهٗ مُذْهَبٌ یہ خداوند تعالیٰ کی خصوصی تعلیم وتربیت کا نتیجہ تھا۔ ہمارے علماء بھی قرآن پڑھتے ہیں لیکن یہ رتبہ بلند کوئی نہ پاسکا۔ ملال تو ان کا ہے جو قرآن کی آیتوں سے مشرکانہ عقائد کی اشاعت کرتے ہیں علم رکھتے ہوئے شرکیہ وعظ ابلیسیت ہے شاید انہوں نے توحید کی آیتوں پر کبھی غور نہیں کیا۔ اوران کی نگاہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زلفوں ہی میں اٹک کر رہ گئی ہے۔

یہ کیسی محبت ہے کہ آپ کے مشن کی تو ڈٹ کر مخالفت کی جائے اور حسن ظاہری پر بے محابا مرا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زلفیں سیاہ نہ بھی ہوتیں اور چاند کو شرما دینے والا حُسن نہ بھی ہوتا تو بھی آپ نبی ہی تھے۔ حج کے موقع پر آپ نے سر کے سب بال اتروا دیئے تو کیا آپ کی نبوت میں فرق آگیا تھا؟ حضرت شعیب علیہ السلام نابینا تھے بیماری نے حضرت ایوب علیہ السلام کا سارا رنگ بدل دیا تھا اور حضرت ذوالنون علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں رہنے سے گل کر رہ گئے کیا یہ سب اس کے باوجود نبی نہیں تھے؟ (علیہم السلام) مامون الرشید کے دربار میں عبدالعزیز کنانی رحمہ اللہ کا مناظرہ بشر مریسی سے ہوا۔ بشر کہنے لگا حَسْبُهٗ قُبْحُ وَجْهِهٖ یعنی عبدالعزیز کے جھوٹا ہونے کی یہی کافی دلیل ہے کہ یہ بدصورت ہے عبدالعزیز نے محل کی دیواروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مامون سے کہا یہ پلستر کیوں اکھڑا ہوا ہے؟ یہ اینٹ کیوں ٹیڑھی لگی ہے؟ مامون نے کہا یہ غلطی ہمارے معمار کی ہے۔ پر تمہارا ان غیر متعلق سوالات سے مطلب؟ عبدالعزیز نے جواب دیا: میرا چہرہ بھی خدا کا بنایا ہوا ہے اس میں میرا کیا قصور؟

حُسن تو کئی دفعہ اچھے بھلے آدمی کے لیے مصیبت بن جاتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو حُسن نے قید خانہ کی سیر کرائی اور علم نے چھڑایا۔ حُسن اکثر بداخلاقی کی طرف

بھی مائل کر دیتا ہے صاحب جمال عموماً اپنی عزت اور صحت کھو بیٹھتے ہیں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم بے شک دنیا کے خوبصورت ترین انسان تھے لیکن آپ کی خوبصورتی نبوت کا جزو نہیں تھی۔

قرآن مجید میں آپ کا تعارف کہیں بھی اس قسم کے الفاظ سے نہیں کرایا گیا کہ آپ کی زلفیں ایسی تھیں چہرہ کی رنگت اور ساخت ایسی تھی قدوقامت اور چال ڈھال اس طرح سے تھی قرآن مجید نے آپ کے اخلاق آپ کی تعلیم اور تزکیہ کا بیان فرمایا ہے جو نبوت کا لازمہ ہیں۔

اخلاق فرمایا ویزکیھم جب تک کوئی خود پاکیزہ نفس نہ ہو دوسرے کو اچھے رنگ میں نہیں رنگ سکتا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طہارت و پاکیزگی ایک مسلمہ چیز ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم ہر مجلس میں محتاط اور سنبھلا ہوا پاتے ہیں آپ کی خلوت وجلوت دونوں بے داغ ہیں آپ کا تقویٰ وقتی اور مصلحت کے تحت نہیں ہوتا تھا۔ یہ وہ خوبی ہے جسے دیکھ کر غیروں کو بھی سر تسلیم خم کرنا پڑا ولیم میور جیسا دشمن اسلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبردست اخلاقی قوت کے آگے قلم توڑ کے بیٹھ جاتا ہے اسی تقدس اور ظاہر و باطن کی صفائی کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا اثر حیرت انگیز تھا۔ اسی پاک صحبت نے ابن ابی قحافہ کو ابو بکر صدیق اور ابن الخطاب کو فاروق اعظم بنا دیا۔

تعلیم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ۔ نبی امی کی تیسری صفت بیان فرمائی کہ آپ کتاب وحکمۃ کی تعلیم دیتے ہیں اس سے امیت کا مطلب اور بھی واضح ہو گیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم تمام علوم سے بالا و بلند تھا۔

لیکن یہ تو ہوئیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ صفات جنہیں اللہ تعالیٰ نے قابل ذکر اور ہمارے لیے لائق تقلید سمجھا لیکن ہماری رونق پسند طبیعت راگ رنگ کی محفلوں کی طرف زیادہ مائل ہے۔

دو نقائص : ربیع الاول بارہ مہینوں میں سے ایک مہینہ ہے یہ حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کی پیدائش کا مہینہ ہے اور محرم میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے شہادت پائی تھی ان کے نقش قدم پر چل کر زندگی گذاری جائے۔ تو عقیدت ٹھیک ہے اور اگر تابعداری نہ کرنے کی قسم کھا رکھی ہو تو خواہ کیسا ہی عظیم الشان میلاد یا ماتم کا جلوس نکالا جائے ڈھونگ ہے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت سے سراسر دشمنی ہے۔

نبوت تا قیامت جاری رہے گی اس کے تقاضوں کو پورا کیجئے حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے شہادت کا درجہ پا کر خدا کو راضی کیا یہ پیٹنے والے بتائیے کیا کر رہے ہیں؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور مجسم تھے

میلاد کی ان محفلوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب، تعلیم اخلاق اور تزکیہ کی بجائے زیادہ تر آپ کے نور ہونے پر ہی گوہر افشانی فرمائی جاتی ہے آپ واقعی نور مجسم تھے لیکن وہ بلب نہیں جو بٹن دبا کر روشن کیا اور بجھایا جا سکتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور سورج اور چاند سے بھی زیادہ فوقیت رکھتا ہے کہ یہ روزانہ ڈوب جاتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور لازوال ہے۔

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبۂ جمعہ ——— مرتب: حافظ محمد قاسم خواجہ صاحب

صرف علم نہیں، عمل بھی

وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝ مَثَلُ الَّذِينَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا ۝ سورۃ جمعہ آیت ۳ تا ۵۔

اور دوسروں کے لیے بھی ان میں سے جو اب تک ان سے نہیں ملے اور وہی غالب حکمت والا ہے یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے جن لوگوں پر توراۃ کا بوجھ لادا گیا پھر نہ اٹھایا انہوں نے اسے (عمل نہ کیا) ان کی مثال گدھے کی سی ہے جو پشت پر کتابیں اٹھائے ہوئے ہو۔

صحابہ کی عدالت پر قرآن کی گواہی

گزشتہ جمعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم المرتبت شخصیت اور ماحول پر آپ کے تعلیمی اثرات کے بارہ میں کچھ عرض کیا گیا تھا لفظ یزکیھم پر دوبارہ غور کیجئے اس سے تمام صحابہ کی شان عیاں ہوتی ہے اہل شیعہ جو اسلام کو پنج تن پاکؓ اور مقداد بن اسودؓ اور عمارؓ بن یاسر وغیرہم میں محدود کر کے بقیہ صحابہ کرام پر کھل کر یا گول مول انداز میں ارتداد کا فتویٰ لگا دیتے ہیں بڑی بھولی ہیں ہیں یہ ایسے ہی ہے جیسے کہہ دیا جائے (نعوذ باللہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ میں ناکام ہو گئے تھے بلکہ خدا سے یہ غلطی ہو گئی اس نے ایسا پیغمبر چنا جو تزکیہ کے لائق نہ تھا۔ اور اس نے جن کو اپنے ساتھ ملا کر کتاب وسنت کا امین بنایا وہ بیگانے اور بددیانت نکلے۔

بات سوچ کر منہ سے نکالنا چاہیے بسا اوقات معمولی عصبیت کی بنا پر کہی ہوئی بات بہت دور جا پہنچتی ہے خوارج و روافض کی مبالغہ آرائیوں سے ہٹ کر ائمہ سنت نے صحابہ کرام کے متعلق کلھم عدول اور ساتھ ہی ان کے غیر معصوم ہونے کا جو معتدل فیصلہ کیا ہے صحیح سوجھ بوجھ کا نتیجہ ہے اور قرآن اس کا شاہد ہے۔ دیز کیھم۔

مسئلہ ختم نبوت وآخرین منھم الآیۃ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت صحابہ کرام تک یا مکہ اور مدینہ کی وادیوں تک محدود نہیں آپ کی تعلیم کو کسی ملک، وطن، قوم یا زمانہ کے ساتھ مختص نہیں کیا جا سکتا۔ جب تک زمین و آسمان برقرار ہیں آپ ہر فرد بشر کے لیے نبی ہیں۔ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ اسی سے مسئلہ ختم نبوت بھی سمجھ میں آجاتا ہے جب آپ کی نبوت اور تعلیم قیامت تک سب کے لیے ہے تو دوسرے نبی کا یہاں کیا کام؟ ذلك فضل اللہ۔ الآیۃ۔

عمل کے بغیر علم مَثَلُ الَّذِينَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ الآیۃ نرا علم کافی نہیں ہوتا جب تک کہ اس کے ثمرات اور فوائد مترتب نہ ہوں اور وہ ہے اس کے مطابق عمل کرنا۔ مقصد حاصل نہ ہو تو محنت بے سود ہے۔ عمل کے بغیر علم کوئی چیز نہیں۔ بجلی کی رَو نہ ہو تو وائرنگ بے کار ہے عمدہ چارپائی بُن کر تالے میں رکھ دی جائے تو کیا فائدہ۔ عالی شان مسجد بنا کر مقفل کر دی جائے تو ثواب کی بجائے گناہ ہی ہوگا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں کو خالی تعلیم ہی نہیں دی بلکہ ان کے سامنے عملی سپرٹ کا مظاہرہ بھی فرمایا ہے۔ صحابہ صرف باتیں کرنا ہی نہیں سیکھتے تھے بلکہ وہ ایک باعمل جماعت بن گئی تھی جس کا دل اور زبان ایک تھی اور جس کا قول و عمل یکساں تھا جو لیڈر قوم کو صرف نظریہ دے کر بس ہو جاتے ہیں کبھی کسی اچھے انقلاب کے بانی نہیں ہوتے۔ مقام رسالت کے متعلق ایک پڑھے لکھے آدمی کے لیے اس بات میں بڑے سوالوں کا جواب موجود ہے عبادات ہوں یا معاملات غرض کہ ہر مسئلہ کا تشفی بخش جواب ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی میں مل جاتا ہے۔

حوادث زمانہ بھی ہماری زندگی کا ایک حصہ ہیں

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ (البقرۃ)

ہم تمہیں آزمائیں گے کچھ خوف سے، بھوک سے اور مالوں، جانوں اور پھلوں کی کمی سے۔

نبیوں، ولیوں اور ہم جیسے سیاہ کاروں کو گردش ایام سے پالا پڑتا ہے کبھی خوشی آتی ہے اور کبھی غم، اگر آپ چاہیں تو ان میں اپنے باعمل پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

غم اور خوشی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ

غزوۂ احد میں درہ پر بٹھلائے ہوئے پچاس تیر اندازوں کی غفلت سے کتنی زبردست ناکامی ہوئی۔ شہید ہونے والوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے اور بہادر چچا امیر حمزہؓ بھی شامل تھے۔ ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے جن کا مثلہ کرکے چہرہ مسخ کر دیا اور کلیجہ نکال کر چبا گئی اور پھر اسے تھوک دیا آپ نے کوئی واویلا نہیں کیا، تعزیتی جلوس نکالا اور نہ ماتمی لباس پہنا، باوجودیکہ چچا کی یاد دل سے محو نہیں ہوئی تھی ہندہ جب حلقہ بگوش اسلام ہونے کو پیش ہوئی تو آپ کوئی انتقامی کارروائی عمل میں نہ لائے۔

فتح مکہ معمولی خوشی نہ تھی یہ عرصہ ہائے دراز کی صبر آزما کوششوں کا ثمرہ تھا۔ ۲۳ سالہ مسافر اپنے نصب العین میں کامیاب ہو کر گھر لوٹ رہا تھا لیکن وہ مقدس انسان کہ بڑی سے بڑی مصیبت پڑنے پر کبھی جس سے غیر فطری حرکات سرزد نہیں ہوئی تھیں آج خوشی میں بھی آپے سے باہر نہیں ہو رہا تھا کوئی نعرے نہیں لگے تھے کوئی جلوس نہیں بنایا گیا تھا اور نہ قوالی کی محفلیں ہی جمی تھیں۔ ان سے بدلہ بھی نہیں لیا۔

لا تثریب علیکم الیوم کہہ کر ان کی خطائیں معاف کر دیں، بلکہ اپنے

ہی مکانات جو ناحق تصرف غیر میں جا چکے تھے ان کا فیصلہ بھی نہیں مانگا، اشارۃً حضورؐ کی مرضی پوچھی بھی گئی، اَیْنَ تَنْزِلُ غَدًا؟ کل کہاں قیام فرمایئے گا؟ اور آپ نے ھَلْ تَرَکَ لَنَا عَقِیْلٌ مِنْ مَنْزِلٍ (کیا عقیل بن ابی طالب نے ہمارے لیے کوئی مکان رہنے بھی دیا ہے؟) کہہ کر انہیں مطمئن کر دیا،

گناہ میں تعاون

مجھے اہل سنت پر حیرت ہوتی ہے جو ماتم کے قائل نہیں لیکن محرم میں عزادار شیعہ کو شربت گھول گھول کر پلاتے ہیں کہ لو پیو اور جی بھر کر پیٹو، اس بار شیعہ نے کمال کر دیا اپنے کو پیٹتے پیٹتے ان بے چاروں کو بھی پیٹ ڈالا، جس کام کو آپ جائز نہیں سمجھتے اس میں تعاون کس لیے، صحابہ سے محبت ہے تو اس طرح کیجئے جیسے ان کے اُستاذ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سکھائی ہے، غمی اور خوشی کے اظہار کے لیے باعمل نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور باعمل صحابہ رضی اللہ عنہم کی سیرت کو دیکھنا چاہیئے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

خطبہ جمعہ مولانا محمد اسماعیل مرتبہ :۔ محمد قاسم خواجہ

انبیاء علیہم السلام خدا کے ہمسر نہیں تابعدار ہوتے ہیں

اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ۔ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ ؕ وَاِلَی اللّٰہِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْکَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّکُمْ وَافْعَلُوا الْخَیْرَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ۔

اللہ (بندوں کی ہدایت کے لیے) فرشتوں سے رسول منتخب کرتا ہے۔ (جو بنی آدم کے انبیاء کی طرف آتے ہیں) اور بنی آدم میں سے کچھ شک نہیں کہ اللہ بڑا ہی سننے والا دیکھنے والا ہے۔ جو چیزیں ان کے آگے اور پیچھے کی ہیں وہ سب کو جانتا ہے اور سب امور اللہ ہی کی طرف پھیرے جاتے ہیں (گویا ان سب گاڑیوں کا انجن وہی ہے) اے ایمان والو! (اللہ کے آگے) رکوع اور سجود کرو اور اپنے پروردگار کی عبادت کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ ترجمہ ثناء اللہ مرحوم۔

نبی کا انتخاب خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اس کے امر وہی میں کسی کو کوئی دخل نہیں۔ سب مل کر بھی کسی کے لیے پیغمبری کی دعا کریں تو فائدہ نہیں کسی کسب و ریاضت سے اس منصب کے حصول کی کوشش لاحاصل ہے۔

اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ (انعام)

خدا جس جگہ اپنی رسالت سپرد کرتا ہے اس کو خوب جانتا ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے چند سال پیشتر زید بن عمرو بن نفیل نامی ایک پکے موحد ہو گزرے ہیں جو بتوں کی مذمت اور شرک پر کڑی تنقید کرتے تھے اور غیر اللہ کے نام پر

مشہور ہونے والے جانوروں کے متعلق کہا کرتے :

هُوَ الَّذِیْ رَبَا هَا وَاَنْتُمْ تَجْعَلُوْنَهَا اَصْنَامَكُمْ ۔

انہی خدا نے بنایا اور تم انہیں اپنا صنم بناتے ہو ۔

ان کا مشہور شعر ہے ؎

تَرَكْتُ اللَّاتَ وَالْعُزّٰى جَمِيْعاً

كَذَالِكَ يَفْعَلُ الرَّجُلُ الْبَصِيْرُ

میں نے لات و عزیٰ کو ترک کر دیا ہے

سمجھدار آدمی ایسے ہی کرتا ہے

اس زمانہ میں بچیوں کو ذبح یا زندہ درگور کر دینے کو بُری رسم عام تھی لیکن آپ انھیں لے کر پال لیتے اور جوان ہونے پر خود یا وارثوں سے کہہ کر ان کی شادیوں کا بندوبست کرتے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ان کی بابت سوال کیا گیا تو فرمایا ۔ يُبْعَثُ اُمَّةً وَاحِدَةً ۔ وہ قیامت کے دن تنہا ہی اُمت کی حیثیت سے اٹھائے جائیں گے ۔

اس کے باوجود وہ نبی نہ ہو سکے ۔

موسیٰ علیہ السلام مصر سے بھاگ کر مدائن گئے واپس آ گئے تو نبی تھے ۔

ابراہیم علیہ السلام نے آذر کے ہاں پرورش پائی ۔ سارا ماحول بُت پرست تھا ۔ لیکن ان کی زبان سے جو نکلا یہ تھا ۔ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْ اَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُوْنَ ۔ (انبیاء) یہ کیا صورتیں ہیں جن پر تم ڈیرے ڈالے رہتے ہو ۔ !

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ تربیت انبیاء کی طرف اشارہ ہے ۔

پیغمبر کی پوری زندگی خدا کی نگاہ میں ہوتی ہے ۔ پیغمبر کا علم خدا سے ماخوذ اور خدا کا علم اس پر محیط ہوتا ہے ۔ وہ جو چاہے اسے بتا دے اور جو چاہے اسے راز میں رکھے ۔ اللہ بے نیاز ہے اور پیغمبر کی ہستی اس کی محتاج ۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایک مسئلہ پوچھا گیا آپؐ نے کل بتلانے کا وعدہ کیا ۔ لیکن وہ کل بھی لمبا ہو گیا ۔ دشمنوں کو باتیں بنانے کا موقع مل گیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا خدا اس سے روٹھ

گیا ہے ۔ کسی پیغمبر نے کبھی مختارِ کل یا عالم الغیب ہونے کا دعویٰ نہیں کیا ۔ یہ آیت بھی خدا ہی کے علم پر گواہی دے رہی ہے ۔ عالم الغیب ہونے کا دعویٰ اسی کو جچتا ہے پیغمبر کو علم ہو جائے تو آسمانوں کی باتیں بتا دے ورنہ گھر کا بھی پتہ نہ ہو ۔ وہ خود مختار نہیں ہوتا ۔ وہ خدا کی مرضی سے بولتا ہے ۔

وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ (نجم) اور وہ اپنی نفسانی خواہش سے نہیں بولتا (بلکہ) وُہ خدا کی طرف سے وحی ہے جو اس کی طرف بھیجی گئی ہے ۔

ہماری باتیں غیر ذمہ دارانہ بھی ہوتی ہیں ۔ لیکن پیغمبر ہر بات میں خدا کے حکم کا پابند ہوتا ہے

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ۔ (الحاقہ) یہ رسول اگر کوئی بات از خود گھڑ کر ہم پر لگا دے تو ہم پکڑیں اس کا دائیں ہاتھ تو پھر اس کی رگ جان کاٹ دیں ۔

یعنی ہمارا پیغمبر ہو کر ہمارے ساتھ ہی کی طرح کرے ۔ نبوت اس نے دی ، تربیت و نگہداشت اس نے کی ۔ پھر پیغمبر کے دل میں خدا کے ساتھ مقابلہ کا خیال کیونکر جنم لے سکتا ہے ؟

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِّي مِن دُونِ اللَّهِ وَلَٰكِن كُونُوا رَبَّانِيِّينَ ۔ (آل عمران) کسی بشر کا یہ کام نہیں کہ خدا اس کو کتاب (آسمانی سکھا دے) اور علم (پڑھا دے) اور نبوت دے پھر وہ لوگوں سے کہنے لگے ۔ کہ خُدا کے علاوہ میرے بھی بندے بنو (لیکن) ہاں (یہ ضرور کہے گا کہ لوگوں !) تم اللہ کے ہو جاؤ ۔

حضرت نوح علیہ السلام نے ہزار برس کے قریب اللہ کی بندگی کی ۔ بیٹے کے بارے میں سفارش نا منظور ہوئی تو ذرا بھی ملال نہ آیا ۔

عوام الناس نے الٰہی تا بعدار پیغمبروں کو خدا کے مقابل لا کھڑا کر دیا ہے کہ وُہ ان کی بات کو رد نہیں کر سکتا ۔ فرض کیجئے ۔ آپ مجھے دُعا کے لیے کہتے ہیں اور وہ قبول ہو جاتی ہے ۔ اس میں میرا کوئی کمال نہیں ، عین ممکن ہے ، میری دُعا سے پیشتر ہی بارگاہ ایزدی میں آپ کی درخواست پہنچ کر منظور ہو چکی ہو ۔ لیکن ظہور اس کا اس وقت ہوا ہو ۔

امام ابنِ تیمیہؒ نے اپنی کتاب " الفرقان بین اولیاء الرحمن و اولیاء الشیطان " میں لکھا ہے کہ بعض دفعہ ایک نافرمان قابو میں آجاتا ہے منہ سے دُعا نکلتی ہے تو قدرت کو اس پر رحم آجاتا ہے ۔ لیکن نوح علیہ السلام جیسے تابعدار پیغمبر . . . کی نہیں مانی جاتی ۔

لوگوں نے کئی ٹونے ٹوٹکے بنا رکھے ہیں اور ان پر انھیں بڑا اعتماد ہوتا ہے ۔ کرتا سب کچھ خدا ہے ۔ لیکن ظاہر بین لوگ انہی کا اثر سمجھ لیتے ہیں ۔ انھوں نے اپنے پیروں کے متعلق " کرنی والا " کی جو اصطلاح گھڑ رکھی ہے ۔ وُہ انتہائی غلط ہے ۔ سبھی کرنی والے ہوتے ہیں مثلاً کھانا پینا ، آنا ، جانا ، اور وعظ کرنا وغیرہ ۔ خدا ایک بات سے روک دے پھر کوئی کر کے دکھائے ۔ جب پتہ چلے ، کرنی والا کون ہے ؟

. . . . . اولاد خدا دے اور کہا یوں جائے کہ فلاں حضرت صاحب کی درگاہ سے خیر ملی ہے ! العیاذ باللہ . . . . ہماری کرنی اسباب کی حد تک ہے ۔ شادی اور اس کے لوازمات طے پاتے ہیں ۔ لیکن اولاد کا کہیں پتہ نہیں ۔ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ۔

بعض لوگ اولاد کی حرص میں چار چار شادیاں کر لیتے ہیں ۔ لیکن محرومی پیچھا نہیں چھوڑتی ۔ اس لیے کہ خُدا کی مرضی نہیں ہوتی ۔ جس نے کُل عِلم کا احاطہ کر رکھا ہے ، کرنی اسی کو چاہتی ہے ۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نو بیویاں تھیں ۔ جوان بھی تھیں اور حضورؐ کے عقدِ زوجیت میں آنے سے پہلے ان میں سے کچھ با اولاد بھی رہ چکی تھیں ۔ لیکن جو خدائی اعلان ہوا ، وہ یہ تھا ۔ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ ۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ، سب ولی اور رہبر جن کے پاؤں کی خاک کے برابر بھی نہیں اور روزِ قیامت جن کی شفاعت پر بے شمار لوگوں کی بخشش کا انحصار ہوگا ، وُہ خود اولادِ نرینہ سے محروم رہتے ہیں ۔ تھوڑی سی عقل رکھنے والے کے لیے بھی اس میں بہت سبق ہے ۔ خدا ہمیں صحیح سمجھنے اور سوچنے کی توفیق دے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا الآية . . . . تم اور " کرنیاں " چھوڑ دو یہ " کرنی " کرو جو تمہارے مناسب حال ہے تم دھان سے نماز پڑھو ۔ خشوع وخضوع سے اللہ کی عبادت کرو اور نیکی کو لازم پکڑلو ، اور صدقات وخیرات کے ذریعے اپنے لیے فلاح کا سامان پیدا کرو ۔ باقی جہاں تک دینے کا تعلق ہے وہ خُدا ہی کے قبضہ و اختیار میں رہنے دیجئے ۔ ۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

خطبہ جمعہ　　　　　　　　　　　　مرتبہ : محمد قاسم خواجہ

شرک

وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ ۔ (سورہ حج آیات ۷۲، ۷۳، ۷۴) اور جب ان کو ہمارے کھلے کھلے احکام (پڑھ کر) سنائے جاتے ہیں (جن میں توحید کا ثبوت اور شرک کا رد ہوتا ہے) تو تم کافروں کے چہروں میں ناراضگی سی معلوم کرتے ہو۔ (ایسے بگڑ جاتے ہیں۔) قریب ہوتا ہے کہ جو لوگ ہمارے احکام ان کو سناتے ہیں۔ ان پر ٹوٹ پڑیں، تو کہہ میں تمہیں اس سے بھی بُری چیز بتاؤں (جو سب سے بُری ہے) وہ آگ ہے جس کا اللہ نے کافروں (اور توحید کے منکروں) سے وعدہ کیا ہوا ہے اور وہ بری جگہ ہے (اس میں شرک کے مرتکب داخل ہوں گے) اے لوگو! (شرک سے بچو۔ اس پر متنبہ کرنے کو) ایک مثال بتائی جاتی ہے۔ پس تم اسے کان لگا کر سنو (وہ یہ ہے کہ) اللہ کے سوا جن لوگوں سے تم دعائیں کرتے ہو۔ وہ لوگ ایک مکھی بھی نہیں بنا سکتے۔ اگرچہ وہ سب اس کے لیے جمع ہو جائیں اور (سنو) اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے جائے تو وہ اس سے واپس نہیں لے سکتے (تو نتیجہ کیا ہوا؟ یہی کہ) طالب (دعائیں مانگنے والے) اور مطلوب سب کمزور ہیں۔ (سچ جانو تو) ان مشرکوں نے اللہ کی قدر جیسی چاہیئے تھی، نہیں کی (حالانکہ) اللہ بڑا ہی زبردست سب پر غالب ہے۔ (ترجمہ مولانا ثناء اللہ صاحب مرحوم)

مشرکین مکہ نے دین کی ہر بات میں ملاوٹ پیدا کر دی تھی، ان پر قرآن کی روشن اور واضح آیات پڑھی جاتیں اور وہ تائب یا متاثر ہونے کے بجائے برا مناتے۔ بے قصور کا غصہ معقول ہے گو غصہ کبھی بھی مرض کا علاج نہیں ہوا۔ شرک جیسی عظیم غلطی پر اصرار کرنا اور پھر بات کا بُرا بنانا، کچھ اہل شرک ہی کے حصہ میں آیا ہے۔ توحید کا وعظ سن کر ان کے تیور بدل جاتے، رگیں پھول جاتیں اور چہرے کی رنگت متغیر ہو جاتی اور اسی کسمساہٹ میں اہل حق پر جھپٹنے کی کوشش کرتے۔

معلوم ہوتا ہے۔ ان لوگوں کا ہمیشہ سے یہ شیوہ رہا ہے۔ آج چودہ سو سال بعد بھی ارباب شرک کی یہ مخصوص سیرت نہیں بدلی۔ دلائل کا جواب نہ پاکر لڑنے بھڑنے کو آمادہ ہوجاتے ہیں۔

ان کی عبادت بھی اپنے پیشروؤں سے کافی ملتی جلتی ہے فرمایا۔

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِيَةً (انفال آیت)

اور ان کی عبادت بھی صرف سیٹیاں اور تالیاں (باجے گاجے وغیرہ) ہی ہوتی ہے۔

• اور ہمارے یہ دوست بھی موسیقی کے بہت دلدادہ واقع ہوئے ہیں یعنی شرک ہمیشہ سے گاتا آیا ہے۔

قُلْ أَفَأُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ الآیۃ۔ تم قرآن سن کر ابھی تک ناک بھوں چڑھا رہے ہو۔ تمہیں اس وقت پتہ چلے گا جب آگ سامنے ہوگی جو بدترین ٹھکانہ ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوا لَهُ۔ انداز بیان اس طرح ہے گویا پکار رہا ہو سنبھل جاؤ۔ بات اہم ہے۔ ہوش کے ناخن لو اور توجہ سے سنو۔

إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوِ اجْتَمَعُوا لَهُ

مسئلہ سخت ہے لیکن ہے واضح۔ لوگ غیروں کو مشکل میں کام کرنے والا سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اللہ کے سوا کوئی بھی مصیبت میں کام نہیں آتا۔

توحید کے مسئلہ کو الجھا دیا گیا ہے۔ یہ لوگ بے چارے قرآن اور اس کے مقصد سے آشنا نہیں۔ کچھ سمجھایا جائے تو ہم پر خفا ہوتے ہیں۔ یہ لڑائی ہم سے نہیں، اللہ اور رسول سے ہے۔

آیت میں مِنْ دُونِ اللَّهِ کا ذکر ہے اس میں بتوں کی تخصیص نہیں۔ اللہ کے سوا ہر چیز مِنْ دُونِ اللَّهِ ہے پتھر، درخت، عام انسان، انبیاء علماء اور اولیاء سبھی پر۔

مِنْ دُونِ اللَّهِ۔ کا اطلاق ہوتا ہے۔

بلاشبہ کسی پیغمبر نے اپنی عبادت نہیں کرائی۔ دراصل بعد میں دشمن دوست بن کر نام کا غلط فائدہ اٹھانے کو ایسی باتیں شروع کر دیتے ہیں۔

عبداللہ بن سباء نے حضرت علیؓ کو خدا مشہور کر دیا۔ آپ نے بلا کر فرمایا۔ میں تمہیں ایسی سزا دوں گا جو کبھی کسی نے نہ دی ہوگی۔ وہ بولا، یہی تو خدا کی علامت ہے۔

اہلِ شرک انبیاء کو من دُون اللہ سے مستثنیٰ سمجھتے ہیں۔ یہ کہہ کر انھوں نے مخلوق کو خالق سے ملا دیا ہے۔ جیسے بھاڑے کہا کرتے ہیں، آتما ترقی کر کے پرماتما ہو جاتی ہے۔ ایسے ہی انہیں بھی۔ احد اور احمد میں صرف "میم" ہی کا فرق نظر آیا ہے۔

يُضَاهِـُٔونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَبْلُ (توبہ آیت ۳۰)

کوئی درخت کو انسان کہہ دے تو اسے کہا جائے گا کہ انسان میں یہ خوبیاں ہوتی ہیں۔ اگر اس (درخت) میں پائی جاتی ہیں تو بخوشی اسے انسان کہہ لیجئے۔ ورنہ نہیں۔

اِس طرح کوئی شخص پیغمبر کو دائرۂ انسانیت میں رکھنے کے بجائے خدا بنا لیتا ہے تو سمجھانے کا قدرتی طریقہ یہی ہے کہ خدا میں یہ صفات ہونی چاہئیں، اگر پیغمبر میں موجود ہیں تو ہمیں کیا اعتراض؟ اللہ وہ ہے، جو ہاتھی سے لے کر حشرات الارض تک اور شتر مرغ سے لے کر مکھی تک کا خالق ہے جو زیادہ سے زیادہ ہم روز تک جیتی ہے۔ فرمایا،

تمہارے سارے "حضرات" مل کر بھی ایک مکھی نہیں بنا سکتے۔ کچھ چھین کر لے جائے تو چھڑا نہیں سکتے۔ بڑے بڑے "مشکل کشاؤں" کو دیکھا ہے۔ مکھی ستاتی ہے تو تھپیڑ مارتے ہیں۔ وہ اڑ جاتی ہے تو تھپیڑ اپنے آپ کو لگ جاتا ہے۔

وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ الآیۃ۔

استادوں اور ولیوں کا ادب کرتے ہیں لیکن خدا کا ادب بھول گئے۔ سب قوتیں اسی کے پاس ہیں، کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔

اِس آیت میں "من دون اللہ" کی عاجزی اور بے بسی و بے وقعتی ہے۔ وہ بھی تو مخلوق کی پوجا کر کے اللہ کو جو حقیقتاً قابلِ پرستش ہے، (نعوذ باللہ) بے وقعت بناتے ہیں!

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کو توڑا باز پرس ہوئی تو فرمایا:

فَاسْـَٔلُوهُمْ إِن كَانُوا يَنطِقُونَ (انبیاء ۶۳)

ان سے پوچھ لو اگر وہ بول سکتے ہیں۔

حالانکہ متکلم اور مخاطب دونوں جانتے ہیں، کہ ان کا کوئی قصور نہیں۔ مقصود ان کی بے بسی کا اظہار ہے۔

فتح مکہ کے موقع پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پہلا کام جو کیا ، بُت شکنی تھی ۔ ہر اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ وہ من دُون اللہ کو توڑ دے ۔
حضورؐ نے حضرت علیؓ کو اور حضرت علیؓ نے ابوالہیاج اسدی کو قبہ شکنی کے لیے مامور فرمایا بعد میں بھی توحید پسند حکام ایسا کرتے رہے ۔ ہماری حکومت کو بھی ایسا ہی کرنا چاہیئے ۔

تیسیر الباری

ترجمہ و شرح

صحیح بُخاری

از: حضرت علامہ وحید الزماںؒ

اردو زبان میں صحیح بخاری کی یہ سب سے بڑی شرح ہے۔ ہر حدیث کے مقابل مطلب خیز بامحاورہ ترجمہ میں مطالب کتاب کو اس طرح سے بیان کیا گیا ہے کہ ترجمہ ترجمہ معلوم نہیں ہوتا اور حدیث کا مطلب خوب ذہن نشین ہو جاتا ہے ساتھ ہی ہر حدیث کی شرح بھی معتبر شروح مثلاً فتح الباری، کرمانی، عینی اور قسطلانی وغیرہ سے مرتب کر کے لکھی گئی ہے اور مذاہب مجتہدین بھی ہر مسئلہ میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔ صحیح بخاری کا یہ ترجمہ اپنی نظیر آپ ہے

کامل چھ جلدیں صفحات کاغذ آفسٹ اعلیٰ طباعت خوبصورت جلدیں قیمت

ریاض الصالحین

مترجم عربی اردو

۳۲۳ آیات قرآنی اور ۱۸۹۱ احادیث نبوی کا بیش بہا ذخیرہ امام محی الدین ابی زکریا یحییٰ بن شرف النوویؒ متوفی ۶۷۱ھ نے اس بے نظیر کتاب کو مسلمانوں کی روزمرہ کی زندگی کیلئے بڑی تحقیق اور جستجو کے ساتھ مرتب فرمایا ہے ایک کالم میں عربی متن مع اعراب اور مقابل کالم میں سلیس اردو ترجمہ ہے نیز قیمتی و علمی فوائد اور ضروری تشریحات سے مزین ہے۔ دو جلدوں میں مکمل قابل مطالعہ ایمان افروز مجموعہ ہے۔

دور حاضر میں جبکہ حدیث کی حجیت پر بحث کی جارہی ہے یہ کتاب راہنما کی حیثیت رکھتی ہے۔

دو جلدوں میں مکمل صفحات اعلیٰ کاغذ خوبصورت جلد آفسٹ طباعت قیمت

ملنے کا پتہ: نعمانی کتب خانہ حق سٹریٹ اردو بازار۔ لاہور نمبر ۲

فہرست



مستند دلکش ایمان افروز کتابیں
حیوانات قرآنی
قرآن مجید میں جن حیوانات کا ذکر آیا ہے ان کے اسماء، صفات، افعال و متعلقات سے متعلق ایک جامع لغت اور پھر قرآن مجید میں جہاں جہاں بھی آئے ہیں اس کا حوالہ بہ قید پارہ و سورت و رکوع بھی موجود ہے۔
داعیان حق کے اوصاف
تبلیغ اور دعوت الی اللہ کا فریضہ ہر مومن مرد و عورت پر یکساں فرض ہے، ہر مسلمان دین کی حقتی باتیں جانتا ہے ان کا دوسروں تک پہنچانا اس کا فرض ہے۔ داعیان حق کے لازمی اوصاف آپ کو اس کتاب میں بہتر انداز میں پڑھنے کو ملیں گے۔
حقوق و معاملات
اس مختصر کتاب میں حقوق و معاملات کے ان مسائل کو یکجا کیا گیا ہے جن سے ہماری زندگی میں روزمرہ کا واسطہ پڑتا ہے۔ قرآن کریم و احادیث رسولؐ و تاریخ اسلام وغیرہ و سوانح کی کتابوں سے متعلقہ نصوص و واقعات کو یکجا کر دیا گیا ہے۔
شرح اربعین نووی
اربعین نووی کو اس کے مولف کے اخلاص نیت کا یہ صلہ ملا کہ اربعین نووی کو قبول دوام حاصل ہوا۔ ہر جگہ مدارس میں یہ کتاب شامل نصاب رہی اور آج بھی حدیث کے چاہنے والے سے بے نیاز نہیں ہیں۔
اسلام اور مسیحیت
مسلمانوں اور عیسائیوں کی درمیان، میدان حرب میں محاذ آرائی ایک تاریخی حقیقت ہے جو کسی نہ کسی صورت میں بدستور رہی ہے۔ اس تاریخی کتاب میں مسلمانوں کے روشن ماضی کی جھلک بڑے دلکش انداز میں بیان کی گئی ہے اور ساتھ ساتھ ہی عیسائیوں کی ذہنی آلودگیوں اور اخلاقی پستیوں کو بےنقاب کیا گیا ہے۔
یہود و نصاریٰ
اس کتاب سے اسلامی شریعت کے ان بنیادی مسائل پر نہایت تحقیقی انداز میں روشنی ڈالی ہے جو ہمارے مدارس اور دینی حلقوں میں فراموش کر دیے گئے ہیں۔ اس کتاب کے مطالعے سے ان تمام جھوٹے پروپیگنڈوں کی قلعی کھل جائے گی اور پڑھنے والوں کے دلوں پر اسلام کی حقانیت کا نقش دوام ثبت ہو جائے گا۔
ملنے کا پتہ
نعمانی کتب خانہ
حق سٹریٹ
اردو بازار/لاہور